بن باس
(بیان بنوی)
پروفیسر شمشیر علی خان
JALALI BOOKS
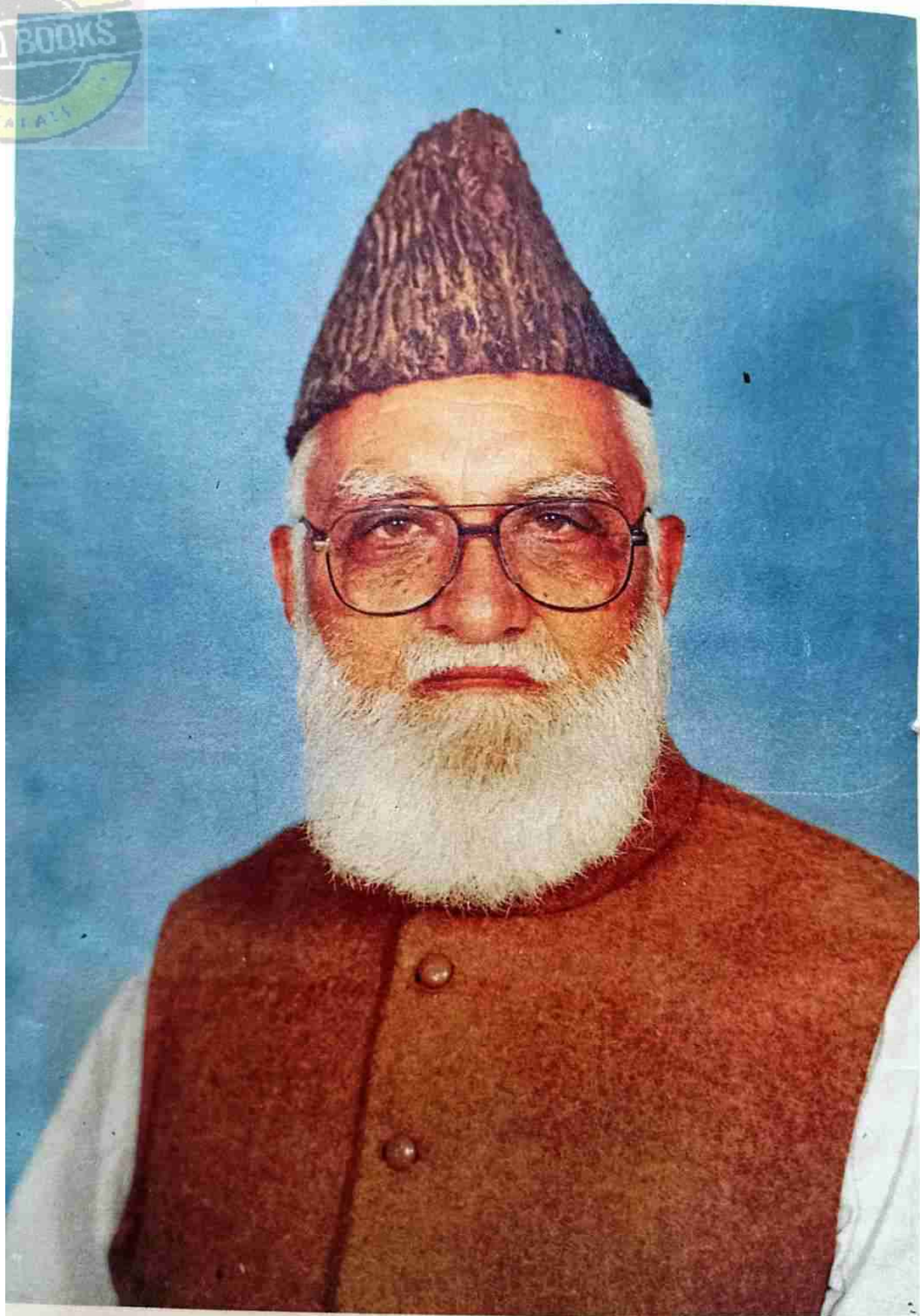
پروفیسر شمشیر علی خان

بن باس

(بیان بنوں)

پروفیسر شمشیر علی خان

نام کتاب۔ بن باس (بیان بنوں)

مصنف ۔ پروفیسر شمشیر علی خان

پبلشرز ۔ ڈیسنٹ پبلشرز، محلّہ جھنگی پشاور شہر

تعداد ۔ ۱۰۰۰

قیمت ۔ ۲۰۰/۔

ملنے کا پتہ۔ صابری بک ڈپو، لیاقت بازار پشاور صدر

کتاب گھر، چوک بازار بنوں۔ پروپرائیٹر میر قلم جان

یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار پشاور

دیباچہ

شمشیر علی خان   قلم و علم کا دھنی

پروفیسر شمشیر علی خان بالآخر اپنی تحقیقی تصنیف کے ساتھ منصۂ شہود پر آہی گئے۔ پروفیسر صاحب بڑے باکمال آدمی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت قلب و روح کی حدت و حرارت ہے۔ درد دل سے معمور پرجوش وبامروت انسان ہیں۔ تقریباً چار دہائیوں تک شعبہ درس و تدریس کے پیغمبری مشن سے وابستہ رہے اور خون دل جلا کر ملت و انسانیت کی راہوں کو اجالنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ پڑھنا اور پڑھانا ان کا وظیفہ حیات رہا۔ مگر لکھنے کی طرف کم کم مائل ہوتے تھے۔ میری ان سے یہی تکرار رہتی کہ جو من میں ہے اسے نکال باہر کریں۔ مگر وہ قلم کی کار فرمائیوں سے گریزاں رہے۔ ان کی فکر میں تخلیقی اپج کی ایک جوش آفریں چکاچوند تو تھی اور ہے مگر وہ تحقیقی میدان کے سوار کبھی نہیں رہے۔ میرا ان سے جو اسرار رہتا تھا وہ اپنی تخلیقی جذبوں کو لفظوں کے روپ میں ڈھالنے سے متعلق تھا۔ پروفیسر صاحب ریٹائرڈ ہوئے تو پوچھا کیا کروں؟ میں نے کہا لکھو۔ فرمایا کیسے؟ میں نے قلم ہاتھ میں پکڑ کر کہا ایسے۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ میں نے کہا اچھا چلیں پڑھیں، صبح شام پڑھیں۔ جو کچھ سامنے آئے پڑھیں کہ اب آپ فارغ ہیں۔ پھر مزید کھلکھلائے۔ میں نے کہا اچھا ایسے کریں ڈائری لکھیں۔ خود نوشت لکھیں بس قلم سنبھالیں۔ آگے خدا آسان کرے گا، خدا آسان کرتا ہے بشر طیکہ آدمی ارادہ باندھ لے۔ پروفیسر شمشیر صاحب نے ارادہ باندھ لیا اور ریٹائرمنٹ کے کچھ ہی عرصہ بعد

ایک بھر پور جامع اور دل آویز تحقیقی دستاویز منصۂ شہود پر لے آئے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ پروفیسر صاحب اس قدر وافر انقلابی و تخلیقی جذبہ و جوش رکھنے کے ساتھ اتنا معمور تحقیقی تہور و تحمل بھی اسی جوشیلے و جذباتی مگر زخمی سینے میں رکھتے ہیں۔ یہ جان کر مجھے حقیقی خوشی ہوئی جب اس کتاب کو اپنی آنکھوں سے تکمیل کے آخری مراحل میں دیکھ لیا اور حرف بہ حرف پڑھ لیا۔ پروفیسر صاحب خالص ادب کے آدمی ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ جوشیلی سیاست کے مرد میدان۔ ان صلاحیتوں کے ساتھ سچی تحقیق کا حقیقی سمبندھ کیوں کر ممکن ہوا یہ دیکھنے کے لئے اس کتاب کا پڑھنا ضروری ہے۔ شمشیر علی خان میرے بہت پرانے رفیق کار اور مہربان و شفیق دوست ہیں۔ میں شاید کسی مشکل زمانے میں ان سے زیادہ جوشیلا و جذباتی رہا ہوں گا۔ وہ قدم قدم پر میرا ہاتھ روکتے اور مجھے تکلیف دہ جذباتی فیصلوں کی کھائیوں میں گرنے سے بچاتے رہے ہیں۔ میں ان کا ذاتی طور پر مشکور ہوں تب سے میری خواہش تھی کہ میں پروفیسر صاحب کے بے پناہ جذبات کو کسی تحریر کے چینل میں ڈھالنے کی سبیل نکالوں۔ میں نے ان پر باقاعدہ کام کیا۔ ہر ملاقات اور مکتوب میں کچوکے دیے، پیغوریں دیں۔ ان کو خطابت اور خطیبانہ وفور کے پلیٹ فارم سے اتار کر کولڈ پرنٹ کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی۔ مجھے ذاتی طور پر خوشی ہے کہ میری یہ سعی مشکور ہوئی اور پروفیسر صاحب ایک صاحب اسلوب ادیب اور ایک نو دریافت محقق کی صورت میں جلوہ ساماں ہوئے۔ ان کی کتاب کو میں نے ایک ادیب کی نگاہ سے دیکھا۔ تحقیق سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں۔

مجھے پوری کتاب میں قدم قدم پر شمشیر علی خان اپنے شمشیر براں لہراتے نظر آئے۔

پروفیسر صاحب کا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں کتابوں کے ساتھ ساتھ اپنے مشاہدے، قوت ایجاد، فکر رسا اور قلبی واردات کو بھی شرف شمولیت بخش کر ایک رنگ نو اجالا۔ ہنوں کی تاریخ کو ہنوں والوں کے لئے یقیناً بڑی اہمیت ہے۔ پروفیسر صاحب کی پہلی کتاب کی حیثیت سے اس کتاب کے پروفیسر شمشیر اور اس سے بڑھ کر ان کے ایک پرستار اور فداکار اس قلم کار کے لئے بھی بڑی اہمیت ہے۔ مگر میں شمشیر علی خان سے اور کچھ لکھوانا چاہتا تھا۔ ہم مشنری لکھنے والوں کا کام کسی شہر صوبے یا پہاڑ دریا کی سن و سال کی کھوج لگانا نہیں۔ ہم تو شہیدان کی راہ پر چلنے والے لوگ ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ شمشیر علی خان اس راہ میں مجھ سے دس قدم آگے ہیں۔ اس لئے میں اسے قبیلہ کشتگاں کا سرخیل بنانے کی سعی کرتا رہوں گا۔ بااین ہمہ میں ان کو اس کاوش نویسی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ قلم پکڑا ہے تو اسے قلم نہیں رہنے دیں گے تلوار بنا کر ہی دم لیں گے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

پشاور۔ ۵ ستمبر، ۱۹۹۹ء

فہرست موضوعات

موضوع		صفحہ نمبر

صفحہ نمبر		موضوع

موضوع	صفحہ نمبر

موضوع

صفحہ نمبر	موضوع	

موضوع

موضوع		صفحہ نمبر

موضوع	صفحہ نمبر

موضوع	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

موضوع

موضوع	صفحہ نمبر

موضوع	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بن باس

(بیانِ بنوں)

میں اس حوالہ سے بات نہیں کر رہا۔ جو ہندوؤں کی مذہبی کتب کا موضوعِ سخن ہے جس کے مطابق رام چندر جی کو بن باس بھجوا دیا گیا تھا اگرچہ بنوں کے ہندو باسیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ موجودہ بنوں وہی بن باس ہے جہاں رام چندر جی تشریف فرما ہوئے تھے وہ دلیل کے طور پر آکرہ کے کھنڈرات اور شہر کی بھرت کا حوالہ دیتے تھے شہر آکرہ آج سے تقریباً 2700 ق م ایک گریک سٹی (یونانی شہر) ہوا کرتا تھا جو ہندو راجاؤں اور یونانی شہنشاہوں کے عہد میں مظبوط گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ اکرہ کے کھنڈرات آج بھی ماہرین آثار قدیمہ کی توجہ کا مرکز ہیں۔ مگر ان حاضر شواہد کے باوجود مورّخ اس مفروضے کو کہ بنوں وہی بن باس ہے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں

باایں ہمہ لفظ بن باس پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔

بن بمعنی جنگل جو سنسکرت کا لفظ ہے جسکی جمع بنوں ہے اور باس سے مراد قیام اور مقام ہوتا ہے۔ رام چندر جی کے قصے کے حوالے سے بن باس کا لفظ لغت عام کا حصہ بن گیا ہے اور بن باس کی یہ نئی ترکیب لغت میں رواج پا گئی۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں شخص کو بن باس کر دیا گیا (جلاوطن) فلانا بن باسی ہو گیا (مسافر) وغیرہ۔ بن باس کی یہ ترکیب سفر۔ مسافر۔ آباد، آباد کار کے مفہوم اور معنوں میں ادا ہونے لگا ہے۔

میرے نزدیک روئے زمین پر ہر انسان بن باسی ہے وہ فطرت کا ہمراز بھی ہے اور ہم زاد بھی۔ انسان فطرت کا غم گسار اور ہم کار ہے فطرت سے جو کام ادھورہ رہ جائے اسے انسان پورا کر دیتا ہے ان معنوں میں انسان فطرت کا نگہباں ہے۔ وہ اس کی حنابندی کرتا رہتا ہے انسان فطرت

کے تقاضوں کو سمجھتا ہے۔ وہ اسے نیا مفہوم پہناتا ہے اسے خوب سے خوب تر بنانے کی سعی کرتا ہے۔ انسان فطرت کو سمجھتا ہے اسے سنوارتا ہے اسکی نوک پلک کو درست کرتا رہتا ہے انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ جنگل کو منگل۔ کہسار کو گلزار۔ راغ کو باغ۔ مٹی کو ایاغ۔ بیاباں کو خیابان۔ پتھر کو شیشہ اور زہر کو نوشینہ میں تبدیل کرتا رہے۔ انسان کی فطرت میں تخلیقی۔ تعمیری اور اصلاحی صلاحیت بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی اس صلاحیت کو ترقی دے کر اسے بروئے کار لائے۔ یہی تخلیق انسانی کا مقصد ہے کہ وہ جہان آرا اور جہان زیب ہو۔ وہ فطرت کی کوتاہیوں کا ادراک کرے پھر ان کا ازالہ کرے۔ اسے حسین تر رکھ دے قابل ستائش اور قابل رہائش۔ اور یہی کام بنوں کے قدیم باسیوں (بنوں والوں) نے بطریق احسن انجام دیا اس حوالہ سے سرزمین بنوں (بن باس) ہے اور اس میں بسنے والے بن باسی ہیں۔

بنوں اپنے جغرافیائی محل وقوع اور قدرتی وسائل کے طفیل جنت نظیر خطہ ارضی ہے۔ آج بھی اگر اسے انسانی دست برد سے بچایا جائے تو کچھ عرصے بعد کثرت آب اور زمین کے زرخیزی کے باعث جنگل بن جائے گا یہی وجہ ہے کہ آج سے سینکڑوں سال قبل بنوں کا بیشتر حصہ جنگلات پر مبنی تھا بقول ایک مغربی مصنف تھاربان THORBURN'، بیگو خان نامی شخص نے علاقہ نار کے قریب ایک شیر کو تلوار سے مارا تھا کیا بعید کثرت جنگلات کے حوالہ سے اس سرزمین کا قدیم نام بنوں ہو کیونکہ بن کی جمع بنوں ہی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

ؔ یوں تو ہزاروں بندے بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

قدیم تاریخی کتب میں بنوں کو بنہ۔ بانا لکھا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ تاریخ البلاذری، فتوح البلدان، تزک بابری، لغت البلدان۔ مغربی مصنفین نے اسے فرنٹیر (سرحد یعنی بنہ) کہا ہے کیونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور افغانستان کے سنگم یعنی سرحد پر واقع ہے۔

کتاب موسوم بہ (بن باس) بیان بنوں کے تاریخی سلسلے کا نہ تو آغاز ہے اور نہ انجام۔ آغاز تو بہت

پہلے سے ہو چکا ہے۔ اور انجام کا یہ سلسلہ لامتناہی رہے گا۔ جاری اور ساری، جب تک روئے ارضی پر انسان قائم اور دائم ہے ان کے قدموں کی چاپ اور پھسلن کا تذکرہ ہوتا رہے گا اور انسانی عروج و زوال کی داستان رقم ہوتی رہیگی۔ جسے عرف عام میں تاریخ کہتے ہیں گویا بن باس اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تاریخ ہمارے لئے نا صرف نشان راہ ہے بلکہ عبرت نگاہ بھی ہے۔ تاریخ تعمیر ملت کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ تاریخ مداوائے امراض ملت ہے۔ جس قوم کو اپنی تاریخ ازبر نہ ہو اس ملک کا جغرافیہ بدل جاتا ہے تعمیر اور تخریب کے عمل میں تاریخ کا کردار مسلّم ہے۔

؎ یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

جان سخن

سرزمین بنوں اپنے سینہ میں ایک جاندار اور خون آشام تاریخ سموئے ہوئے ہے جو ذریعہ اظہار کی منتظر ہے اور فریاد کناں بھی یگانوں اور بے گانوں کی بے بسی اور بے رخی پر۔

اگرچہ فریاد کی کوئی لے نہیں تو بھی اظہار خیال کے لئے مناسب اور موزوں ماحول میسر ہو تو یہی چیز تعمیر ملت کے لئے سر و ساماں ثابت ہوتی ہے کیونکہ اظہار خیال (ذکر) ہی وحدت فکر کی تمہید ہے وحدت فکر سے جوش کردار کو جلا اور تحریک ملتی ہے جس سے اتحاد ملی کی نئی راہیں کھل جاتی ہیں اتحاد ہی فطرت کا محرم راز ہوتا ہے وحدت فکر اور جوش کردار کی ہم آہنگی سے جو تاریخ جنم پاتی ہے وہ زندہ جاوید ہوتی ہے۔

؎ یوں مرتب ہو گئے ہستی کے سنگیں واقعات
فکر میں کرتا رہا ماحول لکھواتا رہا

انتساب

اہتمام حجت ہو یا اہتمام محبت۔ میں اپنی کتاب موسوم بہ (بن باس) ان شہدائے گمنام بے انعام کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خون خاص سے خاک وطن کی آبیاری کر کے وطن عزیز کو آزادی سے ہمکنار کر دیا۔ اور اسے گل و گلزار اور باغ و بہار کر کے رکھ دیا۔

؎ ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

اعتراف

ایک روز برخوردار انجینیر محمد امجد شمشیر نے بنوں گزیٹر 84-1883ء میرے ہاتھ میں تھما دیا گویا یہ ان کی طرف سے تحفہ تھا اور عندیہ بھی کہ میں اس کا مطالعہ کروں اور جو کچھ میرے سینہ کائنات میں بنوں کے باب میں تاریخی مواد موجود ہے تقابلی جائزہ کے بعد منصۂ شہود پر لاؤں کیونکہ یہ قومی امانت ہے اور ملی سرمایہ بھی۔

مجھے احساس پیدا ہوا کہ خداوند پاک نے ہر انسان کو جو صلاحیت عطا کی ہے قیامت کے دن ضرور باز پرس کی جائیگی کہ اس صلاحیت کو کس حد تک ترقی و جلا دی گئی اور پھر اسے اصلاح احوال اور فلاح انسانی کے لئے کس طرح اور کس حد تک بروئے کار لایا گیا میں نے اسی دن سے تاریخ بنوں مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا یہ جوکھوں کا کام تھا کٹھن اور صبر آزما۔ مزید بڑھاپا اور خرابی صحت مانع تھا وسائل کی کمی بھی سدراہ تھی۔ مگر یہاں بھی برخوردار محمد امجد شمشیر نے میری مشکل کو آسان کر دیا پشاور کی مختلف لائبریریوں سے مطلوبہ مواد فراہم کر دیا گیا بنوں ڈیرہ اور دیگر مقامات سے کتب پیدا کر کے میرے حوالہ کرتے رہے۔ اسطرح میرے کام میں آسانی اور ارزانی پیدا ہوئی میں نے وعدہ فردا کے سہارے کام کا آغاز کیا۔

اظہار سپاس

اس باب میں مہتمم برٹش کونسل جناب عبدالحق صاحب، انچارج پشتو اکیڈمی جناب سرفراز خان صاحب، ریسرچ آفیسر جناب ظاہر احمد صاحب، ارکائس لائبریری، لائبریرین محمد سیار ارکائس ڈیپارٹمنٹ، مہتمم جناب انور سلیم صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں بنوں کے محافظ خانہ کا ریکارڈ بھی مطلوب تھا جو مجھے بغیر کسی حیل و حجت کے مہیا کیا گیا اسطرح جناب زرولی خان صاحب میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔

امتنان

برخوردار محمد اسعد شمشیر و پروفیسر مسکین زمان خان روز میرے ساتھ محافظ خانہ جاتے متعلقہ ریکارڈ کی چھان بین میں میرے ساتھ مصروف کار رہتے اور یہ سلسلہ کدوکاوش کا کئی ماہ پر محیط رہا ان کی معاونت، رفاقت اور رسوخیت نے میری ہر مشکل کو آسان کر دیا۔

الحاج افسر علی خان صاحب میرے ممد اور معاون رہے ہیں خاص طور پر انہوں سانحہ سپینہ بگی کے بارے میں واقعات کی نشان دہی کی۔ پیرزادہ ماسٹر دلفراز خان صاحب کی جاندار معاونت میرے حوصلہ کے لئے مہمیز ثابت ہوئی۔ آکرہ کے بارے میں مفید معلومات مجھے ان سے ملیں پروفیسر منظور نے مجھے قیمتی مقالہ پیش کیا ان سب حضرات کا میں فرداً فرداً سر تاپا سپاس ہوں ان کے بغیر شاید میں اپنے کام سے کماحقہ، انصاف نہ کر سکتا کیونکہ۔

جب کشتی ثابت سالم تھی۔ ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

افسر علی خان ہمہ وقت میرے ہمکار رہے ہیں۔ اور میرے تحقیقی کام کو آگے بڑھایا اسطرح میر میر قلم جان سوکڑی جو سرخ پوش خدائی خدمت گار تحریک خلافت کے سرگرم رضاکار رہے ہیں انھوں نے بعض چشم دید واقعات کے حوالہ سے میری معلومات میں اضافہ کیا گاہے گاہے میں ان سے رجوع کرتا رہا۔ ڈاکٹر احمد فواد نے تاریخی مقامات کی فوٹوگرافی کر کے میرے انہماک کو مہمیز دی۔ مزید بن باس کی تالیف و تصنیف اور ٹائیٹل ورق کے مرتب کرنے میں ان کا مذاق شوق شامل ہے

میرے ماخذ

من باس کی تدوین اور تالیف و تصنیف میں ذیل کے ماخذ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱) مغل اور بنوں۔ (بنوں پر مغلوں کی حکمرانی)۔ انشن

۲) ٹریولز، ئ مسن Masson's Travels

۳) اے ایر آف دی پنجاب فرنٹیر اا از کرنل ایڈورڈز

۴) امنگ دی وائلڈ ٹرایبز اا ڈاکٹر پینل

۵) دی پٹھان از آر آئی ریگوے

۶) دی پٹھان از کیرو

۷) حیات افغانی از محمد حیات ٹورنہ

۸) خورشید جہان از شیر محمد گنڈہ پور

۹) تزک بابری از ظہیر الدین بابر

۱۰) بنوں گزیٹر۔۔۔۔(84-1983)

۱۱) تاریخ بنوں وزیرستان ۔۔۔۔ سیفی

۱۲) تاریخ بنوں۔۔۔۔ فیضی

۱۳) آور افغان فرنٹیر از تھار بارن

۱۴) تاریخ افغان از جمال الدین افغانی

۱۵) حقائق حقائق ہیں از ولی خان۔ رہبر اعظم عوامی نشنل پارٹی

۱۶) تحقیقی مقالہ از جناب سرفراز خان عقاب خٹک ایڈوکیٹ

۱۷) تاریخ البلدان از ملا البلازری

۱۸) کنگھم ڈائریاں کنگھم کی ڈائریاں از کنگھم گورنر سرحد

۱۹) مقامی تاریخی مستند روایات جو سینہ بسینہ آ رہی ہیں۔

۲۰) الحاج ہدایت اللہ خان سابق ناظم تعلیمات صوبہ سرحد متحرک انسائکلو پیڈیا

۲۱) تاریخ مسلمانان عالم مصنف / مولف جناب محمد رضا خان سابق پرنسپل۔ ممتاز ماہر تعلیم

اقرار واقعی

گل ایوب خان سیفی اور محمد طفیل احمد فیضی مرحوم دونوں کے حق میں رطب اللسان ہوں جنھوں نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ بھولے بسرے واقعات کی یاد تازہ کردی اور احساس زیاں کے ساتھ ہوں کی تاریخ تاباں فخر ساماں ہماری آیندہ نسلوں کے لئے نشان راہ کے طور محفوظ کیا۔ میں نے بن باس میں ان گوشوں پر خاص توجہ دی ہے جو ان حضرات کی نگاہوں سے یا تو او جھل رہے یا ان کے لئے باعث التفات نہ تھے چنانچہ ان راندہ گوشوں کو میں نے اپنے حیطہ فکر میں لیا ہے البتہ تکرار کی تکلف سے خود کو دور رکھا۔ مقصد یہ ہے کہ واقعات مکررہ کی بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نئی معلومات قاری کو مطالعہ کے لئے مل جائیں۔

مدعائے خاص

بن باس تاریخی واقعات کا ملغوبہ نہیں ہے بلکہ اسے عبرت نامہ تصور کیا جائے۔ میں نے دانستہ طور پر واقعات اور روایات کو اس نہج پر پیش کیا جس سے عبرت اور سبق حاصل ہو۔ لب و لہجہ زبان وبیان بھی عام ڈگر سے ہٹ کر استعمال کیا گیا ہے۔ تاکہ اثر آفرینی کا موجب بنے۔ (خواص کے لئے) مجھ سے قاری حضرات وہ توقع نہ کریں جو دیگر عام مورخین یا مولفین سے وابستہ کی جا سکتی ہیں میرے سامنے ایک معیار ہے (کچھ) تقاضے ہیں جو ہر وقت میرے پیش نظر رہے ہیں جو ارفع ہو اعلیٰ ہو گویا یہ تو خواص کی طلب ہو گی جو میرے پیغام کو سمجھ کر دوسروں تک منتقل کرے۔ اگر میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا تو میری یہ کاوش ثمربار ہے اور یہی میرا صلہ ہے بقول غالب

ع نا ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ
نا سہی اگر میرے اشعار میں معنی نہ سہی

میں نے ہر عنوان کو ایک مکمل اکائی کے طور پر سیاق وسباق۔ پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ

نبھانے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ واقعات، حالات ایک دوسرے کے ساتھ ارتقاء پذیری کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کا ایک دوسرے کے ساتھ فطری اور منطقی ربط ہوتا ہے اس لئے قند مکرر کے طور بعض واقعات کو پیش کرنا پڑا ہے۔ یہ میری مجبوری تھی میری یہ خواہش رہی کہ کوئی عنوان تشنہ نہ رہے اور اس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ اسکی خاطر کتاب ہذا کی آگے یا پیچھے ورق گردانی کی زحمت کرنا پڑے اور ہر جز میں کل کا لطف موجود رہے۔

؎ قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جز میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

تاریخ اور مورّخ

تاریخ نویسی ایک فن ہے بہت اعلیٰ اور ارفع۔ یہ سائنس کا ایک جداگانہ شعبہ ہے جس کے کچھ قاعدے قوانین اور مخصوص تقاضے ہوتے ہیں تاریخ نویسی فن قصیدہ گوئی اور داستان سرائی بھی نہیں یہ افسانہ طرازی جیسی شے بھی نہیں ہے یہ چیزے دیگر ہے یہ بہت ہی نازک آبگینہ ہے۔ تاریخ کے ساتھ جو تاثر اور تصور وابستہ ہے کہ یہ Fiction ہے جس پر اکثریت کا اتفاق ہو کر تاریخ کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ مفروضہ گمراہ کن ہے۔

تاریخ انسانی تخلیق اور کاوشوں کا عملی اظہار ہے وہ اسے محفوظ کر دیتا ہے تاریخ نشان راہ بھی ہے اور عبرت نگاہ بھی یہ شے دیگر ہے نازک اور قیمتی بے بہا۔ مورخ ذہن رسا کا مالک ہوتا ہے وہ ہمہ جہت اور ہمہ رس ہوتا ہے وہ قطرے میں دریا ذرے میں صحرا کا تماشہ کرتا ہے اور تماشہ دوسروں کو دکھاتا بھی ہے۔ اسے جز میں کل دکھائی دیتا ہے وہ حقیقت رس اور حقیقت شناس ہوتا ہے وہ اہل نظر کے ساتھ ذوق نظر کا بھی مالک ہوتا ہے جو شے کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

مورخ واقعات۔ حالات اور روایات کو منطق دلیل و حجت کی کسوٹی پر پرکھتا ہے وہ بڑا ادراک اور صاحب ادراک ہوتا ہے۔ تاریخ نویسی ایک شعوری اور تخلیقی فعل کا نام ہے مورخ کے لئے خداداد صلاحیت کا ہونا بہت ضروری ہے اسے جرات اظہار کا پیکر ہونا چاہیے۔ مورخ کے لئے وسیع مطالعہ وقیع مشاہدہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ الغرض فن تاریخ نویسی مسلسل تحقیق و جستجو۔ قوت تخلیق۔ قوت ممیّزہ سے عبارت ہے۔ محض تقلیدی روش مورخ اور تاریخ دونوں کے لئے نقصان دہ ہے مورخ کا ذہن تعصب سے پاک ہونا چاہئے ورنہ وہ تاریخ سے انصاف نہیں کر سکے گا بعض متعصب مغربی مصنفین نے دانستہ طور پر اسلامی تاریخ کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے کیونکہ تاریخ ایک تعمیری کوشش بھی ہے جس کے طفیل قومیں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی۔ ان مصنفین نے تاریخ کو حربے کے طور پر استعمال کیا ہے

تاریخ چونکہ شعوری کوشش کا نام ہے تاریخ مرتب کرتے وقت ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں

جہاں سوچ وبچار۔ فکر و شعار کے در یچے واہو نا پڑتے ہیں کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہے اور کیا یہ ظن و تخمین ۔ تعصب وآفرین ۔ تحسین باہمی اور افسانوی رنگ و روغن کا آمیزہ تو نہیں ہے ۔ بد قسمتی سے ہمارے اپنے بعض مورخین نے تقلید محض کی روش اپنا کر اپنی قوم وملت کی تباہی ورسوائی کا ساماں پیدا کر دیا۔ گویا تاریخ ملی کو بے گانوں کے ساتھ ساتھ یگانوں نے بھی خزاں رسیدہ اور شب گزیدہ بنادیا ہے۔

مورخ ایک لحاظ سے خالق کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ جو خالق کائنات کا مدعا بھی ہے کار تخلیق میں انسان یزداں کا ہم کار ہے قرآن پاک میں خالقین کا صیغہ استعمال ہوا ہے یہ انسانی تخلیقی صلاحیت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

مورخ نباض فطرت ہوا کرتا ہے وہ فطرت کی مقاصد کو بروئے کار لاتا ہے تاریخ اگر روئداد حیات کا نام ہے تو مورخ تفسیر کائنات پیش کرتا ہے مزید کہوں احتساب جان وجہان کا نام تاریخ ہے تاریخ سے آگاہی وحدت فکر کا سروسامان ہے۔ جس سے جوش کردار کو جلا اور تحریک ملتی ہے اور ایک نئی تاریخ کی تمہید بن جاتی ہے۔ یہ سلسلہ رواں دواں رہتا ہے۔ مورخ کا فرض بنتا ہے کہ وہ صدائے کن فیکون پر کان دھرے۔ کیونکہ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے۔ آئینہ حق محبوب حقیقی کے پیش نظر ہے وہ ہمہ وقت مصروف آرائش جمال ہوتا ہے تاریخ اسی روزوشب راز و نیاز کا احوال پیش کرتی ہے اور اسی حوالہ سے انسان کی کامرانیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی بھی ہو جاتی ہے تاریخ مورخ کے ہاتھوں میں آئینہ دہر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو یہ آئینہ دہر دکھاتا ہے جسمیں افراد اپنے خدوخال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور درس عبرت پکڑتے ہیں اپنے مستقبل کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ تاریخ فہمی کی یہی افادیت ہے جو مسلم ہے مورخ کا موضوع مشاہدہ حق ہوتا ہے مورخ معارف کردگار ہوتا ہے مورخ نئے حوادث کا ادراک پرانے حوادث کے حوالہ سے کرتا ہے اس کا علاج سوچتا ہے گویا تاریخ امراض ملت کا مداوا پیش کرتی ہے مورخ کے شب وروز بامعنی ہوتے ہیں۔

؎ میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں تسبیح روزو شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
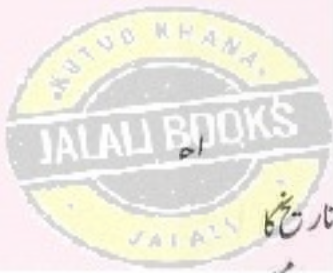
تاریخ انسان اور کائنات

تاریخ کا موضوع اگر ایک طرف کائنات اور اس کا مشاہدہ ہے تو دوسری طرف انسان تاریخ کا جان سخن بھی ہے۔ زمین اپنی طبعی خصائص یعنی مادی سہولیات آب و ہوا قدرتی وسائل اور محل وقوع کے طفیل انسانی مسائل۔ جسمانی ساخت و پرداخت عادات واطوار رنگ وروپ قدو قامت حالات، ضروریات عمل رد عمل خوراک پوشاک انسانی تہذیب وتمدن کو برابر متاثر کرتی ہے انسان ان ارضی عوامل سے بہتر انداز میں استفادہ کرنے کے لئے توفیق انسانی کے بموجب وسائل کی تلاش اور جستجو میں رہتا ہے۔ یا خود ان وسائل کو پیدا کرتا ہے۔ وہ شب روز دشت ودریا ،ارض وسما سمندر وصحرا میں اپنے علم وعمل کے طفیل اپنے حق میں برابر تبدیلیاں لاتا رہتا ہے۔ اپنی بے قرار فطرت کے طفیل تسخیر کائنات کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور نئے جہات سوچتا ہے۔ نئی ترجیہات اور نئی ترغیبات تلاش کرتا ہے۔ نئی توضیحات اور تشریحات کرتا ہے۔ وہ اپنے عمل کا محتسب ہوتا ہے تاکہ دست قضا میں شمشیر ثابت ہو

؎ صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

احتساب کا یہ سلسلہ تالبد جاری رہتا ہے ایک طرف اگر انسان فطرت پر اپنا جادو جگاتا ہے تو زمین اپنا اثر انسان پر جماتی ہے زاتی مفادات کی جنگ اور فروعی اختلافات کی کشمکش اس کے سوا ہے ۔انسان انسان سے برسرپیکار رہتا ہے۔ نظریہ نظریے سے ٹکراتا ہے۔ ان عوامل کے باہمی اتحاد وتضاد سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ تاریخ ان سب کا تذکرہ کرتی ہے۔ وہ کسی کی کوتاہی کو نظر انداز نہیں کرتی۔ تاریخ وہ معیار اور کسوٹی ہے جو انسانی قدموں کی چاپ اور پھسلن کو ناپتی رہتی ہے۔ نئی صورت حال سے ایک نیا جہان آباد ہوتا ہے جو جذبے جوش و جہاد کا مرہون منت ہوتا ہے۔ یہ نئی صورت حال انسان کو قوت عمل رد عمل کو مہمیز مہیا کرتی ہے۔ اور دعوت غور فکر اور درس عبرت کا ساماں کرتی ہے۔ تاریخ اسی فکر و ذکر عمل اور رد عمل کا

احاطہ کرتی ہے۔ اسی لئے تاریخ بڑی گراں مایہ ہے۔ جو قوم اپنی تاریخ کا شناسا نہیں اس قوم کا جغرافیہ بدل جاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے گویا آزادی غلامی بن جاتی ہے

لفظ بنوں کی وجہ تسمیہ

انساب الکتاب میں جو شجرہ دیا گیا ہے اس کے مطابق بنوں والوں (بنویوں) کا جد امجد شاہ فرید (شیتک) ہے ان کی تین بیویاں بتائی گئیں ہیں ان تینوں بیویوں میں ایک بیوی کا نام بانو بتایا گیا ہے۔ جب کہ باقی دو بیویوں کے نام معدوم ہیں۔ بعض مورخین متقدمین نے بنوں کی وجہ تسمیہ اسی بانو نامی خاتون کو بنیاد گردانا ہے۔ جو خیال خام اور غلط العام کا نتیجہ ہے۔ میرے نزدیک یہ مفروضہ نہایت لغو اور گمراہ کن ہی نہیں بلکہ رسوا کن بھی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی دو بیویوں کے نام صفحہ تاریخ سے محو کیوں ہیں؟ صرف بانو نامی خاتون کی تشہیر کیوں ہوئی۔ جس سے لفظ بنوں تشقیق پا گیا۔ کیا بنوں والوں کی تذلیل تو مقصود نہیں۔ افغان معاشرہ خاتون کے نام کی تشہیر کبھی بھی گوارا نہیں کرتا وہ اسے ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتا ہے۔ اگر کسی افغان کو ماں یا خاتون کے نام سے منسوب اور موسوم کیا جائے تو وہ بہت برا مناتا ہے۔ اور اسے گالی کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔ اور بدترین گالی تصور کرتا ہے۔ اس باب میں مجھے غصہ بھی آتا ہے اور ہنسی بھی۔ غصہ غیروں پر اور ہنسی اپنوں کے جہل پر۔ دو مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان چپ نہیں رہ سکتا، مقام آہ اور ہنگام واہ اور اگر دونوں بے داد کا نتیجہ ہوں تو اسے جہل اور جبر ہی کہا جائے گا۔

مورخین اور محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ علاقہ بنوں پر اولاد شیتک کے قبضہ کرنے سے قبل یہاں ہنی اور منگل قابض تھے۔ جن کی تعداد آٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جبکہ نووار دان اولاد شیتک کی مجموعی تعداد ۲۰ ہزار تک پہنچتی تھی گویا شیتک اس علاقے میں تن تنہا نہیں آیا تھا اس لئے یہ ممکن نہیں کہ سارے بنوں وال صرف ایک بانو خاتون کی اولاد ہوں سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ پھر ان بیس ہزار کثیر آبادی اور نفوس کا کیا بنا گیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس بے نام وگمنام علاقے کو تسخیر کر چکنے کے بعد شیتک نامی شخص نے اپنے لشکر کو حکم دیا ہو کہ تم سب واپس شوال چلے جاؤ اور اسے نسل کشی کے لئے موجودہ علاقے میں تنہا چھوڑ دیا جائے مزید کیا باقی دو بیویاں بانجھ ہو گئی تھیں جس کی کوئی اولاد نہیں ہوئی یہ تو بنوں نہ ہوا کوئی مرغی خانہ ہوا صرف ایک جوڑی موجودہ کثیر آبادی کا منبع اور ماخذ بنے ۔ جہل کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اولاد شیتک (کیوی اور سوری) کی قیادت میں بنوں کو تسخیر کیا گیا تو شاہ نیک بین نے کیوی اور سوری کے درمیان بنوں کو تقسیم کیا اور ہر بیٹے کے ساتھ کثیر تعداد میں متعلقہ علاقے / حصے میں افرادی قوت بھی منتقل ہوئی۔ بیگم بانو کا قصہ پارینہ لغو اور گمراہ کن ہے یہ ایک افسانہ ہے جو ہم سب کے لئے باعث ندامت و شرم ہے یہ نا صرف غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ بلکہ ناممکن العمل بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ بنوں میں شیتک اپنے قبیلہ اور برادری کی کثیر تعداد کے ساتھ قابض ہوا۔ یہ سب آباد کار جسے بنوں وال کہتے ہیں۔ ایک ہی قبیلہ کے افراد ہیں۔ اور افغان النسل ہیں۔ صرف بانو کی پیداوار نہیں۔

ایڈورڈز (۱۸۴۷ء) تھاربان (۱۸۶۱ء) دونوں لکھتے ہیں کہ بنوں کے باسی خود کو بنوں وال پکارتے ہیں۔ بنوں کی مروجہ وجہ تسمیہ بانو کے حوالہ سے بالکل ناقابل قبول ہے۔ یہ بعد کی اختراع ہے جو توجہ طلب ہے۔ اور باعث اصلاح بھی۔

تاریخی شواہد موجود ہیں بنوں میں اولاد شیتک معہ لشکریاں شیتک کی آمد سے قبل بنوں نام کی قلمرو موجود تھا جس کا تاریخی نام بانا بنہ تھا۔ جو بعد میں بنوں پڑ گیا اب بھی کسی بنوں وال سے پوچھا جائے تو بنوں کو اپنے لہجہ کے مطابق ہمیشہ بانا ہی پکارے گا۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل ایک چینی سیاح ہیون سانگ نے بانا لکھا ہے فتوح البلادان کے مصنف البلاذری نے ۴۴ھ میں بنوں کا ذکر کیا ہے اسے بنہ لکھا ہے ملاحظہ ہو ایک اقتباس

(سجستان کے امیر مہلب بن ابی صفری آزدی نے اندرون ہند میں فتوحات حاصل کر کے گزشتہ دونوں شکستوں کا بدلہ لینے کے ساتھ مزید فتوحات کیں...... قندابیل پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بنہ اور لاہور کو فتح کیا (لاھور صوابی میں اب غیر معروف بستی ہے)...... کیرو مصنف دی پٹھان نے بھی اس تاریخی واقعہ پر جامع تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ بنہ موجودہ بنوں ہی تھا۔ جو بہت ہی مضبوط اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ شہر آگرہ کے کھنڈرات سے دریافت ہونے والے سکے گواہی دینے کے لئے کافی ہیں کہ بنوں شیتھوں کی آمد اور یلغار سے بہت پہلے ایک اہم اور تاریخی مقام تھا اور اس کا اپنا نام تھا یہ بے نام ڈھنڈ نہ تھا جیسے بعض تاریخی کتب میں درج ہے ممکن ہے کوئی حصہ ڈھنڈ ہو لیکن سارے علاقے کو ڈھنڈ کہنا تاریخی جہل پر مبنی ہے۔ تزک بابری میں ۱۵۰۵ء میں بنوں کو بنہ لکھا گیا ہے جملہ مغربی مصنفین نے بنوں کو بنہ (سرحد) لکھا ہے (ا) اے ایران دی پنجاب فرنٹیر (سرحد) (ب) امنگ اور افغان فرنٹیر (سرحد) وغیرہ وغیرہ کسی نے پنجاب سرحد لکھا کسی نے افغان سرحد پکارا۔

وجہ صاف ظاہر ہے ایک زمانے میں بنہ / بنوں باختری (کابل) کا ایک صوبہ رہا ہے۔ ۱۸۲۳ء تک بنوں افغانستان کی قلمرو میں شامل تھا گویا یہ علاقہ افغانستان اور انڈیا کے سنگم پر واقع تھا اس لئے جغرافیائی محل وقوع کے باعث اس علاقے کو بنہ کہا گیا۔

بنوں نے بہت ادوار دیکھے ہیں یہاں یونانی بادشاہوں۔ ہندو راجاؤں سلاطین اسلام ۔ محمد غوری ۔ محمود غزنوی جیسے شاہوں کے نشان پا پائے جاتے ہیں بنوں بہت ہی قدیم تاریخ اپنے سینے میں سموئے ہوا ہے۔ بنوں کی قدامت مسلم ہے اور اپنا نام بھی رکھتا تھا۔

یہ بھی ممکن ہے بنوں کی وجہ تسمیہ جنگلات کی بہتات ہو کیونکہ بنوں بن کی جمع ہے ایڈورڈز لکھتے ہیں پورے ہندوستان کے مقابلے میں بنوں میں کثرت سے بارشیں ہوتی ہیں یہاں شیشم اور توت کے گھنے جنگلات ہیں کثرت آب کے باعث جنگلات کا ہونا ضروری ہے بنوں سنسکرت لفظ ہے بنوں کی قدیم آبادی بھی ہندوؤں پر مشتمل ہوتی تھی بنوں کے بعض دیہات کے نام بھی

سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ جیسے کئی بھرت، پنجل۔ سوکڑی۔ مندیو، (مہادیو) شاہ دیو (شہادیو) وغیرہ۔ جو ہندو دیوی دیوتاؤں سے موسوم اور منسوب ہیں۔ بنوں سے مراد جنگلات کا مسکن ہے۔ ایک حوالہ سے بنوں بمعنی۔ ٹحای یعنی جگہ اور مقام ہے بنوں ٹحائی سے مراد وہ شخص جس کا مسکن بنوں ہے نا کہ بانو کا بیٹا۔

لفظ (بنوچی)

بنوچی ترکیب بھی نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ حقارت آمیز بھی ہے یہ نام غیر مقامی باشندوں نے دیا جنھوں نے زبان کی مجبوری کی وجہ سے بنوں والوں کو بنوچی کہا۔ جیسے عرض کر چکا ہوں بقول ایڈورڈز (۱۸۴۷ء) بنوں کے باسی خود کو بنوں وال کہتے ہیں اور اسی میں فخر محسوس کرتے ہیں بنوں میں جب غیر افغانوں کی آمد شروع ہوئی جو پشتو زبان سے بے گانہ تھے مثلاً ہند کی (اعوان) جٹ۔ باغبان اور دیگر مزدور پیشہ افراد جو زیادہ تعداد میں پنجاب اور ہند سے بنوں آئے اور یہاں آباد ہوئے انہوں نے بنوچی ترکیب وضع کی۔ یہ لفظ بہ ترکیب اسم تصغیر ہے جو ہمارے لئے باعث تحقیر ہے۔ اب اسے متروک ہو جانا چاہیے۔ چاہیئے سب بنوں وال اپنے نام کے ساتھ بنوی ترکیب استعمال کیا کریں۔ یہی ہماری قومی شناخت اور وجہ تفاخر ہو سکتا ہے۔ جب دیگر افغان اپنے نام کے ساتھ فخریہ طور پر آفریدی وزیر۔ خٹک اور محسود لکھ سکتے ہیں تو ہمارے لئے بھی یہ امر قابل غور ہونا چاہیے ڈیرہ سے ڈیروی۔ کوہاٹ سے کوہاٹی پشاور سے پشاوری ہزارہ سے ہزاروی۔ تو بنوں سے بنوی ہونا چاہیے جو تھا۔ اب نہیں آج سے ڈھائی سو سال قبل اخوند شیر محمد بنوی جو بازار احمد خان کے باسی بہت بڑے عالم دین تھے ہدایہ پر ان کی حواشی موجود ہیں اور بہت سارے مذہبی رسائل کے خالق ہیں وہ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ بنوی لکھا کرتے تھے۔

اپیل بنام بنویان

بنوی نام سے اتحاد ملی کی صورت پیدا ہوتی ہے یہ نفاق کو ختم کر سکتا ہے احساس زیاں کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ طاؤس ورباب زوال کی علامت ہے اس کے بدلے شمشیر و سناں سے شغف پیدا کیجئے۔ جو عروج کی نشانی ہے۔

؎ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس ورباب آخر
اقبال

اپنی شناخت پیدا کیجئے۔ جو ذیل امور کے ساتھ وابستہ ہے۔

۱۔ اپنی بولی (علاقائی زبان)
۲۔ پگڑی (عزت و عظمت کی نشان ہے)
۳۔ لفظ بنوی (قومیت کی پہچان ہے)

تذکرہ ہنی اور منگل قبائل کا

انہیں بنوں میں انگل منگل پکارا جاتا ہے یہ غور غشتی افغان کار لانڑی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں تیرھویں صدی عیسوی میں ہنی قبیلے کے ساتھ اصل منگل بیرمل (افغانستان) سے بنوں آ کر یہاں آباد ہوئے جب سبکتگین کی عملداری تھی تو بنوں میں بدنی، نام قوم آباد تھی ان کے عقائد ہندوانہ تھے اور بت پرست تھے انڈیا جانے کیلئے عسکری لحاظ سے بنوں مختصر پر مشکل ترین گزرگاہ ہوتا تھا دریائے لوڑہ کے گزرگاہ کو کاروان درہ بھی پکارا جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے بنوں پر زبردست یلغار کی تھی شہر آکرہ بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا۔ یہاں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر کار محمود غزنوی فتح یاب ہوا۔ آکرہ کو ویران کر دیا گیا مدتوں یہ ویران رہا۔ سلطان محمد غوری کے ساتھ انگل منگل کے چند دستے بھی آئے جب بنوں فتح ہوا تو یہ قبائل بنوں میں آباد ہوئے انہوں نے دریائے کرم سے ایک نہر کچکوٹ نکالی زراعت شروع کی ابھی بمشکل نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ انہیں اولاد شیتک کے ہاتوں بنوں سے بیدخل ہونا پڑا۔ صرف چند گھرانوں کو رہنے دیا گیا ہنی ہندوستان کی طرف چلے گئے اور منگل کچھ دامن کوہ سفید پاڑہ چنار کے مضافات میں آباد ہو گئے اور بعض خوست آباد کے مغربی جانب کوہستان میں آباد ہو گئے۔ اور آج تک وہیں رہ رہے ہیں زدران قوم جوان کی قدیم دشمن ہے ان کے اردگرد آباد ہیں منگل قوم بڑی جنگجو ہے یہ اکثر قوم زدران کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں یہ سب سنی مسلمان ہیں بنوں میں اسوقت فاطمہ خیل کلاں اور بازار احمد خان میں منگل کے کچھ خاندان آباد ہیں شہدیو میں ہنی قبیلہ کا ایک خاندان باقی رہ گیا ہے اگر موقع ملا تو مناسب موقع پر ان خاندانوں کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ذکر آکرہ

بنوں کے باسیوں میں آکرہ کے بارے میں ایک روایت سینہ با سینہ چلی آرہی ہے کہ آکرہ کے کھنڈرات عذاب الٰہی کی یادگار ہیں یہ کہ کسی زمانے میں شہر آکرہ خوب آباد تھا مگر یہاں کے باسیوں پر ان کی نافرمانیوں کے سبب قہر خداوندی یعنی آسمان کی طرف سے سنگ باری کے طور پر نازل ہوا اور آبادی آن کی آن میں نیست و نابود ہو گئی اب بھی لفظ آکرہ کو بد عا کیلئے استعمال ہوتا ہے خدا فلانے پر آکرہ برسائے۔ یہ بدترین بددعا سمجھی جاتی ہے۔

ایک دوسرا مفروضہ بھی ہے کہ آتش فشاں کے عمل سے آکرہ کے کھنڈرات وجود میں آئے ہیں جس کا منبع آکرہ سے چند میل دور دریئشی غذیری کے قریب ایک کنئوں نما سوراخ تھا۔ بتایا جاتا ہے اس سوراخ میں سے لاوا نے بہہ کر سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور اسے نیست و نابود کر کے زمین دوز کر دیا گیا۔ آج بھی سیاہ پتھروں کی پٹی کا سلسلہ اس سوراخ سے شروع ہو کر بکا خیل سے ہوتا ہوا آکرہ تک پھر آگے علاقہ لیوان تک پہنچ جاتا ہے مگر اسکی کوئی سائنسی بنیاد نہیں اور نہ ہی آثار قدیمہ کے کسی ماہر نے اسکی طرف کوئی اشارہ کیا ہے اگرچہ میرے ایک دوست حبیب الرحمان ہلال صاحب اٹلی میں مستقل قیام رکھتے ہیں اس مفروضہ پر سختی سے قائم ہیں اور مجے متعدد خطوط ارسال کر چکے ہیں۔

مقامی ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق شہر آکرہ کا بانی بھرت تھا جو رام کا بھائی اور راجہ دستر تھ کا بیٹا تھا۔ جو ہندوؤں کے دیومالا میں مشہور کردار ہیں۔ اس دعوے کی تصدیق ان سکھوں کی یونانی تحریروں سے ہوتی ہے۔ ان سکھوں کو سیتارام سے منسوب کیا گیا ہے مگر حیرت ہے کہ دیومالا کے یہ کردار یونانی کیسے جانتے تھے ؟ یہ معمہ حل طلب بھی ہے اور توجہ طلب بھی۔ اس کا جواب شاید کوئی سکہ شناس یا ماہر آثار قدیمہ ہی دے سکے یہ بھی سوئے اتفاق یا حسن اتفاق سمجھئے کہ آکرہ سے مساوی فاصلے پر ایک دوسرا شہر ککی ہے یہ بھی ہندوؤں کے متذکرہ مفروضے کی تائید
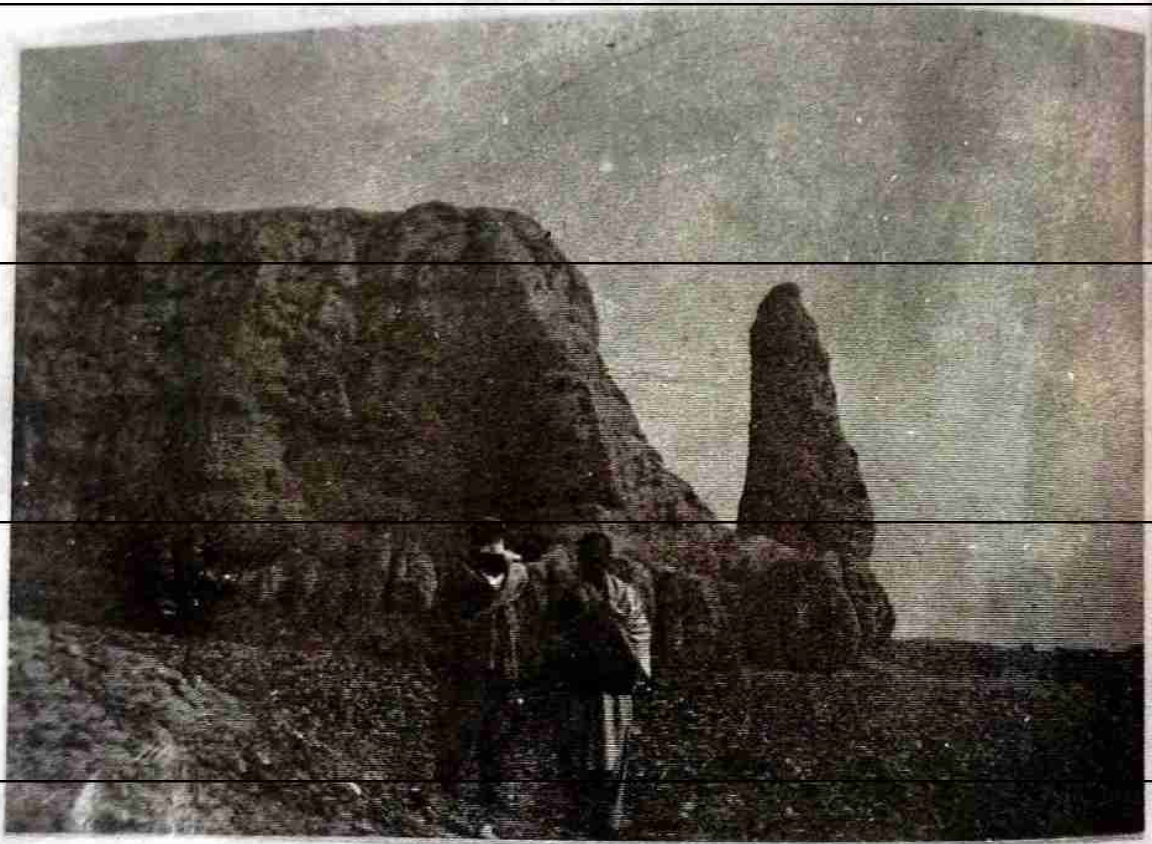
کرتا ہے کبھی بھرت کی ماں تھی۔ ماہرین اثریات نے اس مفروضے کو غلط قرار دیدیا ہے۔
شہر آگرہ کے ماضی کے باب میں تاریخ خاموش ہے آگرہ کے بارے میں جو بھی اظہار خیال کیا جاتا ہے اور جسے تاریخ کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کا ماخذ وہ نوادرات۔ سکے۔ بت۔ مہریں اور کچھ کتبے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً آگرہ کے کھنڈرات یا آس پاس کے دیگر متعدد کھنڈرات سے دریافت ہوئے ہیں جنکی بنیاد پر یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے اور اسمیں کوئی دشواری بھی حائل نہیں کہ شہر آگرہ ایک گریک سٹی یعنی یونانی شہر تھا یہاں جو نوادرات ملے ہیں وہ یونانی اور ہندومت دونوں تہذیبوں کی آمیزش ہیں یعنی گرشیو۔ باختریا۔ یہ دعویٰ سکوں کی تحریروں سے ثابت ہو سکتا ہے سکوں پر جو ابھرے ہوئے نقوش ہیں یا جو بت ملے ہیں وہ یونانی خدوخال رکھتے ہیں بعض شبیہہ جو سکوں پر کندہ ہیں سکندر یونانی کے ہم وطن معلوم ہوتے ہیں کھنڈرات اور ان میں پائے جانے والے نوادرات۔ سکے اور دیگر فن پارے اس عہد کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جبکہ فن سکہ سازی۔ فن تعمیر۔ اور فن سنگ تراشی عروج پر تھی۔ مزید آگرہ خود یونانی لفظ ہے جس کے معنی اونچی جگہ کی ہے۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ گردو پیش کا علاقہ وسیع و عریض۔ ہموار اور زیرین اور پایئن ہے۔ صرف جہاں آگرہ واقع ہے یہ ایک بلند پہاڑی ہے شاید فاتحین یونان نے اس جگہ کو امتیازی نام آگرہ دیا ہو۔ یہ بات یقینی ہے کہ سکندر رومی یہوں سے ہو گزرا ہے۔
ماضی میں یہوں عسکری گزرگاہ رہا ہے۔ انڈیا تک رسائی کا مختصر ترین راستہ بھی یہی تھا مگر شہر آگرہ جو قلعہ بند شہر ہوتا تھا بیرونی فاتحین کے لئے سد راہ ثابت ہوتا تھا۔
آگرہ کے کھنڈرات ۲۵۰ فٹ اونچی پہاڑی پر موجود ہیں جو ۳۳ ایکڑ زمین پر محیط ہیں کسی زمانے میں آگرہ کے کھنڈرات خاصی دوری سے نمایاں نظر آتے تھے زمانہ برد۔ انسان برد اور آب برد ہوتے رہے ہیں اگر یہ صورت قائم رہی شاید مستقبل میں آگرہ کے کھنڈرات محض خواب وخیال اور زمین بوس ہو کر ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ مقامی باسی بے دردی کے ساتھ کھنڈرات کی مٹی کھود کھود کر زمینوں میں منتقل کر چکے ہیں۔ اور اب بھی موقع ملے تو اس میستون کو تیشہ فرہاد (کدال) سے کھود کر اپنے راستے سے ہٹانے کے درپے ہیں۔

میں نے خود چند سال پہلے ایک کنواں دیکھا تھا جو معلق ہو چکا تھا کیونکہ نیچے سطح کی زمین کھود کر اسے کھوکھلا کر دیا تھا اس وقت کنواں ہوا میں کھڑا تھا مگر اب جو دیکھا تو وہ ناپید تھا۔ ساری پکی اینٹیں بھی غائب تھیں۔

یہاں کھنڈرات میں اب بھی بے شمار بڑی بڑی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑی ہوئی ملیں گی۔ آگرہ کے یہ کھنڈرات ضلع بنوں کے جنوب مغرب کے ایک گوشے میں نالا لوڑہ کے بائیں جانب شہر بھرت اور شہر کگی کے درمیان ایک پہاڑی پر واقع ہیں جو مختلف جسامت اور بلندی کے متعدد ٹیلوں پر مشتمل ہیں۔ یہ متعدد اور متنوع ٹیلے ایک دلکش منظر پیش کرتے ہیں دور سے دیکھئے تو کثرت میں وحدت کی شان پیدا ہوتی ہے۔ یہ چھوٹے بڑے ٹیلے متحرک دکھائی دیتے ہیں پھر ایک دوسرے میں ضم اور بغلگیر نظر آتے ہیں جن سے وحدت کا ایک مجموعی تاثر ابھرتا ہے۔ یہ سارے ٹیلے ایکدوسرے سے خاصے فاصلے اور دوری پر واقع ہیں پھر بھی یہ سب دلفریب مرتفع کا روپ دھار لیتے ہیں۔ گردو پیش کی زمین زیرین ہے جو انسان کو دعوت حیرت دیتی ہے انسان حیران ہوتا ہے کہ آیا یہ قدرت کی صناعی ہے یا انسانی کاوش کا نتیجہ۔

بہر حال متعدد ٹیلوں کا یہ جھرمٹ اور طویل کھنڈرات کا یہ سلسلہ دعوت غور و فکر کا ذریعہ ہے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگرہ کی تعمیر میں پکی اینٹوں کا استعمال خوب ہوا ہے بے محابا ہوا ہے یہ جسامت میں بڑے ہیں مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں ان اینٹوں کی قدامت آج سے ۲۷۰۰ اور ۳ ہزار سال پہلے بتائی جاتی ہے۔

آگرہ کے یہ کھنڈرات تیزی کے ساتھ شکست و ریخت سے دوچار ہو رہے ہیں ان کھنڈرات کے کنارے آب برد ہو رہے ہیں انسانی دست برد سوا ہے۔ اینٹیں اور مٹی مال غنیمت سمجھا گیا ہے بقول اڈورڈز۔ بنوں کے موجودہ شاہی قلعہ میں بھی یہ اینٹیں استعمال کی جا چکی ہیں اور مقامی لوگ بھی بے دھڑک بے جھجھک بے دریغ مٹی اور اینٹوں کو لوٹ رہے ہیں لوٹ کھسوٹ کی یہ گرم بازاری مدت مدید سے جاری ہے جبکہ آگرہ کے کھنڈرات لب کشا شکایت کناں ہیں۔

بقول ایڈورڈز کھدائی کے دوران ان کے عہد میں ایک وسیع عریض کمرے کے خدو خال
دریافت ہوئے تھے یہ دائرہ نماں طاق تھا شاید یہ شاہی خواب گاہ یا خلوت خانہ تھا۔
ایڈورڈز کی سپاہ کو گزرنے کے لئے راستہ مطلوب تھا اس لئے ان کھنڈرات کے بعض حصوں کا
ہٹانا ضروری تھا جس کے لئے وہ کھدائی کر رہے تھے۔

بعض مہریں اور سکے جو آگرہ کے کھنڈرات سے دریافت ہوئے ہیں آج کل لاہور عجائب گھر کی
زینت ہیں جو سکے تاحال دریافت ہوئے ہیں وہ یونانی ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور
ثقافت کے آئینہ دار ہیں یہاں بدھ کا مجسمہ بھی ملا تھا۔ بعض سکے ایسے بھی دریافت ہوئے تھے
جن کا رنگ و روغن تازہ تھا۔

پوشاک ثقافت کا حصہ ہوا کرتا ہے۔ بنوں میں اکثر دیہاتی کسان گھریلو ساخت کے مخصوص
قطع وضع کی چپلیاں استعمال کرتے ہیں دیکھا جائے تو یہ ان پاپوش کے مشابہ ہیں جو قدیم یونانی
تصویروں میں نظر آتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یونانی ثقافت کی نشانیاں بنوں کے باسیوں میں اب بھی
پائی جاتی ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یونانی بنوں میں اپنے نشانات چھوڑ چکے ہیں۔

کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے مقابل کچھ اور کھنڈرات بھی ہیں جو قلعہ نما ہیں۔ اسے مقامی لوگ کافر
کوٹ کہتے ہیں اور بعض اسے حور محل سمجھتے ہیں۔ ان کے شکستہ حصے اب تھوڑے بہت یعنی کچھ
کچھ موجود ہیں باقی آب برد ہو چکے ہیں یہ کافر کوٹ ایک دوسری مرتفع پہاڑی پر واقع ہیں جسے
شاید پانی کی گزرگاہ نے دیگر ٹیلوں سے الگ کر دیا ہے۔ چند سال پیشتر اس مرتفع پر دیواروں کا
ایک طویل سلسلہ ایستادہ تھا اب وہ بھی نہیں رہا کہتے ہیں ہندوستان پر مسلمانوں کی یلغار سے قبل
کافر کوٹ موجود تھا اسکی تعمیر میں بھی بڑے حجم کے پتھر استعمال ہوئے ہیں کچھ فاصلے پر نشانات
قدیمہ ہیں کچھ فاصلے پر آثار قدیمہ ہیں جو یہ گواہی دے رہی ہیں کہ یہاں گرد و پیش متعدد فوجی
برجیاں موجود تھیں جنکی وجہ سے شہر آگرہ کو نا قابل تسخیر بنایا گیا تھا آگرہ سے مناسب فاصلوں پر
اور بھی کھنڈرات پائے جاتے ہیں مثلاً جانی خیل میں لاک لار گئی بکا خیل میں تیر کی قلعہ، لیوان
میں سیر ٹپ کوٹکہ محب اللہ میں سیر ڈیرائی۔ عیسک خیل میں بھی ایک کافر کوٹ موجود ہے جس

کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں یہاں بھی بہت سارے سکے دریافت ہوئے ہیں۔

آگرہ کے شمال میں نالا موڑہ بہتا ہے جہاں ماضی میں سیلاب آتے تھے مگراب یہ نالہ سنبھل چکا ہے اور اسکی بیقراری اور لاابالی پن تھم چکا ہے۔ماضی میں ایک بار سردار نونہال سنگھ کے ۴۰ سپاہ اور ۵۰ الدے ہوئے اونٹ غرقاب ہوئے تھے۔یہ واقعہ ۱۸۲۳ کے بعد کا ہے۔ لوڑہ میں بڑی بڑی مچھلیاں بھی پائی جاتی تھیں اب تو خود نالا تشنہ کامی سے دوچار ہے۔اس نالے کے دائیں کنارے ایک بڑے ٹیلے کے بالمقابل ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔شاید یہاں بھی فوجی چوکی ہو۔ موجودہ نالہ اب بہت کم گہرا ہے۔کنارے بھی شکست وریخت کی زد میں ہیں ماضی میں اس آبی گزرگاہ کو عسکری گزرگاہ کے طور بھی استمال کیا جاتا تھا اسے لوگ کاروان درہ کا نام دیتے تھے۔

آگرہ کے گردوپیش دیگر کھنڈرات شہادت دیتے ہیں کہ شہر آگرہ کسی زمانے میں ایک قلعہ بند شہر ہوا کرتا تھا جو فوجی لحاظ سے بہت مضبوط تھا۔

یہاں جو سکے دریافت ہوے ہیں ان میں اکثر تانبے کے ہیں ان سکوں پر برہمن راجاؤں یونانی بادشاہوں اور مسلمان سلاطین کے نام کندہ ہیں گویا آگرہ کے کھنڈرات اپنے سینہ میں ایک مبسوط تاریخ سموئے ہوئے ہیں۔ بعض مہروں پر یونانی بادشاہوں کی شبیہہ ہوا کرتی تھیں۔ سنگ سلیمان کی تراشیدہ مہر بھی دریافت ہوئی۔ایسی مہریں بھی ملی ہیں جن پر مرغ۔ بیل اور انسانی شبیہہ کندہ تھی۔ان سکوں پر یونانی نقش اور بعض پر باختریا کی تحریریں تھیں اسلام نگر میں بھی اس نوع کا ایک اور آگرہ موجود ہے ان تحریروں سے معلوم ہوا افغانستان ہندوستان بشمول کشمیر اس پورے خطے پر یونانیوں۔ ہندو راجاؤں اور مسلمان سلاطین کا تسلط رہا ہے۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق ان کھنڈرات سے جو بہت ساری نوادرات سکے بت دریافت ہوئے وہ بتوں سے برآمد کر کے براستہ افغانستان ہندوستان منتقل کر دئے گئے۔ حصول زر کے لئے بتوں کا یہ قیمتی اثاثہ لوٹا گیا اور انہیں انسانی دست برد سے نہ بچایا جاسکا ہے۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ مقامی کسان آگرہ کی بنیادیں تیشہ فرہاد (کدال) سے کھود کھود کر مٹی جمع کر رہے

ہیں جسے کھاد کے طور پر زمینوں میں بکھیر اجارہا ہے۔ آگرہ کی بے بسی ہنوں کے باسیوں سے زبان حال سے فریاد کناں ہے۔ یہ تاریخی و ملکی ورثہ۔ سکے۔ مت۔ مہریں۔ کتبے قدموں تلے پڑے کسی قدر شناس کے منتظر ہیں۔ اب بھی آگرہ کے کھنڈرات معنی و مفہوم اور مقصد سے عاری نہیں۔ آگرہ اپنے سینہ میں اسرار و رموز سے بھرا تاریخی ورثہ سموئے ہوئے ہے۔ مگر ہنوں کے باسی بے بسی بے حسی و بے کسی کی تصویریں بنے اس قیمتی اثاثہ کو برباد اور تباہ کرتے کراتے چشم نم سے دیکھ رہے ہیں۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا۔

اگر ماضی میں کوئی میوزیم۔ اڈیٹوریم ہنوں میں قائم کیا جاتا تو ان قیمتی نوادرات کو محفوظ کیا جاسکتا تھا۔ اور اسطرح ہنوں سیاحوں کا آماجگاہ ہو جاتا ترقی کرتا اور ہنوں دنیائے عالم میں مشہور ہو جاتا۔ اور آج یونیورسٹی۔ ریڈیو سٹیشن۔ ڈویژن اور دیگر ترقیاتی منصوبوں کے باب میں محروم وفانہ ہوتا۔ مجھے خود شکستہ برتنوں کے بے شمار بکھرے ہوئے ٹکڑے اور ٹھیکریاں آگرہ میں دیکھنے کو ملیں۔ یہ ٹکڑے ان شکستہ برتنوں کے تھے جو مٹی سے بنے ہوئے تھے۔ ان ٹکڑوں پر اب بھی نفاست کے ساتھ کی ہوئی نقش و نگار اور گل کاری موجود تھی۔ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ان کا رنگ و روغن تازہ اور شوخ تھا۔ لوگوں کے قدموں کے تلے یہ شکستہ ٹکڑے مزید شکستگی سے دوچار ہیں جو ریزہ ریزہ ہو رہے ہیں ہو چکے ہیں۔
ان کے ٹوٹنے کی آواز سے دل پر چوٹ سی لگتی ہے۔ اور جب کسی کسان کا تیشہ سنگ سل سے ٹکراتا ہے۔ تو اس ضرب کاری سے جو آواز اور جو شرارہ نکلتا ہے یہ آواز میرے ضمیر پر دستک دیتی ہے۔ اور یہ شرارہ میرے خرمن خرد کو خس و خاشاک کی طرح خاکستر کر دیتا ہے۔ ذہن ماؤف ہو جاتا ہے اس عالم دیوانگی میں پوچھتا ہوں یہ غفلت غلامی کب تک برقرار رہیگی اور حکومت کب تک ہماری جہالت کے ساتھ ملکر قومی سرمایہ کی زیاں کاریوں کا تماشہ کرتی رہیگی۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اب تو خیر سے خرابی بسیار کے بعد کچھ این جی اوز مصروف کار ہوئے ہیں اور بعض دفینے سینہ زمین سے منظر عام پر لا بھی چکے ہیں مگر آگرہ کا جو قیمتی قومی ورثہ لٹ چکا ہے اس کی تلافی ممکن نہیں۔ وقت کی پکار ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر ہنوں میں ایک میوزیم قائم کیا جائے۔ تاکہ آگرہ اور اس کے قرب وجوار میں جو نوادرات دریافت ہوں انھیں محفوظ کیا جائے۔ مزید ہم اس امانت کی واپسی کا مطالبہ کر سکیں جو ماضی میں لاہور میوزیم میں منتقل ہو چکی ہے۔

میوزیم کی عدم موجودگی میں ان این جی اوز کی کوششیں رائگاں جائینگی البتہ انھیں مطالعہ کے لئے سروسامان مہیا ہوگا مگر ہنوں کے باسیوں کی بے بسی کا مداوا نہیں ہو سکے گا۔ کوئی ہے جو میری اس نحیف آواز کو گوش ہوش حق نیوش سے سنے!

<u>لیوان اینڈ دی ہنوں بیسن کے عنوان سے کیمبرج</u> اور پشاور یونیورسٹی (ارکیالوجی) کی مشترکہ مہم جو ۷۸-۱۹۷۷ء میں شروع ہوئی اور ابتک جاری ہے ان کی معلومات کے مطابق علاقہ لیوان (آگرہ کے جنوب مغرب) سنگ سازی کے لئے مشہور تھا کھدائی کے دوران پتھروں اور برتنوں کے جو ٹکڑے ملے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ یہ اشیا پتھر کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیوان کا علاقہ سنگ سازی کی صنعت کے لئے مشہور تھا اور سنگ سازی کی یہ صنعت پورے عروج پر تھی لیوان میں پتھروں سے اوزار بنائے جاتے تھے جو نا صرف مقامی آبادی کی ضروریات کو پورا کرتے تھے بلکہ برآمد بھی کئے جاتے تھے یہ اوزار خاص طور پر حرب اور شکار دونوں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے کھدائی کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تند و تیز اوزار کثیر المقاصد تھے تیرہ کئی قلعہ سے بھی دوران کھدائی سے مترشح ہوا کہ سنگ سازی کی یہ صنعت ترقی یافتہ اور طویل عرصے پر محیط رہا۔

ان ماہرین آثار قدیمہ کے بموجب ہنوں کا شمال مشرقی حصہ آبی پرندوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ یہاں کثرت آب کے باعث آبی پرندے جیسے کونج وغیرہ سائبیریا سے براستہ ہندوستان ہنوں آکر بسیرا

کرتے تھے جن کا مقامی آبادی شکار کیا کرتی تھی کثرت آب اور کثرت باراں کے باعث ہوں کا پیشتر حصہ جنگلات پر مشتمل تھا یہاں درندے۔ ہرن اور دیگر جنگلی جانور پائے جاتے تھے مگر لیوان کا علاقہ ہوں کے دیگر حصوں کے مقابلے میں صنعتی لحاظ سے قابل التفات تھا۔ تجارت بھی زوروں پر تھی۔ علاقہ لیوان میں پتھروں سے مختلف اشیاء مثلاً اوزار۔ سامان حرب۔ تسبیح کے دانے۔ الات کشہ ورزی اور دیگر سامان زیست ظروف وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ ظروف سازی کا یہ عہد ۳۲۰۰ ق م ۲۰۰۰ ق م کے درمیان عہد سے متعلق ہے۔

خلاصہ فکر

آکرہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بلند جگہ ماضی میں ناقابل تسخیر عظیم یونانی شہر ہوا کرتا تھا ہوں عظیم فاتحین کی گزرگاہ میں واقع تھا۔ انڈیا تک رسائی کے لئے مختصر ترین راستہ تھا جو ہر دور میں زیروزبر ہوتا رہا۔ آکرہ کے کھنڈرات سے جو شواہد ملے ہیں ان کے مطابق یہاں مختلف تہذیب و تمدن کی آمیزش پائی جاتی ہے یونانی تہذیب۔ برہمن راجاؤں کی تہذیب۔ مسلمان سلاطین کی تہذیب۔ آکرہ مختلف تہذیبوں کی آمیزش سے عبارت ہے اس شہر نے عروج وزوال دیکھا۔ اب نیستی سے دوچار ہے۔

شاید مستقبل میں صرف داستان سننے کو ملے اوران کھنڈرات کا وجود بھی نہ رہے۔

اب بھی یہ کھنڈرات معنی اور مقصد رکھتے ہیں ضرورت ہے کہ فوری طور پر ہوں میں ایک میوزیم قائم ہو تا کہ جو سرمایہ دیگر عجائب گھروں میں محفوظ ہے اسے واپس لایا جائے اور جو نئی نوادرات دریافت ہوں انہیں محفوظ کیا جاسکے۔

ہوں تاریخی اہمیت رکھتا ہے کسی زمانے میں یہاں سنگ سازی کی صنعت عروج پر تھی کثرت آب اور زمین کی زرخیزی کے باعث یہاں گھنے جنگلات اور جنگلی جانور پائے جاتے تھے یہ علاقہ آبی پرندوں کا بھی آماجگاہ رہا ہے ہوں بہت ہی قدیم تاریخی مقام رہا ہے مگر مغرب سے رابطہ نہ ہونے کے باعث ترقی نہ کرسکا فاتحین نے ہر دور میں اسے کچلا ہے۔ آج بھی صورت حال ماضی کو دہرا

رہی ہے۔ ہائی وے سے دور رکھ کر دیگر ترقی یافتہ حصوں سے کاٹ دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ پیچھے کی طرف دیکھتا رہ جائے اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے۔

بنوں کی تاریخی وجغرافیائی اہمیت

بنوں جغرافیائی و تاریخی اور سیاسی لحاظ سے اہم مقام پر واقع ہے اس لئے ماضی میں بیرونی فاتحین کی گزرگاہ رہا۔ یہ انڈیا تک رسائی کا مختصر مگر مشکل ترین راستہ تھا بیرونی فاتحین مغربی دروں سے نیچے اتر کر بنوں سے ہوتے ہوئے آگے پنجاب۔ پھر ہندوستان کا رخ کرتے۔ ان فاتحین کے لئے بنوں معمول کا راستہ ہوتا تھا اور اکثر بیشتر بنوں فاتحین کا نشانہ بنتا ہر فاتح اسے زیر وزبر کرتا اور کافی نقصان پہنچاتا ماضی میں بنوں افغانستان کا ایک صوبہ ہوا کرتا تھا مگر مرکز سے کٹا ہوا بہت دور واقع تھا بنوں افغانستان اور ہندوستان کے سنگم پر واقع تھا یہ افغانستان کے انتہائی مشرقی کونے پر اور ہندوستان کے انتہائی مغربی کونے پر تھا گویا ہر دور میں بنوں مرکز سے کافی دور رہا اس لحاظ سے بنوں ایک دور افتادہ وادی سمجھا جاتا تھا چونکہ یہ بیرونی فوجوں کی گزرگاہ کی زد میں رہا ہر دور میں تباہ وبرباد اور تاخت و تاراج ہوتا رہا تہذیب و تمدن اور تجارتی ترقی سے دور رہا ہمیشہ آزاد رہا۔ یا نیم آزاد رہا سوا اپنے رسم ورواج کے مطابق زندگی بسر کرتا رہا تاج برطانیہ کے قلم رو میں آنے سے پہلے بنوں باختر یعنی افغانستان کا ایک حصہ اور صوبہ تھا جسمیں پنجاب کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا تھا بنوں واحد ضلع ہے جہاں مغرب کی طرف کوئی شاہراہ نہیں ہے جیسے خیبر۔ کرم گومل مغرب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور رابطے قائم ہیں۔ یہ المیہ اب بھی جاری ہے بنوں کو ہائی وے سے باہر رکھا گیا۔ ہائی وے سے دوری کا مطلب تہذیب و تمدن۔ تجارتی اور رسل رسائل کی ترقی سے محرومی ہے اب بنوں عضو معطل ہے یہی اس کی ماضی کی کہانی ہے اور یہی حال اور مستقبل کی بھیانک صورت حال۔

وائے محرومی تسلیم وبدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت گفتار نہیں۔

محل وقوع

بنوں افغانستان کے شمال مشرق میں ایک خوبصورت اور زرخیز وادی ہے جو تینوں اطراف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے صرف جنوب کی طرف کھلا علاقہ ہے جسے مروت کا علاقہ کہا جاتا ہے یعنی تحصیل لکی مروت۔

بنوں کے مغرب میں کوہ سلیمان۔ شمال مشرق میں کوہستان نمک بنوں خاص اور تحصیل لکی مل کر وادی بنوں بنتے ہیں۔، تحصیل بنوں میں بنویاں (بنوں وال) اور تحصیل لکی میں مروت قوم آباد ہے۔ جو نیازی قبیلہ کا ذیلی شاخ ہے۔ اس وادی میں دو دریا بہتے ہیں (۱) دریائے کرم (۲) دریائے ٹوچی ایک اور برساتی نالہ بھی ہے جسے لوڑہ کہتے ہیں لوڑہ آبی گزرگاہ کے علاوہ عسکری اور تجارتی گزرگاہ بھی رہا ہے اسے کارواں درہ کہا جاتا تھا مگر جب وزیری قبائل کی وجہ سے یہ گزرگاہ غیر محفوظ ہوئی تو تجارتی کاروان اور قافلے اس پرانی گزرگاہ کو چھوڑ کر درہ گومل کو استعمال کرنے لگے دریائے ٹوچی لوڑہ میں شامل ہو کر دریائے گمبیلا بن جاتا ہے جو مروت کے علاقے سے ہوتا ہوا عیسک خیل کے مقام پر دریائے کرم میں شامل ہو جاتا ہے۔

بنوں خاص کے لئے دریائے کرم نعمت غیر مترقبہ ہے اس کی وجہ سے سرزمین بنوں جنت نظیر بن گئی ہے بنوں کا بیشتر حصہ دریائے کرم سے سیراب ہوتا ہے بنوں خاص میں آب پاشی کا بہترین نہری نظام موجود ہے ندی نالوں کا جال بچھا ہوا ہے جس سے بنوں خاص کا ایک ایک چپہ سیراب ہوتا ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے مگر دریائے کرم نے ماضی میں بنوں کی قیمتی زمین بھی بہا کر آب برد کر دی۔ اگر خاص منصوبہ بندی ہو تو کرم کے لاابالی پن، اضطراب اور بیقراری کو قابو میں لایا جاسکتا ہے اور آب برد قیمتی اراضی کو ایک بار پھر حال اور آباد کیا جاسکتا ہے۔

دریائے کرم

یہ دریا پہاڑ کے متصل غزنی سے ۵۰ میل دور کوہ سفید کے جنوبی حصے سے نکل کر علاقہ کرم میں قوم طوری کے زمینوں کو سیراب کرتے ہوئے ٹل بلند خیل شاخ۔ بنگش خیل کے پاس سے گزرتا ہے ضلع بنوں کی مغربی حد سے متصل پوسٹ کرم کے مقام مشرق سے بنوں میں داخل ہوتا ہے یہ دریا تقریباً ہر موسم میں بہتا ہے آس پاس پہاڑی برساتی نالے اس میں جاگرتے ہیں ماضی میں برسات کے دنوں دونوں لبوں تک بہتا تھا مگر کرم گڑھی سکیم کے بعد دریا سنبھلنے لگا اب ماضی کی طرح کہرام بپا نہیں کرتا۔ ماضی میں بہت سارے قصبات اور اراضی دریابرد ہوئے ہیں۔ دریائے کرم سے قبیلہ منگل نے پہلی بار نہر کچکوٹ نکالی تھی ایک دوسری ویال پٹونہ ہے جو بعد میں جنوب سے موجودہ اولاد شیتک کے عہد میں نکالی گئی ہے جس سے علاقہ ممد خیل وزیر سیراب ہوتا ہے میجر جان نکلسن نے ویال لنڈیڈوک ٹیلی رام تحصیلدار کی نگرانی میں ۱۸۵۵ء میں کھدوائی۔ اسے ٹیلی رام نہر بھی کہتے ہیں اس سے لنڈیڈوک کی ۶ ہزار کنال اراضی قابل کاشت بن گئی ہے اس کے علاوہ ویال آمندی ویال ہنخل۔ ویال منڈان۔ ویال فاطمہ خیل۔ خون بہا۔ ویال چشنہ اور ویال شاہ اسی دریائے کرم سے نکالی گئی ہیں ویال شاہ جو یہ شاہجہان کے بیٹے دارا سے منسوب کی جاتی ہے۔ بہتر نظام پاشی کے باعث بنوں خاص زمردین بنا ہوا ہے بہت زرخیز اور شاداب دور سے دیکھا جائے تو بنوں جنگل نظر آتا ہے۔ بنوں میں کسی زمانے میں توت اور شیشم کے گھنے جنگلات ہوا کرتے تھے جو درندوں کا آماجگاہ ہوتے تھے مگر کثرت آبادی کے باعث جنگلات کو صاف کیا گیا اور زرعی اراضی حسب ضرورت پیدا کر دی گئی۔

تقسیم آب کرم حسب ذیل ہے۔

ا۔ سورانی شمول خروبہ وزیران = ۴ حصہ

۲۔ کوٹی سادات۔ مردی خیل۔ چشمہ خون بہا منڈان۔ فاطمہ خیل۔ کوٹ عادل = ۴ حصہ

۳۔ پٹونہ محمد خیل داؤد شاہ	=۱ حصہ
۴۔ لنڈیڈاک ومندیووغیرہ	=۱ حصہ
۵۔ ککوٹ	=۷ حصہ
کل	= ۱۷ حصہ

دریائے ٹوچی

یہ دریاوادی داوڑ کو سیراب کرتے ہوئے تنگہ سے گزرتا ہوابنوں میں داخل ہوتا ہے جہاں اسے گریڑاکا نام دیا گیا ہے۔ بنوں میں وزیر بکا خیل اور علاقہ میریان کا کچھ حصہ سیراب کرتا ہے سکی تحصیل میں داخل ہو کر اس کا نام گمبیلا ہو جاتا ہے جو عیسک خیل کے قریب کرم میں جاگرتا ہے ماضی میں جب کنویں نہ تھے تو اس کا پانی صحت کے لئے مفید خیال کیا جاتا تھا اور دریائے کرم کا پانی مضر صحت ہوا کرتا تھا چونکہ بنوں کے باسی انہی دریاؤں سے پانی پیتے تھے یہی وجہ تھی۔ماضی میں بنوں وال مروت کے مقابلے میں زرد رو۔ کمزور اور لاغر ہوا کرتے تھے۔ مگراب صورت حال بہتر ہو گئی ہے بنوں وال بھی اچھی صحت کے مالک ہیں اور پیٹ کی جملہ بیماریوں سے نجات پا چکے ہیں۔

ماضی میں بنوں میں طریقہ

مالگزاری

اس باب میں تاریخ خاموش ہے البتہ جب مغلوں نے بنوں کو فتح کر کے اسے اپنے قلمرو میں شامل کر لیا اور اسے افغانستان کا ایک صوبہ قرار دیا بشمول پنجاب کا کچھ حصہ (میانوالی۔لیہ وغیرہ) تو دور افتادہ ہونے کے باعث بنوں پر خاص توجہ نہ دی گئی۔ بابر نے یہاں چھاونی قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی جس کا تذکرہ انہوں نے تزک بابری میں کیا ہے۔ بنوں میں خاص مستقل قیام بھی نہ رکھا گیا۔ اور نہ کوئی فوج رکھی جا سکی البتہ مغلوں کا معمول یہ تھا کہ ہر

دوسرے۔ تیسرے سال بنوں پر یلغار کرتے۔ کھڑی فصلوں اور نسلوں کو تباہ کر کے کچھ مال غنیمت ساتھ لیکر واپس چلے جاتے۔ بنویان بھی حسب توفیق ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے یہی حال درانی دور میں بھی جاری رہا مگر جب ابدالی حکمران ہوا تو انہوں نے بنویان کے افتاد طبع کو سمجھ لیا نادر شاہ نے تو بنویان کے ہوش اڑا دئے تھے اور ظلم و قتل عام کی انتہا کر دی تھی بنویان کے لئے عہد ابدالی رحمت نظر آنے لگا۔ انہوں نے بھی ابدالی کو مثبت جواب دیا۔ ابدالی نے بنویان کی مردم شماری کرائی او حصول لگان کے لئے بنوں کو ۲۰ تپوں میں تقسیم کیا اور آبادی اور اراضی کی نسبت سے لگان وصول ہونے لگا جس کا بہت اچھا اثر ہوا بنوں کے لوگ ابدالی کو از راہ محبت بابا ابدالی کے نام سے پکارنے لگے تھے بنوں والوں پر کل لگان ۱۸ ہزار روپیہ جبکہ مروت اور داوڑ پر ۱۲ ہزار روپیہ فی علاقہ مقرر کیا گیا۔

بابا احمد شاہ ابدالی نے افغانوں کی مردم شماری کرائی جو ذیل ہے۔

بنویان	۱۸ ہزار نفوس
داوڑ	۱۲ ہزار
وزیر	۶۰ ہزار
محسود	۱۸ ہزار
خٹک	۸۰ ہزار
تانڑی	۳۰ ہزار
بیٹھنی	۱۲ ہزار
یوسف زئی	۹۰ ہزار

فی علاقہ مقرر کیا گیا تیمور شاہ نے داوڑ پر لگان سہ پیر کی سفارش پر معاف کر دیا۔ یہ لگان بھی بنوں والوں سے لیا جانے لگا۔ گویا کل ۳۰ ہزار روپیہ لگان مقرر ہوا۔

جب شاہ شجاع نے بنوں کو رنجیت سنگھ کے حوالہ کیا تو بنوں والوں نے لگان دینا بند کردیا دلاسہ خان غاری بن گئے سکھوں نے انتہائی ظلم سے کام لیا مگر بنوں کو رام نہ کر سکے سکھا شاہی کے دور میں اکثر مالکان اراضی زمینوں سے دست بردار ہو گئے اور پہاڑوں میں فرار ہو گئے۔ لگان جنس کی صورت میں وصول ہو تا تھا۔ مگر آمدن سے خرچ اور نقصان زیادہ پڑتا تھا آخر کار سکھوں نے کرنل ایڈورڈز کی خدمات حاصل کیں ایڈورڈز نے خاص حکمت عملی سے بنوں والوں کے قلعہ جات (۴۰۰) منہدم کرائے۔ لگان کی وصولی کا راستہ آسان ہو گیا بندوبست اراضی کرا لی حق ملکیت کو تسلیم کیا گیا ملکوں کے اختیارات ختم کر دئے گئے کاشتکار ملک اور حاکم کے جبر سے آزاد ہو گئے مگر سیاسی غلامی کے شکنجے میں آ گئے مالیہ نقد کی صورت میں ادا ہونے لگا معاشی اور معاشرتی سکون ملا مگر بدلے میں سیاسی آزادی سلب ہو گئی لگان عام کاشتکاروں سے 1/4 حصہ اور مذہبی طبقہ سے 1/6 حصہ وصول ہونے لگا۔

سرگزشت بنوں (بنوں پر کیا گزری)

بنوں کے قدیم باشندے ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ جسکی تصدیق بنوں کے بعض قصبات کے کے ناموں سے کی جا سکتی ہے مثلاً مندیو (مہادیو) شاہ دیو (شہادیو) حوید۔ ککی بھرت۔ ہنجل۔ سوکڑی۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ نام سنسکرت و ہندو دیوی دیوتاؤں سے ماخوذ منسوب اور موسوم ہیں۔ جو ہندو ثقافت کے غماز ہیں۔

تاج برطانیہ کے قلمرو میں آنے سے قبل بنوں حکومت باختریار (کابل) کا ایک صوبہ ہو کر تا تھا جسمیں پنجاب کا بیشتر حصہ بھی شامل تھا آکرہ کے کھنڈرات سے جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ بنوں پر یونانی بادشاہوں ہندو وراجاؤں خاص طور پر بعض کرشیو باختر عہد کے بادشاہوں کے نام تحریر ہیں مثلاً Eakratioles, Philox-enes, Manadar, and Appalodotiion وغیرہ وغیرہ۔

کہتے ہیں موجودہ آکرہ کا نام شہر ست رام تھا۔ مگر جب سکندر اعظم نے بنوں کو فتح کیا تو اسے آکرہ

سے فائدہ اٹھا کر بتدریج ان کی زمینوں پر دست درازی شروع کر دی۔ اور کافی اراضی کے مالک بنے بنویان کے لئے یہ گھڑی آزمائش کی تھی ایک طرف سکھا شاہی کے جبر و تشدد کا مقابلہ کرنا تھا دوسری طرف ریوڑوں میں شیر گھس آیا تھا گویا جان و مال کا شدید خطرہ لاحق تھا مزید اندرون خانہ حالات بڑے ابتر تھے بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا تھا زندگی اجیرن تھی دلاسہ خان نے جہاد کا اعلان کیا اور سکھوں کے خلاف لڑنے لگا۔ خواجہ عبداللہ کے ادیرے کے قریب سکھوں کے خلاف زبردست جنگ لڑی گئی سکوں کو شکست ہوئی دلاسہ خان سرخرو ہوا۔ سکھ فوج اپنی دو سو لاشوں کو چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ فتح و شکست کا مرحلہ جاری رہا اسی دوران کافی اراضی وزیروں کے ہاتھوں میں آگئی۔ ان حالات میں ایڈورڈز کو خالصہ دربار نے بنوں کا نگران مقرر کر کے انہیں بنوں بھیجا۔

ایڈورڈز ذہین افسر تھا وہ اپنی حکمت عملی کے باعث بنوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہوا بنوں میں میر جعفر۔ میر صادق جیسے افراد کو پیدا کیا گیا ان کے طفیل بنوں تقسیم ہوا بنوں کے ۴۰۰ قلعہ جات کو گرادیا گیا لگان کی وصولی ممکن بنادی گئی۔ بنوں میں شاہی قلعہ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ بنوں کے وسط میں عسکری سڑک کی تعمیر مکمل ہوئی جس سے بنوں کی تسخیر بھی مکمل ہوئی۔ اسی دوران سکھوں کی دوسری لڑائی شروع ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی بنوں براہ راست تاج برطانیہ کے قلمرو میں آگیا بنوں مکمل غلام بن گیا مگر صلے میں کچھ ملا بھی امن بحال ہوا حقوق و فرائض طے ہوئے حقوق ملکیت اراضی تسلیم کی گئی۔ بندوبست اراضی کرایا گیا بیرونی یلغار اندرونی خلفشار سے نجات ملی بہتر معاشی حالات پیدا ہوئے۔ نقصان بھی ہوا آزادی سلب ہوئی ایسے موقع پر جمال الدین افغانی کیا فرماتے ہیں۔

جمال الدین افغانی کا پیغام

(آزادی کی خاطر معاشی بد حالی قبول کی جاوے تو بہتر ہے۔ غلامی بہتر معاشی حالات کے صلے میں مل جائے تو قہر ہے) آزادی کے بدلے کتنی ہی خوشیاں میسر ہوں نا قابل قبول اور نا قابل بر داشت ہونی چاہییں۔ آزادی کی کوئی قیمت متعین نہیں ہو سکتی۔

؎ تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر د غنانہ کر

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

نیا دور اور نئی حکمت عملی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی سے دو چار ہوئی حصول آزادی کے لئے نئی حکمت عملی وضع کی اور عدم تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا

بنوں میں انگریزی سلطنت ۱۹۴۰ء۔۔۔۱۹۲۰

حصول آزادی میں بنوں کا حصہ

(پاکستان کا پیش منظر)

بہت ساری سیاسی تحریکین سر گرم عمل ہوئیں مسلمانوں میں مسلم لیگ جمعیت علمائے اسلام جماعت اسلامی ۔ تحریک خلافت خاکسار تحریک اور خدائی خدمتگار جیسی تحریکیں شروع ہوئیں ہندوؤں میں انڈین نیشنل کانگرس مقبول عام سیاسی تحریک زور پکڑتی گئی۔ فقیر آف ایپی حاجی مرزا علی خان نے جہاد کا راستہ اختیار کر لیا ادغام اور انصرام کا جذبہ کار فرما رہا ہندو مسلم پہلے مشترکہ پلیٹ فارم نے سر گرم عمل تھے بعد میں جداگانہ حیثیت سے مصروف پیکار ہوئے۔ انگریز بہادر نے جذبہ آزادی کو دبانے کے لئے زر وزور۔ حرب و حرص الغرض ہر حربے کو آزمایا ۔۱۹۲۰ء سے لیکر ۱۹۴۰ء تک ملک بشمول بنوں قیامت خیز لمحات سے گزرا خاص طور پر

تحریک خلافت کے کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا سانحہ تنگی سانحہ قصہ خوانی بازار کی مثال پیش نظر ہے آزادی کے متوالوں کو برہنہ کر کے ان کے ہاتھ باندھ دئے جاتے بر سر بازار ان کی توہین کی جاتی انہیں نامرد بنانے کے لئے مختلف جتن کئے گئے انہیں برف کی سلوں پر گھسیٹا جاتا ان کے ناخن انگلیوں سے الگ کیا جاتا ان کے دانت بزور نکالے جاتے آنکھوں اور عضو خاص میں مرچیں ڈالدی جاتیں ان کے گھر بار جلادئے جاتے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کر دیا جاتا انہیں نوکیلی کرسیوں پر بٹھادیا جاتا الغرض انہیں بہت سارے دیگر حیا سوز مرحلوں سے گزارا جاتا ان کی جائدادیں ضبط کی گئیں انہیں نان جویں کا محتاج بنادیا گیا مگر جو غدار قوم تھے وہ انگریز بہادر کے منظور نظر ٹھہرے انہیں خطابات القابات مراعات دیدی گئیں انہیں سول اعزازات دئے گئے۔ ملازمتیں دی گئیں انہیں مفت زمینیں ملیں مگر پھر بھی آزادی کا طوفان بلاخیز رکنے اور ٹلنے والا نہ تھا آخر کار ملک آزاد ہوا انگریز بہادر رخصت ہوا تم اور ہم سب آزاد ہوئے اور پاکستان بنا اللہ اکبر پاکستان زندہ باد یہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا سال ہے

؎ خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

اقبال

قصہ شیخ شاہ محمد روحانی رح علیہ کا

بنوں (باختریا) کابل کا ایک صوبہ ہوا کرتا تھا جو مرکزی حکومت سے بہت دور واقع ہونے کی سبب آباد کاروں کے لئے جنت تھا بہتات آب کی وجہ سے اور زمینی خاصیت کی بنا پر بنوں میں ہر جگہ ہریالی ہی ہریالی تھی زمین بڑی ذرخیز تھی علاقہ میں جنگلات کی بہتات تھی خاص طور پر شیشم اور توت کے بہت زیادہ درخت تھے بنوں میں بارھویں صدی کے اختتام پر بنی اور منگل قبائل بنوں میں آباد ہوئے۔ بمشکل نصف صدی ہی گزری ہوگی کہ ان میں بے دینی اور بے اتفاقی نے سر اٹھایا وہ اپنے پیرو مرشد کو عشر دینے سے بھی انکاری ہوئے اس بناء پر ان سے ان کا روحانی پیشوا ناراض ہوا وہ علاقہ شوال چلا گیا انہوں نے وہاں کے ایک سردار (شیتک) کو ترغیب دلائی کہ وہ آکر بنوں پر قبضہ کرے جو بہت ہی زرخیز اور آباد علاقہ ہے شاہ فرید (شیتک) جو پہلے ہی سے اپنے ہمسایہ قبیلہ وزیروں سے پریشان تھے موقع کو غنیمت جانا ایک لشکر کو ترتیب دیا اولاد شاہ نے بھی ساتھ دیا چنانچہ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ جانب بنوں روانہ ہوا۔ لشکر کی قیادت کیوی سوری پسران شیتک اور شاہ نیک بین پسر شاہ محمد روحانی نے کی دریائے ٹوچی کے جنوبی کنارے کو گبر کے شمال میں ورغڑ کے مقام پر خیمہ زن ہوئے اب بھی ورغڑ میں کیوی میلہ ایک مقام ہے یہیں سے ہنی اور منگل قبیلہ کے سرداروں کے پاس قاصد روانہ کیا اور ان کو ۳ عدد کبوتر دئے اور ایک کے پر سالم چھوڑ دئے۔ دوسرے کے نیم پر نوچ لئے جبکہ تیسرے کبوتر کے سارے پر نوچ لئے تھے اس واضح پیغام کے ساتھ کہ اگر منگل اور ہنی برضاء خود بنوں سے جائیں گے تو بغیر کشت خون کے انہیں جانے دیا جائے گا بنوں میں رہنا ہو تو مساوی سلوک سے محروم ہوں گے مزاحمت کریں گے تو انہیں زک اور نقصان عظیم پہنچایا جائے گا بنی اور منگل قبیلوں نے پہلی صورت قبول کرلی اور اسطرح براستہ ٹل پاڑہ چنار سے ہوتے ہوئے کچھ پاڑہ چنار کے مضافات میں رک گئے اور بعضے افغانستان کے جنوبی خوست چلے گئے بنوں پر بلا شرکت غیر اولاد شیتک اور اولاد شیخ شاہ محمد روحانی کا قبضہ ہو گیا کہتے ہیں قبیلہ ہنی

نے مزاحمت کاراستہ اختیار کیا تھا جس کے باعث انہیں تباہ کر دیا گیا جو بچے وہ ہندوستان چلے گئے
اب وہاں مفقود انجیر ہوئے البتہ محکمہ مال کے ریکارڈ کے بموجب موضع شاہدیو میں ایک گھرانہ
آباد ہے اسطرح قبیلہ منگل سے بھی کچھ گھرانوں کو بنوں میں رہنے دیا گیا جو اس وقت فاطمہ خیل
کلاں میں آباد ہیں ہنی اور منگل قبائل کی مجموعی تعداد ۸ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

مقبرہ شیتک (جدامجد بنویان)

جیسے کہ معلوم ہے بنویان کا جدامجد شیتک شوال کا باسی تھا۔ ان کا مقبرہ شوال کے شمال مشرق میں
کچھ فاصلہ پر مقام دیوگر میں ہے جہاں ہر سال ان کا عرس منایا جاتا ہے اور خوب میلہ لگتا ہے۔
مقام تاسف ہے کہ شیتک کی اولاد اپنا وطن مالوف نہ صرف ترک کر چکے ہیں بلکہ بھلا بھی چکے
ہیں۔ جبکہ شوال کی طرف سے بنویان کی طرح دیگر قبائل بنوں میں آباد ہوئے۔ ان قبائل
(احمد زئی وزیر۔ اتمان زئی وزیر) کا اپنے وطن مالوف کے ساتھ رشتہ برابر استوار ہے۔ اور بنویان
بنوں میں محدود فراغت کے ساتھ اپنا ماضی مکمل بھول چکے۔ اور شاخ بریدہ کی مانند گزراوقات
کر رہے ہیں۔

تقسیم بنوں

جب ہنی اور منگل کا اخراج بنوں سے مکمل ہوا تو شاہ نیک بیں پسر شیخ محمد روحانی نے اولاد شیتک
یعنی کیوی اور سوری میں بنوں کو تقسیم کر دیا مسمی میری پسر اول کیوی پسر شیتک کے اولاد کو
علاقہ میری موضع ککی کے مشرقی حد تک دیا یہ علاقہ ان دنوں عمدہ اور خوب آباد تھا مسمی
سمی (سمیع) پسر دوم کیوی کی اولاد کو بنوں کا وسطی حصہ دیا گیا اور اولاد سورانی کو دریائے کرم سے
شمالی تھل دبک تک حصہ ملا جسے اب علاقہ سورانی کہتے ہیں اس وقت یہ علاقہ تقریباً جنگل تھا
اور غیر آباد تھا۔
خوجک پسر سورانی کی شادی ہنخل کی دختر سے ہوئی تو تپہ داود شاہ آمندی و ممش خیل کا علاقہ

انہیں جہیز میں ملا۔ شاہ نیک بین نے اپنی اولاد کو جسے تپہ سادات کہتے ہیں بہترین زمین دیدی گئی مگر پھر بھی اولاد شیتک اس تقسیم سے راضی بازی تھے کیونکہ زمین ان کی کفالت اور ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ اولاد میری کو جو علاقہ ملا اس میں برک زئی نورڑ۔ ممہ خیل کی بھرت شامل تھے اولاد سمی کے مقبوضہ علاقے میں تپہ تپئی منڈان عیسکی اور فاطمہ خیل شامل تھے۔ اولاد سورانی کو مندا خیل المعروف تپہ بازید۔ دھرمہ خیل تپہ حسنی (کوٹی سادات) تپہ ولا خیل تپہ داود شاہ۔ ممش خیل اور آمندی شامل تھے۔ ان تازہ دم نووار دان بنوں نے قبیلہ خٹک کو دریائے کرم کے بائیں کنارے کے ملحقہ ارضیات سے نکال دیا کیونکہ قبیلہ خٹک اس دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے۔

شجرہ نسب ککی پسر کرلانڑہ

ایک حوالہ سے ککی بنوں والوں کا مورث اعلی ہے۔

ککی

۱) برہان و خوگیانی و سلیمان اور شیتک (شاہ فرید) پسران ککی

۲) عثمان عرف آفریدی و لقمان عرف خٹک و زوران اور اتمان خیل پسران برہان

تفصیل اولاد شیتک

زوجہ اوّل سے کیوی اور سوری دو بیٹے تھے۔ زوجہ دوئم سے داوڑ اور تانڑی پیدا ہوئے۔ جبکہ زوجہ سوئم سے ہوید اور ظیلم تھے۔

ذکر ان اقوام کا جو اولاد شیتک میں سے نہیں ہیں جبکہ بنوں میں ملکیت اراضی رکھتے ہیں۔

اسمال خیل و وزیر مغل خیل، گنڈلی، فرقہ کرگان، قوم فاطمہ خیل، سادات، قریش، ترخیل، جٹ، اوان عرف انکی، باغبان، قبیلہ یورتنہ، پیشرور کاریگر۔ وغیرہ وغیرہ۔

مناسب موقع پر بعض کی تفصیل کع جائیگی مگر پہلے یہ معلوم ہو کہ سر زمین بنوں کو پیر کنڑائی بھی بولتے ہیں جسکی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اولاد شیتک کو سر زمین بنوں پیر مرشد جناب شاہ محمد روحانی کی ترغیب اور طفیل کے باعث ملی گویا پیرو مرشد کا ان آباد کاروں کے لئے یہ تحفہ تھا جو بغیر خون خرابے کے ملا پیرو مرشد کی اولاد عمدہ اراضی کے مالک ہوئے تو بھی اس تقسیم کو بخوشی قبول کیا گیا مزید ان کی اولاد کو عشر کا مستحق گردانا گیا۔

اولاد شیخ شاہ محمد روحانی کو شیخان یا سادات یا بنویان پکارا جاتا ہے۔

ذکر ان قبائل کا جو بنویان نہیں ہیں (جاری)

عیسکی میں فرقہ گنڈلی شاخ زکو خیل خانی خیل نسل عیسیٰ خیل قوم نیازی ہے ان کی ۳ تپہ
ذیلی شاخیں ہیں ممیر خیل کوپر خیل چاڑی خیل اس فرقہ کا یا قبیلہ کا مورث اعلیٰ شہادت خان
عیسیٰ خیل سے نقل مکانی کر گیا جو تقریباً ۱۶۹۱ء کے لگ بھگ بنوں آیا تھا اور تپہ عیسکی
(موسیٰ خان) میں ایک پاؤ یعنی حصہ چہارم کے مالک ہوئے اور فرقہ سیرو شاخ عیسکی کے
اراضیات اکثر عملداری درانی میں بعوض ادائیگی کلنگ ان کے قبضہ میں آئے یعنی سولہ گون
اراضی بعوض کلنگ ملی گون پیمانہ وزن ہے جو غلہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

(ب) فرقہ دیگان نادر شاہ ایرانی کے لشکر میں چند اشخاص دیگان شامل تھے جنہوں نے بنوں
میں سکونت اختیار کرلی۔ کچھ اراضی زر کے عوض اور کچھ بنویان کے باہمی جھگڑوں کے نتیجے میں
انہیں ملی ان کے ساتھ قوم بارک زئی بھی تھے ان کے دو گاؤں ہیں تپہ غوریوالہ اور تپہ سورانی
میں یہ قوم افغانستان کے قدیم باشندے ہیں علاقہ داوڑ میں بھی دیگان آباد ہیں ان کی زیادہ تعداد
افغانستان کے مغرب میں آباد ہے۔

(ج) قوم فاطمہ خیل یہ بھی اولاد شیتک سے نہیں بلکہ یہ قوم فرقہ منگل قابضان سابقہ سے
رہ گئے ہیں ان کی اصل سکونت تپہ تیبی میں میراخیل۔ اسماعیل خیل کے درمیان تھی جہاں اب
کریم خان فاطمہ خیل کا کوٹکہ موضع خورد موجود ہے یہاں سے ایک بار پھر خارج کر دیا گیا اور
موجودہ فاطمہ خیل کلاں کی بستی تعمیر کر کے آباد ہوئے اس طبقہ میں ملک نامور خان نام آور
ملک گزرے ہیں۔ جس نے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو چن چن کر قتل کیا اور خود ملک بنے۔ جو
بچ گئے ان میں ایک گھرانا جنگی خیل کے نام سے فاطمہ خیل کلاں میں آباد ہے جبکہ ایک گھرانا بازار
احمد خان میں آباد ہوا۔ اس گھرانے میں خان ملنگ ولد میر پیاؤ اور رحیم پسر شیخ پیاؤ مشہور ہوئے۔
جبکہ فاطمہ خیل کلاں میں ملک اکبر علی خان بھی رسوخ رکھتے تھے۔

(خ) تپہ داؤد شاہ میں فرقہ خلیل چند گھرانوں پر مشتمل ہے یہ بھی بنویان نہیں ہیں یہ ضلع پشاور سڑنبی افغان ہیں اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ان کا جد اعلی بطور طالب علم بنوں آیا یہاں شادی کر لی کچھ سسرال سے اور کچھ اراضی زربیع کے ذریعے حاصل کر لی شاخ کشر میں بھی۔

(د) نصرت خیل ایک قوم ہے جس کا شجرہ نسب ڈیرہ اسماعیل خان کے سرحد پر آباد قوم سے ملتا ہے۔

(ذ) شیخان تپہ عیسک میں ایک عمدہ ٹکڑے پر آباد ہیں ان کے سات (۷) گاؤں ہیں جن کو تپہ سادات کہتے ہیں یہ شیخ شاہ محمد روحانی کی اولاد مشہور ہیں جب اولاد شیتک نے بنوں پر قبضہ کر لیا تو اس روز سے بنویان انہیں عشر دینے لگے تھے اس باعث بنوں کو پیر کنڑائی بھی بولتے ہیں یہ سلسلہ بہادر شاہ پسر اورنگزیب عالمگیر تک چلا آیا جب بہادر شاہ نے ۱۱۱۳ھ میں اس ملک کو زیر کر لیا تب بجائے شیخان کے عشر کا حق دار بادشاہ وقت کو گردانا گیا البتہ شیخان مالگزاری اور عشر سے معاف تھے یہ رعایت ۱۸۴۷ء تک قائم رہی البتہ ایڈورڈز نے ان پر 1/6 حصہ اور باقی بنویان پر 1/4 حصہ امدن کا لگان لگایا۔

(ر) قریش یہ عربی النسل ہیں اکثر علماء۔ اخوند اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں قریش کا کوئی گھرانہ نہ ہو صاحب عزت اور صاحب احترام ہوتے ہیں۔ سارا بنوں ان کے زیر اثر ہوتا آیا ہے۔ اسی طبقہ میں پڑھے لکھے لوگ ہوتے تھے۔ حکیم اور دانشور ہوتے تھے عربی اور فارسی سے شناسائی رکھتے تھے دینی فرائض کے عوض ہر بڑے دیہات میں انہیں کچھ اراضی دیدی گئی بعضوں نے زربیع قطعی کے ذریعے اراضی حاصل کر لی اکثر امام مسجد اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں پہلے صرف دین سے سروکار رکھتے تھے اب ان میں پروفیسر انجینئر ڈاکٹر تاجر اور معلمین پیدا ہو رہے ہیں۔

تیر خیل بھی اصل بنویان نہیں مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں ان کا جد اعلیٰ بھی ایک نہیں ہے۔ اس طرح جٹ۔ اعوان (ہندکی / انکی) باغباں بھی بنویان نہیں ہیں یہ کاشتکار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو مختلف ادوار میں ذریعہ معاش کے لئے بنوں آتے رہے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی خاص کر انکی جو خود کو اعوان پکارتے ہیں یہ جد اعلیٰ ایک نہیں رکھتے ہیں یہ لوگ بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے تھے جس ملک کو ان لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہو جاتی وہ مضبوط اور مستحکم ملک بن جاتا۔

ملک جعفر خان کے لئے یہی اعوان قوت اور دست وبازو تھے اور انہی کے طفیل وہ مضبوط حیثیت کا مالک اور ملک تھا۔

فرقہ اعوان نے بنویان کی باہمی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر کافی اراضی مفت میں حاصل کر لی جب فریقین ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے ان سے مدد حاصل کرتے تھے تو بصورت کامیابی صلے کے طور پر انہیں کچھ اراضی مفت میں مل جاتی تھی چونکہ یہ محنت کش اور جفاکش تھے اس لئے ان کی مالی حالت بھی اچھی رہی اور اس طرح کچھ اراضی بذریعہ زربیعہ قطعی بھی حاصل کر لی۔ اعوان غوریوالہ کے آس پاس آباد ہیں ان کی اپنی بستی بھی ہے اسطرح مختلف ادوار میں دیگر افغان قبائل بھی بنوں میں آئے اور آباد ہوئے خاصطور پر درانی عہد میں۔

بنوں میں جو درانی آباد ہیں وہ اپنے نام کے ساتھ درانی کا لفظ لگاتے ہیں گویا یہی ان کی شناخت ہے یہ بنوں کے اصل آباد کار نہیں بلکہ مداخلت کار ہیں جبکہ ایک لحاظ سے بنویان خود مداخلت کار رہے ہیں جنہوں نے بنی اور منگل کو بزور خارج کیا تھا۔

یاد رہے کہ بنوں کی قدیم آبادی ہندووں پر مشتمل تھی۔ اس وقت بنوں میں جو بھی آباد ہے بیرونی عناصر سے تعلق رکھتا ہے۔ شروع میں مداخلت کار ہوئے بعد میں آباد کار کہلائے۔

بمطابق ریکارڈ ۱۸۷۸ء

(یہ بھی اصل بنویان نہیں ہیں)

دستاویزی بیان برائے ریکارڈ مال محافظ خانہ ہوں۔

ہم سنتے ہیں کہ پہلے یہ ملک بقبضہ بنی و منگل کے ہوتا تھا جن دنوں میں مابین قوم مذکورہ قوم بوچی (بنویان) کے مقابلہ ہوا اور قوم بنی و منگل اس علاقہ سے قوم بنویان نے خارج کر دیا تو کسی نہ کسی طرح یہ رقبہ بلاوارث و قابض پڑا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد جس کو عرصہ آٹھ پشت کا گزرتا ہے مسمی اسماعیل خان مورث اعلیٰ ہم مالکان قوم خواجہ ہوس خیل کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا مندرجہ بالا ملتا ہے۔ علاقہ ضلع کوہاٹ سے ہمراہ کسی حاکم خراسانی (افغانی) کے بسلسہ ملازمت اس جگہ آیا چونکہ رقبہ ہذا غیر آباد پڑا ہوا تھا اس لئے حاکم مذکور نے ہمارے مورث کو بمر اد آبادی بمع ملکیت عطا کر دیا اور مورث مذکور اس پر مالکانہ قابض رہا چھٹی پشت میں جب باہمی مسمیان لنڈان و لنڈی برادران کے نفاق پیدا ہوا تو اسوقت انہوں نے کل ملکیت کو بحصہ برابر تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ کر لیا لیکن اس وقت کوئی طرف مشہور نہ ہوا جب قاسمان مر گئے تو ان کی اولاد میں نفاق زیادہ بڑھ گیا بلکہ وقتاً فوقتاً نوبت قتل تک پہنچتی رہی چونکہ اولاد لنڈی کمزور تھی ہم مالکان اولاد لنڈان نے انکو ملکیت سے بید خل کر دیا جب عملداری سرکار انگریزی ہوئے تو مسمیان نقش بند و لفر خان و کریم خان مالکان اولاد لنڈی پاس اولاد لنڈان کے بطور میلہ کے آئے اور انہوں نے تھوڑی سی اراضی واسطے گزارہ کے انکو دیدی اور باقی پر خود قابض ہو گئے تب سے اس خاندان میں عملدرآمد حصہ جدی کا معدوم ہو کر عملدرآمد قبضہ کا جاری ہو گیا بوقت حدبست سرسری نوآمد درآمد اراضیات دیہہ ہذا کی دوسرے دیہات سے ہوتی رہی اس لئے مناسب حصص کے جاتی رہی۔۔۔ آبادی اس رقبہ پر بنا کر آباد ہوا اور نام آبادی کا اپنے نام پر موضع اسماعیل خیل مشہور کیا۔

دستخط و مہر بازید خان نمبردار　　　مہر اعظم خان نمبردار　　　دستخط لعل چند پٹواری

یہ خاندان اسوقت دیگر خاندانوں کے مقابلے میں کافی مردم خیز ہے اس خاندان کے افراد مائل بہ تعلیم ہیں ذہانت فطانت اور امانت اس خاندان کا ورثہ ہے اور صفت خاص۔ دوستی میں ممتاز ہیں مگر اصولوں کی خاطر دوستی رشتہ تعلق سب کچھ قربان کرتے ہیں اس لئے اس خاندان کی دوستی کا دائرہ محدود ہے یگانے اور بیگانے سب ناراض اور شاکی ہیں گویا بقول اقبال۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اس خاندان میں باعث التفات افراد یہ ہیں (ا) غلام اسحاق خان۔ سابق صدر پاکستان غلام صدیق خان سابق انسپکٹر جنرل پولیس ملک عبدالرحیم خان چیف الیکشن کمشنر صوبہ سرحد لیاقت علی خان سکرٹری (سرحد) پروفیسر غلام روح اللہ خان سابق وی سی انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور۔ انہیں وی سی کی آسامی راس نہ آئی بارضائے خود یہ آسامی کسی اور کے لئے چھوڑ دی کیونکہ وہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں درس و تدریس کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔

پورتنہ

یہ قبیلہ بھی بنوں میں منتشر طور پر آباد ہے جو زیادہ تر علاقہ عیسکی میں پائے جاتے ہیں عیسکی شیخان میں جو قبیلہ پورتنہ آباد ہے وہ خود کو قریش پورتنہ کہتے ہیں۔ اسطرح کلا خیل مستی خان میں قبیلہ پورتنہ بھی خود کو قریش بتاتے ہیں جبکہ کوٹکہ جمعہ خان جو پورتنہ ہے خود کو افغان بتاتے ہیں۔ جبکہ کوٹکہ جمعہ خان جو پورتنہ کا جد اعلی بھی ہے اس میں آباد قبیلہ افغان اصل پورتنہ کے محکمہ مال کے ریدارڈ سے بھی اسکی تصدیق ملتی ہے اس قبیلے کا کرسی نامہ یوں ہے۔ ہدایت اللہ و محمد اصغر پسران محمد ایاز خان سپر ڈاکٹر معز اللہ خان پسر سوداد خان پسر رحیم خان پسر جمعہ خان پسر عمر علی خان (مر علی خان) گویا اس خاندان کا جد اعلی سمی عمر علی خان (مر علی خان) ہے بقول ہدایت اللہ خان اے سی ڈیرہ اسماعیل خان اس خاندان کا اصل مسکن صوبہ پغمان میں کوہ قراقرم تھا۔ جہان

سے ان کا جد امجد نقل مکانی کر کے بنوں میں آباد ہوا اور کچھ زمین بذریعہ زر حاصل کر لی اور جمعہ خان کو ٹکہ آباد کیا۔

راقم الحروف نے ان سے پورتنہ کا وجہ تسمیہ معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ پورتنہ مقام کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ پورتنہ ایک قبیلہ کا نام ہے ان کا یہ جواب قرین قیاس بھی ہے اور معقول بھی کیونکہ لفظ پورتنہ سے کسی قبیلے کا یا خیل کا ادراک نہیں ملتا پورتنہ بمعنی اوپرے آیا ہوا ہے۔ کوئی معنی نہیں رکھتا جبکہ کوئی خیل نامزد کیا جائے۔ جیسے کلا خیل مستی خان اور شیخان عسکی کے پورتنہ خود کو افغان اصل پورتنہ بتاتے ہیں جسکی محکمہ مال سے مزید تائید بھی مل سکتی ہے۔ جو قابل اعتماد ریکاڈ ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ قبیلہ پورتنہ بھی اصل اولاد شیتک یعنی بنویان نہیں ہیں۔ یہ قبیلہ شروع سے مردم خیز رہا ہے اسمیں قابل توجہ افراد پائے جاتے ہیں۔ اس قبیلہ میں سوداد خان بڑے ذہین اور دور اندیش شخص گزرے ہیں انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اعلی تعلیم دلوائی اور اپنے متبوضہ اراضی کا ۱۰۰ سال کا پیشگی زر لگان ادا کیا جسکی وجہ سے موجودہ قانون اور پابندی سے آزاد رہی یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد لب سڑک لبادیاں کرنے میں دشواری محسوس نہیں کرتے ان کا ایک فرزند ڈاکٹر معزاللہ خان تھا جس کی سال پیدائش ۱۸۹۵ء کے لگ بھگ ہے ان دنوں یہ ایک بڑا کارنامہ اور اعزاز سمجھا جاتا تھا ان کا دوسرا فرزند انجینئر تھا ان کا نام کریم خان بتایا جاتا ہے اس طرح ملک محمد ایاز خان پسر معزاللہ خان اعلی تعلیم یافتہ اور صاحب رسوخیت تھا ملک ایاز خان کے دونوں بیٹے اعلی اسامیوں پر فائز ہیں ھدایت اللہ خان اج کل اسسٹنٹ کمشنر ہیں جب کہ محمد اضغر خان S.D.O ہیں۔ ملک محمد ایاز خان حال ہی میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ ھدایت اللہ خان میں اپنے بزرگوں کی ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں اس وقت اپنے خاندان کا نمائندہ شخصیت ہیں۔

بنوں کے دیہات

بنوں میں قصبہ، بستی، گاؤں، دیہہ اور کلہ ہم معنی ہوتے ہیں بقول سٹیفن آغا عباس اور

مصنف ایڈورڈز بنوں میں کل چار سو کے قریب قصبات تھے اور ہر بستی کے ارد گرد وسیع و عریض اور اونچی فصیل ہوا کرتی تھی گویا ہر گاؤں یا بستی قلعہ بند ہوتی تھی اس لحاظ سے گاؤں کو کلہ یعنی قلعہ کہا جاتا تھا۔ اس فصیل کی اونچائی ۱۸ سے ۲۲ فٹ ہوا کرتی تھی۔ مناسب فاصلوں پر برج اور چوکیاں ہوتی تھیں جس میں ہمہ وقت اسلحہ بند جوان مستعد حاضر رہتے تھے اور گاؤں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے۔ فصیل کی موٹائی تقریباً نو فٹ ہوا کرتی تھی یہ فصیل مٹی سے ایستادہ ہوتی تھی بنوں کی مٹی کی ایک خاص خاصیت ہے جب گیلی ہو تو بڑی نرم ہوتی ہے۔ پانی سے بہت جلد آب برد ہو جاتی ہے مگر جب خشک ہو جائے تو آہنی حیثیت رکھتی ہے باد و باران گولہ وبارود کا دباؤ برداشت کرتی ہے۔ ہر قلعہ اپنے ملک کے نام پر ہوتا تھا اور جب وہ مر جاتا تو قلعہ / کلہ اور گاؤں کا نام بھی بدل جاتا۔

بنوں چونکہ بیرونی مداخلت کاروں کی زد میں واقع تھا اس لئے بنوں کی یہ قلعہ بندی وقت کی اہم ضرورت تھی جس کی وجہ سے بنوں کی دفاعی قوت میں اضافہ ہوتا اور وہ بیرونی دباؤ کا مقابلہ کر سکتے تھے جب وزیر قبائل نے بنوں کا رخ کیا تو وہ آسانی کے ساتھ بنوں والوں کو زیر نہ کر سکے تھے ورنہ انہیں وزیر قبایل کے ہاتھوں بنوں سے بے دخل ہونا پڑتا اس طرح جب شاہ شجاع والی قابل نے بنوں کو رنجیت سنگھ کے حوالہ کیا تو ۱۸۲۳ء سے ۱۸۴۷ تک سکھا شاہی بنوں کو زیر نہ کر سکے اور کبھی بھی بنوں والوں سے پورا لگان وصول نہ کر سکے تھے پورا بنوں آگ و خون میں ڈوبا رہا سکھوں کو آمدن سے زیادہ خسارہ برداشت کرنا پڑتا زبردست کشت و خون کے باوجود سکھ بنوں کو تسخیر نہ کر سکے تھے۔

آخر کار خالصہ دربار لاہور میں ایڈورڈ انگریز افسر کو سکھ افواج اور بنوں کا نگران مقرر کر کے بنوں بھیجا۔ ایڈورڈ دوررس ذہن رکھتا تھا اسے آتے ہی معلوم ہوا کہ بنوں کی تسخیر ناممکن ہے جب تک بنوں کے باسیوں کو ان قلعہ جات سے محروم نہ کر دیا جائے اس نے اپنی حکمت عملی اور تدبر سے اپنے منصوبوں کو کامیاب بنا دیا۔ ملک سوان خان وزیر کی مشاورت سے انہوں نے ملک لال باز خان شاہ بزرگ خیل کو اپنے گاؤں بازار احمد خان کی فصیل مسمار کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر ملک جعفر

خان والئے غوریوالہ کو بھی تیار کیا۔ کہ وہ گاوں کی فصیل گرادے۔
ایڈورڈز نے زر و زور دونوں کا استعمال کیا جن لوگوں نے اس کار خیر میں پہل کی، معاونت کی انہیں مراعات دیدی گیئں۔ ان سب امور کی تفصیل اے ایران دی پنجاب فرنٹیر (A year on the Punjab Frontier) میں دیدی گیئں ہیں۔ کیونکہ انگریز بہادر بے باک ہوا کرتا ہے۔ وہ عورقب اور نتائج کا بر ملا اظہار کرنے میں باک محسوس نہیں کرتا۔

انگریز بہادر نے ایک ماہ کے اندر اندر بنوں کے سارے قلعہ جات کو منہدم کردئے اور لگان کی وصولی کے لئیے راستہ ہموار ہوا اور عملاً بنوں تسخیر ہوا۔ مگر نتیجہ میں کھلی فضا بھی ملی اور نیلا آسمان بھی۔ کیونکہ بنوں والوں کی آنکھیں کھل گیئں اور حقیقت ان پر واضح ہو گی مگر تاخیر ہو چکی تھی۔ پانی سر سے گذر چکا تھا۔

؎ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تپہ جات

بنوں میں کل چار سو کے قریب دیہات ہوا کرتے تھے جو سب کے سب قلعہ بند ہوتے تھے ہر قلعہ کلہ قصبہ کا ایک ملک ہوتا تھا اور اسی کے نام سے کلہ مشہور ہو جاتا تھا گویا بنوں میں انتظامی امور ملکی رسم و رواج کے مطابق چلائے جاتے تھے کیونکہ یہ علاقہ مرکز سے دور افتادہ ہونیکے باعث اکثر آزاد یا نیم آزاد رہتا پورا بنوں پہلے ۵ تپوں میں تقسیم تھا۔ اور ہر تپہ کا ایک ملک ہوتا تھا۔ یعنی مہاملک جس کے تحت کئی دیہات ہوتے تھے۔ اور کئی ملک۔ اس حوالے سے ایک ہی علاقے میں بیک وقت ۵ بادشاہ ہوا کرتے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ دست د گریبان رہتے جسکی تفصیل مناسب جگہ پر دی جائیگی۔ احمد شاہ ابدالی اور اسکی حکمرانی: بنوں والوں کا مزاج شناس تھا انہوں نیبوں کو رام کیا ان کی وحشت دور کر دی بنوں میں مردم شماری کرادی ہر قوم و قبیلہ کے لئے لگان مقرر ہوا انتظامی امور درست چلانے کے لئے بنوں کو ۲۰
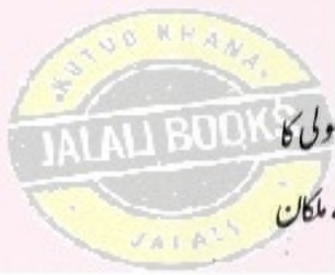
تپوں میں تقسیم کیا گیا ہر تپہ کا ایک ایک ملک نامزد کیا گیا جو متعلقہ حلقہ سے لگان کی وصولی کا ذمہ دار ہوتا تھا یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا مگر جب بنوں ۱۸۴۸ میں قابو ہوا تو ایڈورڈز نے ملکان کے اختیارات ختم کر دیے اور لگان براہ راست وصول ہونے لگا۔

تپوں کی تقسیم ذیل میں کی جاتی ہے :

۱۔ قوم معری ۶ تپہ بتفصیل زیل (بندیو۔ لوڑ۔ سمال خیل۔ بھرت۔ شہادیو۔ خس خیل ککی)

۲۔ تپہ تپئی ۲ تپہ (غوریوالہ۔ خوجڑی۔ سمال خیل میرا خیل۔ طفل خیل)

۳۔ عیکی ۴ تپہ (بازار احمد خان۔ خس خیل۔ سلیمہ۔ شہباز خیل۔ شگی۔ گنڈلی) جنڈو خیل۔ کلہ خیل شمشی خیل اسماعیل خیل فاطمہ خیل تامجل۔ سوکڑی۔ منڈان۔ بیتا خیل۔ فتح خیل

۴۔ درئی دڑیز ۲ تپہ فاطمہ خیل۔ ہمجل سوکڑی۔ منڈان بیتا خیل۔ فتح خیل (داؤد شاہ۔ ممش خیل۔ آفنی۔ مندا خیل۔ ولادین۔ خونی خیل۔ ہسبک۔ موسکی)

۵۔ سورانی چھ تپہ (داود شاہ۔ ممش خیل۔ آمندی۔ مندا خیل والادین۔ خونی خیل۔ ہیبک۔ مونکی)

کل ۲۰ تپہ جات

گوند

گوند کے معنی گروہ کے ہیں۔ گوند بھی ضرورت کی پیداوار ہے ماضی میں ان کا موجب بارگ زئی قبیلہ کے دو بھائی بتائے جاتے ہیں سر کئے اور ابراہیم قوم نورڈ کی آباد کاری کے سلسلہ میں ان دو بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا جس نے شدت اختیار کرلی دونوں ایکدوسرے کو نیچاد کھانے کے لئے بنوں کے دیگر شاخوں سے حمایت حاصل کرنے کے درپے ہوئے اس طرح بنوں دو گروپ یا گوند میں تقسیم ہوا ایک کروپ کو سپین (سفید) گروپ یا گوند دوسرے کو تیر گوند یعنی سیاہ گوند کہا جانے لگا اس طرح بنوں میں دو گوند وجود میں آئے اور ہر گوند کا ایک سردار یعنی مہا ملک ہوتا تھا اس طرح ایک ہی وقت میں ایک علاقے میں ایک علاقے میں دو بادشاہ ہونے لگے جو ہمیشہ ایک دوسرے کو نیچاد کھانے کی کوشش کرتے تھے اکثر وبیشتر ایک دوسرے کے ساتھ بر سرپیکار رہتے تھے یوں بھی ہوا کہ بعض اوقات بیرونی عناصر کو بھی دعوت ملتی۔ کہ وہ اپنے مخالف فریق یعنی گوند کو زیر کرنے ان کی معاونت کرے اور پھر اسے صلے میں بہت کچھ مل جاتا تھا۔
ماضی قریب میں تیر گوند کا ملک / سردار ملک وکس خان شاہ بزرگ خیل ہوا کرتا تھا مگر ان کی وفات کے بعد ملک شیر مست خان جھنڈو خیل سردار بنا ان کے زیر کمان ۹ ہزار اسلحہ بند جوان ہوتے تھے۔ جبکہ سپین گوند کا سردار سینی خان تھا ان کے قتل ہو جانے کے بعد ملک جعفر خان غورا یوالہ سپین گوند کا سردار بنا ان کے کمان میں ۶ ہزار اسلحہ بند جوان دستیاب تھے وقت کے ساتھ ساتھ اور قانون کی عملداری کے باعث گوند اور ملک کا اثر زائل ہو چکا ہے البتہ جن کے پاس زر ہے وہ زور کا خاوند گردانا جاتا ہے۔
گروہ بندی کا یہ مرض یا ضرورت مروت اور وزیرستان تک سرایت کر گئی مروت میں ایک گوند کو اہل زر گوند اور دوسرے کو نواز گروپ یا گوند کہا جاتا تھا بعد میں ان گوندوں کو بھی تیر اور سپین گوند کہا جانے لگا وزیرستان بھی ان دو گوندوں میں تقسیم ہے بنوں خاص میں یہ فرق اب مٹ چکا ہے۔ مروت میں قدرے باقی ہے جب کہ وزیرستان میں گوندوں کی تقسیم کی شدت بدستور

قائم ہے۔

افسران/ملکان گوند کا عہدہ دائمی اور موروثی نہیں ہوتا تھا مگر جس کا زور چلا ہمت کر کے اپنے پرائے کو قتل کر سکا نام پیدا کیا وہ گوند کا سردار بنا پھر اس کے گوند میں مخالف گوند کے لوگ آنے لگے مخالفت پیدا ہوئی تو اپنے لوگ بے گانے ہو جاتے جب دکس خان تیر گوند کا سرگروہ بنا تو اس کے عہد میں کافی لوگ سپین گوند چھوڑ کر کے ان کے گوند میں شامل ہوئے۔

جیسے اسد خان ولد کریم خان بسبب رشتہ داری سپین گوند سے دکس خان کے تیر گوند میں چلے آئے فریق اور خان زمہ نے بھی جب درب خان شاہ بزرگ خیل تیر گوند کے سرگروہ بنے تو کلہ خیل مستی خان سپین گوند میں آئے۔ کیونکہ اسکی درب خان سے سخت عداوت تھی صحبت خان ولد میر قلم خان کی بازید خان سے سخت دشمنی تھی جب کہ بازید خان تیر گوند کے افسر تھے اسی باعث وہ سپین گوند میں جا ملے بعد میں اس خاندان کا بازید خان نے بالکل صفایا کر دیا جنگی خان۔ جعفر خان مقل خیلی و میر ہوس خان منڈان سپین گوند سے تیر گوند میں آئے کلائی و نصیر شمسی خیل کبھی تیر کبھی سپین ہوتے رہے حذری مندی زئی بازید خان کے ہاتھوں تباہ ہوا اس طرح خواجہ رم خیل تیر گوند میں در آئے۔

مزید حال افسران سپین گوندی۔

عہد افغانی میں سینی خان مغل خیل سپین گوند کا افسر یعنی سرگروہ تھا جس کو گورنر میانداد خان درانی نے بمقام میری قتل کرادیا اس کے بعد جنگی خان و جعفر خان مغل خیل میر ہوس خان دور سکھاشاہی میں سرگروہ بنے مگر یہ برائے نام تھے حقیقت میں جنگ کے موقع پر نامور خان فاطمہ خیل و فعفر خان اسماخیل سپین گوند کے سربراہ ہوا کرتے تھے۔

تیر گوند (سیاہ گوند) دکس خان

ماضی قریب میں دکس خان شاہ بزرگ خیل تیر گوند کے سربراہ تھے انہوں نے تیر گوند کو بڑا

مضبوط بنایا خود بھی زیرک معاملہ فہم۔ جاں باز انسان تھا جب ۴۳-۱۸۴۲ میں وہ وفات پا گئے تو بازید خان آف مندی زئی سورانی سردار ہوئے مگر شیر مست کے ہاتھوں ہزیمت اٹھائی شیر مست خان آف جھنڈو خیل سربراہ بنے ان کے بعد درب خان شاہ بزرگ خیل تیر گوند کے افسر بنے۔ مگر یوں تاج برطانیہ کے قلم رو میں آجانے کے بعد ملکوں اور سربراہ گوندوں کے اختیارات اور اثرات ختم ہوئے۔

اختیارات

سربراہ گوند کے اختیارات لامحدود ہوتے تھے اس کی زبان قانون ہوتی اور آخری فیصلہ وہ اپنے علاقے میں قضاء بھی قائم کرتے تھے حد مقرر کرتے جرمانہ کرتے قتل کرنا بھی مباح تھا وہ بوقت ضرورت امیر لشکر ہوتے لشکر جمع کرتے اپنے گوندے داروں کی مالی معاونت کرتے تھے ان سے لگان وصول کرتے تھے متعلقہ افراد میں ناراضگی جھگڑا رفع کرتے صلح کرتے جرمانہ اور ناغہ کرسکتے تھے۔

حال عداوت باہمی

جس قدر تلخی اور دشمنی ہوں والے ان دونوں گوندوں میں پائی جاتی تھی اس کی نظیر شاید تاریخ یا دوسری قوم پیش کر سکے عہد افغانی میں جسے عرف عام میں (دپشتو وخت) کہتے ہیں اس دوران باہمی کشت و خون کے باعث سیکڑوں کی تعداد میں ہویان مارے گئے۔ کوئی صبح ایسی طلوع نہ ہوتی جس میں کئی کئی جانیں نالی گئیں ہوں گاؤں کے گاؤں صفحہ ہستی سے مٹ جاتے۔ پورے خاندان کا صفایا کیا جاتا تھا اپنے قلعہ سے باہر نکلنا دشوار تھا ہوں کی پوری زمین لرزان۔ انسان ہراساں اور ظلم خود انگشت بدندان رہتا۔ بھائی بھائی کو قتل کرنے سے دریغ نہ کرتا طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ظلم اور بربریت رواج عام بن چکی تھی جسکی متعدد مثالیں ہیں۔ شاہ بزرگ نے بمطابق مصنف حیات افغانی اپنے چچا اور نابالغ چچازاد بھائیوں کو قتل کر کے خود ملک بنا تھا فتح خان اور پسران جنگ باز خان (لال باز خان، درب خان) شاہ بزرگ خیل کی معاونت سے ملک

ممبل کو قتل کر کے اس کے خاندان کا صفایا کر دیا اور جائداد کے ربع حصہ پر قابض ہوا جبکہ تین چوتھائی حصہ جائداد کا اپنے معاون کاروں کو دیا گیا اس طرح ملک شیر مست خان اپنے بھتیجوں کے ہاتھوں علاقہ بدر ہوا تھا ملک مظفر خان غوریوالہ کو اپنے نزدیکی رشتہ داروں نے بازار احمد خان میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ بازید خان سورانی نے متعدد خاندانوں کو تباہ کر رکھدیا تھا نا مور خان فاطمہ خیل نے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو قتل عام کر کے خود ملک بنا تھا اس طرح ملک لال باز خان نے اپنے راستے سے نزدیکی رشتہ دار ہٹا کر خود ملک بنا۔ ایسی بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کس کس کا تذکرہ کیا جائے۔

قتل کرنا فیشن بن چکا تھا جو ۵۰ تک گنتی پورا کرتا یعنی ۵۰ نفوس کو قتل کرنے پر اسے قوم کی طرف سے بہادری اور اعزاز کا تمغہ مل جایا کرتا تھا۔ اسے عرف عام میں پیاوڑہ کہا جاتا تھا (ملاحظہ ہو ایک مکالمہ مابین مصنف ایڈورڈز اور ارسلا خان آف سورانی۔ اے ایران دی پنجاب فرنٹیر)۔ ناکردہ گناہ کی پاداش میں شیر خوار بچوں اور مستورات تک قتل کئے جاتے تھے نہ دن کو سکون نہ رات کو چین مزید مخالف گوند کا فرد جانی دشمن تصور ہوتا۔ مخالف گوند کی مویشیوں کو بزور بھگا دیا جاتا۔ نسلوں اور فصلوں کو تباہ کیا جاتا تھا مروت لوگ طفل کشی کے باعث بنوں والوں کو طعنہ دیا کرتے تھے بنویان یہ سب کچھ جہل و نادانی کے سبب کرتے تھے حرص زن حرص زر۔ حرص زمین کے لئے کرتے تھے حصول ملکی کے لئے کرتے تھے ان حالات میں حجت الٰہی پوری ہوئی۔ تو قہر خداوندی نازل ہوئی شامت اعمال کے نتیجے میں بنویان پر سکھا شاہی مسلط کر دی گئی اس دور میں چادر و چار دیواری کی حرمت۔ عصمت۔ عظمت اور عزت خاک میں مل گئی بعد میں مکمل غلامی سے دوچار ہوئے۔ ۱۸۴۹ء تا ۱۹۴۷ ذلت کا دور شروع ہوا۔۔۔۔ مجاہدین آزادی نے خون کا نذرانہ پیش کیا تقصیر معاف ہوئی آزادی ملی اور پاکستان بنا۔

؎ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

بنویان کی دیگر قبائل سے چپقلش

قوم منگل اور قبیلہ ہنی کو جب بنویان نے بنوں سے بید خل کر دیا تو اس وقت خٹک قبیلہ علاقہ سد راؤن پر قابض تھا بنوں والوں نے ان کا قبضہ ختم کر دیا نار کا علاقہ قوم مروت و اولاد شیتک (بنوں یان) کے درمیان وجہ فساد بنا ہوا تھا اسی وجہ سے نار کا پورا علاقہ کاشت نہ کیا جاسکا جو بنجر اور جنگل بن گیا اس طرح قوم صری بکا خیل اور جانی خیل وزیر قبائل کے ساتھ دست و گریبان ہوئے ادھر سپر کی عمرزئی اور بزن خیل سورانیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے محمد خیل وزیری علاقہ داؤد شاہ کے مغربی حصہ پر قبضہ کر لیا۔ پہلے وہ صرف دامن کوہ کو چراگاہ کے طور استعمال کرتے تھے مگر اب وزیروں کی نظریں نشیبی زمینوں پر جم گئیں اور کچھ زرعی اراضی پر بزور قبضہ کر لیا یہ ۱۷۵۰ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا وزیروں میں اتفاق تھا تازہ دم تھے عسرت زدہ تھے اس لئے جفاکش اور محنت کوش تھے بنویان منتشر۔ بکھرے ہوئے اور آپس میں الجھے ہوے تھے دونوں اطراف سے دشمن نے ان پر گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے بنویان کے پاس پناہ گاہیں تھیں ہر گاؤں قلعہ نما تھا اس لئے دفاعی لحاظ سے بہت مضبوط پوزیشن میں تھے البتہ ان کی زمینیں وزیروں کے دست برد کی زد میں تھیں مثلاً علاقہ سورانی اور علاقہ داؤد شاہ اور علاقہ میریان کی سرحدی اراضی۔

وزیروں نے بنوں کی وسط تک لوٹ مار کر کے بنویان پر زندگی اجیرن کر دی تھی۔ جب بنوں پر سکھا شاہی مسلط ہوئی تو بنویان پر یہ عہد عرصہ محشر بنا انہیں ایک ہی وقت میں دو محاذوں پر لڑنا پڑا مگر یہ بنویان کی خوش نصیبی تھی کہ ایسے وقت میں بیک وقت ان میں دو پیدائشی جرنیل پیدا ہوئے ایک ملک غازی دلاسہ خان اور دوسرے ملک دکس خان شاو بزرگ خیل یہ دونوں جنگجویانہ صلاحیت کے مالک تھے ملک دکس خان کا ساتھ ملک شیر مست خان نے بھی دیا وہ ایک دوسرے کے تمہ تھے وزیر قبائل نے تورہ جمع (عام اعلان جنگ) کر کے بمقام زیارت جنگی ینکہ جمع ہوئے۔

دوسری طرف باتعان دیگر ملکان تیر گوندی کو ٹکہ برام شاہ دکس خان نے پڑاؤ ڈالا۔ بازید خان پسر خانان قوم مری کو وزیروں کے پاس بنویان کی طرف سے بغرض افہام تفہیم وصلاح کے بھیجا گیا وزیروں نے اس قاصد کو تلوار کی کچھ ضربیں لگائیں وہ زخمی ہوا مگر قتل ہونے سے بچ گیا وہ زخمی حالت میں بنویان کے پاس آیا دوسری صبح وزیروں کا لشکر عظیم تپہ عیکی کی طرف بڑھا۔ دکس خان نے مردی خیل کے قریب ان کا راستہ روک لیا اور روز یر لشکر کا انتظار کرنے لگا اسی اثنا وزیروں نے ایک راہگیر سکنہ گڑھی سلیمہ کو قتل کر دیا جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ وزیر نے اپنا راستہ تبدیل کر کے شہباز موضع میں پڑاؤ ڈالا یہ سپین گوند بنویان کا گاؤں تھا گویا تیر گوند بنویان کا جانی دشمن اور حریف گوند۔ بڈا خیل موضع کے قریب وزیروں اور بنویان کے درمیان معمولی جھڑپ ہوئی دونوں اطراف سے معمولی جانی نقصان ہوا وزیر اب ڈوڈہ اسماعیل کی طرف بڑھے ملک دکس خان نے پھر ان کا راستہ روک لیا اور نہر باران کی اوٹ میں مورچے سنبھال لئے یہاں سخت معرکہ پڑا شروع میں وزیروں کا پلڑا بھاری رہا مگر جلد ہی بنویان سنبھل گئے اور تازہ حملہ کیا وزیر اب پسپائی پر مجبور ہوئے دونوں اطراف سے پھر جانی نقصان ہوا وزیروں نے اب ہوش کے ناخن لئے لشکر کشی اور جنگ کو بے فائدہ جان کر صلح کرنے پر رضامند ہوئے دکس خان نے جب ۱۸۴۳ء میں وفات پائی تو بنویان کو پھر ایسا پیدائشی جرنیل نہ مل سکا اسی جرنیل کی قیادت میں ایک بار پہلے بھی بنویان نے نواب ڈیرہ کو خوجڑی کے مقام پر شکست فاش دیدی اور پھر نواب ڈیرہ زندگی بھر بنوں کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ کر سکا۔

بلکہ دکس خان کی وفات کے بعد وزیر قوم کی دست درازیاں بڑھ گئیں انہیں ایک زیرک مدبر دور اندیش قیادت بصورت سوان خان ملک ملی انہوں نے ایڈورڈز نگران بنوں کی آشیرباد حاصل کی۔ وزیروں کو ارض بنوں میں اراضی کی ضرورت تھی انگریز بہادر کو بنویان کی اطاعت شعاری درکار تھی ایک نے بنوں کی بیرونی سرحدات کو غیر محفوظ بنا دیا تھا دوسرے نے اندرونی طور پر بنویان کو غیر مستحکم کر دیا اور خود بنویان کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنی فصیلوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے

مسمار کر دیں اور اپنی دفاعی قوت کا اپنے ہی ہاتھوں خاتمہ کر دے۔

؎ جب کشتی ثابت سالم تھی ساحل کی تمنا کسکو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

غازی دلاسہ خان تن تنہا ایسی کشتی پر جس کے تختے اکھڑ چکے تھے سفینہ قوم کو ساحل پر پہنچانے کے لئے تگ و دو کرتے رہے بڑھاپا آیا لہٰذا انہدام قلعہ جات مکمل ہوا وزیر برابر اپنے تجاوزات بڑھاتے رہے ان حالات میں غازی دلاسہ خان کے داغ برہنگی کو کفن نے ڈھانپ لیا اور انہیں موت آئی

؎ غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنون کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

حضرت حیات افغانی

اگر سرکار انگریزی مانع نہ ہوتی اور بنوں تاج برطانیہ کے قلمرو میں شامل نہ کیا جاتا تو ممکن ہے آج بنویان کا نام و نشان بنوں میں نہ رہتا اور آج ان کا مرثیہ پڑھا جاتا اور بنوں پر وزیروں کا تسلط ہو جاتا

انہدام قلعہ جات کا فوری اثر

جوع ارض کی وجہ سے بنویان وزیروں کے لئے سد راہ تھے ان دونوں قبائل کے درمیان تعلقات اچھے نہ تھے وزیر زمین چاہتے تھے بنویان ان کی اس خواہش کو پورا کرنے نہیں دیتے تھے۔ وزیروں میں اتفاق پایا جاتا تھا مقصد کی لگن تھی عسرت زدہ تھے جفاکش تھے تعداد بھی زیادہ تھی بنووال بکھرے ہوئے منتشر تھے گوندوں میں تقسیم تھے فارغ البال تھے آسودہ حال تھے ان میں نفاق تھا آپس میں بٹے ہوئے تھے مگر وہ صاحب دفاع تھے ان کی دفاعی قوت مستحکم تھی بنوں میں قلعوں کی مجموعی تعداد ۴ سو تک پہنچتی تھی گویا بنویاں زبردست دفاعی قوت کے مالک تھے وزیری ان کے سرحدی اراضی پر دست درازی تو کر سکتے تھے مگر قلعوں کی تسخیر ان کے بس کی بات نہ تھی جب ایڈورڈز اپنی حکمت عملی کے باعث بنوں کے جملہ قلعہ جات گرانے میں

کامیاب ہوئے تو بنوں والوں کی دفاعی قوت کا خاتمہ ہوا چنانچہ مالیہ کی اصولی پر پسر بازید خان اور احمد زئی وزیروں میں معمولی جھگڑا ہوا تو قبیلہ عمرزئی نے ۱۸۴۹ء میں علاقہ سورانی پر یلغار کر دی ۳۰ دیہاتوں کو جلا ڈالا بازید ان کے ۵ بیٹوں کو قتل کر دیا گیا دیگر سینکڑوں بویان کو مار دیا گیا گاؤں بازید کو بھی زیروزبر کر دیا گیا ماضی میں ایسا کبھی بھی نہ ہوا تھا اب بویان کے پاس پناہ گاہیں نہ تھیں وہ دوسروں کے رحم و کرم پر تھے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

بنوں اور مغل

ویسے زمانہ قدیم سے بنوں پر مسلمان جرنیلوں اور مسلمان سلاطین کے نقش پائے جاتے ہیں مثلاً ۴۴ھ میں عسکری جرنیل ابو صفری آیا اور بنوں کو فتح کر کے ہند کی طرف بڑھا مسلمان محمود غزنوی نے آکرہ کو فتح کر کے واپس افغانستان چلا گیا۔ محمد غوری ۱۱۹۸ء میں آیا غوریوالہ کے مقام قیام کیا ہندو آبادی کو تہس نہس کر دیا۔ ۱۳۹۳ میں تیمور لنگ آئے تھے ۱۵۰۵ء میں بابر بنوں آئے مگر پہلی بار اورنگ زیب کے عہد میں بنوں کو اپنانے کی کوشش شروع ہوئی اور مستقل گورنر کو بنوں کے لئے مقرر کیا گیا شہزادہ بہادر شاہ ابن اورنگزیب ۱۷۰۴ء میں درہ ٹوچی کے راستے بنوں آیا معمولی مزاحمت کے بعد جھنڈو خیل کے مقام پر ایک شاہی قلعہ تعمیر کروانے میں کامیاب ہوئے یہ خالص مٹی کا بنا ہوا قلعہ تھا جس کا نام شاہ کوٹ تھا اس کے کھنڈرات اب بھی پائے جاتے ہیں وہ بنوں میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی غرض سے بنوں آیا تھا اس شہزادہ کو بہرام خٹک پسر خوشحال خٹک نے ترغیب دلائی تھی کہ بنوں بڑی زرخیز اور خوبصورت وادی ہے۔ شہزادہ بہادر شاہ راجہ بشن سنگھ اور محمد حسن کے ہمراہ خوست سے ہوتا ہوا درہ ٹوچی کے راستے بنوں پہنچا تھا انہوں نے مقامی ملکوں کو بدرقہ ابذرگہ (ٹیکس راہداری) دیگر زرکثیر خرچ کر دی تھی خلعت و اکرام سے مقامی ملکوں کو نوازا گیا اس طرح بصد مشکل وہ بنوں پہنچے تھے ارادہ مستقل فوج رکھنے کا تھا اس لئے انہوں نے اپنی پہلی فرصت میں قلعہ خام تعمیر کیا اس مقام پر ان

کے لئے خان زمان کٹی خیل لوہانی سلام کے واسطے حاضر ہوا تھا شہزادہ نے اطاعت شعاری کے صلے میں اسے ایک ہاتھی اور ایک عربی گھوڑا پیش کیا موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے بنوں کو چھوڑا مگر اصالت خان گھکھڑ کو بنوں کے انتظام کے لئے طلب کیا وہ اس وقت ہزارہ میں تھے۔ اسے بطور فوجدار بنوں میں مقرر کرنا مقصود تھا مگر واپسی میں داوڑ اور وزیروں نے شاہی فوج کو کافی نقصان پہنچایا اور فوج کا راستہ روکے رکھا شہزادے نے کافی رقم دے کر راستہ حاصل کیا آگے بڑھا مگر یہ سلسلہ مزاحمت کابل تک جاری رہا اور مقامی آبادی برابر اپنا ٹیکس راہداری بزور وصول کرتے رہے اسی دوران راجہ بشن سنگھ بنوں ہی میں مر گئے شہزادہ نے علاقہ داوڑ میں سئید حسن کو اپنا نائب مقرر کیا تھا چند عرصے بعد قوم مروت اور بنویان نے اتفاق کر کے اصالت خان گھکھڑ حاکم بنوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اسے قلعہ شاہ کوٹ (جنڈو خیل) میں محصور کر دیا جب دیکھا مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو آمان کا طلبگار ہوا اور قلعہ کو حوالہ کر دیا اصالت خان ملکان مروت کی پناہ میں آ کر اسے درہ تنگ علاقہ عیسٰی خیل کے راستے معظم نگر (میانوالی) پہنچایا گیا بغاوت کی اطلاع شہزادہ بہادر شاہ کو جلال آباد میں ملی اصالت خان کی کمک کے لئے افضل خان خٹک پسر خوشحال خان میر ابراہیم اور فاخر خان فوجدار بنگش کو درہ تنگہ بھجوائے گئے۔ منصوبہ کے مطابق انہوں نے اصالت خان سے درہ تنگ میں ملنا تھا تاکہ وہاں سے بنوں جا کر بغاوت کا خاتمہ کرادے فوجدار بنگش کی فوج کو ایک سال کی تنخواہ ملی تھی مذید سئید حسن کی طرف سے شہزادے کو اطلاع ملی کہ وہ بھی داوڑ میں محصور ہو چکے ہیں احتیاط سے آنا حالات کی سنگینی کے پیش نظر پیش بینی کے طور پر دو سو سواروں کا ایک دستہ حالات معلوم کرنے بھیجا گیا انہوں نے تصدیق کر دی ادھر بلند خیل سے دریائے کرم کے کنارے جو راستہ بنوں آتا تھا وہ وزیروں نے بند کر دیا تھا چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ خود انتظام کرو دوسرے سال بہادر شاہ نے ایک بار پھر فوج براستہ بلند خیل بنوں کے لئے روانہ کر دی راستہ میں شاہی فوج کو وزیروں نے گھیر لیا جنگ ہوئی اور شاہی فوج کو زک اٹھانی پڑی اور شکست سے دو چار ہوئی شاہی لشکر مال و اسباب گھوڑے گدھے۔ خچر وغیرہ چھوڑ کر بلند خیل کی طرف بھاگ نکلا۔ امیر لشکر نے ملکان وزیر قبائل کو صلح

کے بہانے طلب کیا گیا مگر دغا سے شاہی فوج کے سالار لشکر نے ان ملکوں کو قتل کر دیا اس نازیبا حرکت سے وزیری قبائل مزید مشتعل ہوئے مارنے مرنے پر کمر بستہ ہوئے۔ سارے وزیر قبائل متفق ہوئے اور بلند خیل میں شاہی لشکر پر حملہ آور ہوئے وہاں سے سالار لشکر علی رضا درسمند بھاگ گیا یہ خبر سن کر شہزادہ بہادر شاہ نے فوج کو واپس بلا لیا سب سرداروں کی خوب ملامت کی گئی اور خود بہ نفس نفیس خوست سے داوڑ روانہ ہوا ایک بار پھر وزیری اور داوڑ نے راستہ روک لیا اور مزاحم ہوئے مگر ناصر خان سردار نے حکمت اور تدبر سے کام لیا راستہ صاف کرالیا مزاحمت ختم کرادی گئی اور بہادر شاہ بغیر کسی مزاحمت مزید کے بنوں پہنچ گئے بنویان کچھ مفرور ہوئے اور بعضوں نے اطاعت قبول کرلی مگر بہادر شاہ نے بنوں میں توقف نہ کی اور سید ھا مروت سے ہوتا ہوا براستہ عیسٰی خیل پہنچا۔ وہاں چند ماہ قیام کیا اصالت خان کی جگہ مبارز خان کو بنوں کا فوجدار مقرر کر دیا۔ اس کے بعد بہادر شاہ نے بنوں واپس ہوئے قوم مروت سے کچھ لگان وصول کیا اور ناصر خان کو شاہ کوٹ (جنڈو خیل) میں چھوڑ دیا اور خود خوست کے راستے غزنی پہنچا غزنی سے کابل چلا گیا ناصر خان نے بنوں پر ایک لاکھ روپیہ لگان مقرر کیا بصد مشکل وہ ۴۰ ہزار وصول کر چکا۔ حالات دگرگوں دیکھ کر خوف جان کے باعث داوڑ کے راستے افغانستان چلا گیا۔ باقیماندہ افسران بھی بھاگ نکلے ادھر محمد افضل خان قلعہ دار نے بھی شاہ کوٹ قلعہ کو چھوڑ کر لتمبر چلا گیا اور مبارز خان گھکھڑ جو کالاباغ اور میانوالی کا فوج دار تھا اسے لکھ بھیجا کہ بنوں کا انتظام تم سنبھال لو مگر اس نے انکار کر دیا اس طرح بنوں اور مروت پھر خودسر اور آزاد ہوگئے۔ اب یہ معمول ہو گیا کہ مغلیہ سردار سال بسال یا جب بھی موقع ملا۔ کابل کی طرف سے بنوں پر عام یورش کرتے عام یلغار۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا۔ تباہی و بربادی مچاتے اور کچھ قلنگ وصول کرتے وصولی کے مقابلے میں فوج کا خرچہ زیادہ پڑتا مغلوں کی یورش اور تباہی کے بہت سارے قصے بنوں میں زبان زد عام و خاص ہیں مشہور کہاوت ہے پشتو زبان میں کہ "غل زیر آوردی کہ مغل جواب بہ داوی۔ ناغل زوآوردی غل بمعنی بڑا پیشاب۔ زور آور یا زیر آور بامعنی غالب اب مطلب صاف ظاہر ہے کہ مغل کے مقابلے زیادہ غالب ہے گویا مغل غلبہ استعارہ

بن گیا تھا اس طرح جہاں شور و غوغا ہے تو پشتو میں کہا جاتا ہے مغوال دہ یعنی کہرام بپا ہے اس طرح اور بھی کہاوتیں مشہور ہیں خوف خدا پر خوف مغل غالب ہے وغیرہ وغیرہ۔

بنوں میں نادر شاہ کی آمد

نادر شاہ ایرانی کی فوج ۱۱۵۰ء بمطابق ۱۷۳۸ھ بڑے کروفر کے ساتھ بنوں میں داخل ہوئی یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا وہ درہ خیبر کے راستے سے آیا تھا یا درہ ٹوچی کے راستے سے بہر حال وہ بنوں پہنچے فوج کا خیمہ خرگاہ سب سرخ رنگ کے تھے فوجوں کی وردی بھی سرخ تھی بنوں کے علاقے نورڑ۔ گڑھی۔ تپہ تپئی موضع ولی خیل۔ تپہ منڈان سے گزرے یہاں علاقہ منڈان میں فوج کی کچھ مزاحمت کی گئی اس معمولی مزاحمت کی پاداش میں ہر سہ دیہات میں قتل عام کیا ان دیہاتوں کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا سوائے دو بندوں کے ان دیہات کی کل آبادی ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھی کچھ لوگ خوف جان کے باعث علاقہ بنگش میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

دور درانیان

احمد شاہ ابدالی

جب احمد شاہ ابدالی سریر آرائے سلطنت ہوئے تو سردار خان سپہ سالار افغانستان سے براستہ داوڑ بنوں آیا۔ ظلم نادری کی داستانیں ابھی تازہ تھیں بنوں نے فوراً اطاعت قبول کی اور لگان مقررہ ادا کیا۔

جہان خان درانی نے مسماۃ بیبی دختر شاہ بزرگ والئے بازار احمد خان سے شادی کر لی علاقہ داوڑ سے بھی ۱۲ ہزار روپیہ قلنگ وصول کیا احمد شاہ ابدالی بذات خود بھی دوبار بنوں آیا تھا ایک بار

۱۷۴۹ء میں اور دوسری بار ۱۷۵۳ء میں احمد شاہ ابدالی اس بارے میں بڑے خوش نصیب نکلے بنوں کے سب باسی اسے اچھے نام سے یاد کرتے ہیں وہ بڑے رعایا پرور سمجھے جاتے تھے اسے بابائے افغان کہا جاتا ہے اسے احتراماً ابدالی بابا پکارا جاتا ہے۔ ان کے عہد میں افغانوں کی مردم شماری ہوئی جس کے مطابق بنویان ۱۸ ہزار نفوس پر وزیر ۶۰ ہزار اور مروت ۱۲ ہزار نفوس شمار ہوئے تھے اور اسی نسبت سے بحصہ حبثہ لگان بھی لاگو کیا گیا تھا ابدالی بابا نے بنوں کو ۵ کی بجائے ۲۰ بڑے ملک وجود میں آئے اس کے علاوہ ہر گاؤں میں بھی ملک ہوتا تھا اس طرح قلعہ جات کے حساب سے چھوٹے چھوٹے ملکوں کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ جاتی تھی۔

تیمور شاہ

۱۷۷۱ء میں بنوں سے ہوتا ہوا کالاباغ تک گیا اس کے بعد بھی چند بار وہ بنوں آیا علمائے سادات کے لئے لگان معاف کیا اور دیگر تکالیف بیگار وغیرہ سے انہیں مبرا کیا گیا بعض لوگوں کے پاس اب بھی ایسے تعریفی اور توصیفی سندات ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں اور لوگ ان سندات کو ایک اعزاز سمجھتے ہیں انہوں نے بنوں سے لگان کی وصولی کیلئے پائندہ خان برک زئی کو حاکم بنوں مقرر کردیا اور جسے سرفراز خان کا خطاب بھی دیا ان کا عہد پرامن رہا۔

شاہ زمان

شاہ زمان پسر تیمور شاہ کے عہد میں ان کی طرف سے متعدد سردار بنوں آتے رہے مگر لگان کی وصولی میں بد انتظامی آئی تھی لگان کے بہانے سے جو کچھ ہاتھ لگا وہ سمیٹتے رہے سردار فتح خان برک زئی ۱۲۱۶ھ میں درسمند اور بلند خیل کے راستے سے بنوں آیا تھا درسمند والوں نے ان کی مزاحمت کی اور فوج کے کچھ سپاہ زخمی ہوئے ان زخمیوں کو وہ بنوں لے آئے اور بنوں کے ملکوں

سے ان کا علاج معالجہ کروایا گیا۔ اور بنوں سے ۳۰ ہزار روپیہ قلنگ وصول کیا اور پنجاب چلے گئے۔ بوقت واپسی جو زخمی شفایاب ہوئے تھے ساتھ لئے اور کابل چلا گیا اس کے بعد خان ترکی حاکم بنوں مقرر ہو کر بنوں آیا مگر اس نے بیتا خیل پر ناکردہ گناہ کی پاداش میں یورش کر دی جس پر مسمی خانان مری نے اپنی قوم اور گوند کی حمایت میں درانی لشکر پر حملہ کیا اور اسے شکست فاش دی درانی فوج واپس کابل چلی گئی اس کے بعد عبدالرحیم خان غلجائی بنوں آئے جبکہ ۱۲۴۶ھ میں پر دل خان بارک زئی بطور گورنر بنوں آیا موضع سلیمہ کو فتح کیا کیونکہ وہ باغی ہو گئے تھے سلیمہ کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا اس کا پیٹ چاک کر کے نعش کو شیشم کے درخت سے کئی دن تک لٹکائے رکھی اس طرح قوم مری سے بھی لڑائی ہوئی۔ اور انہیں شکست دیدی پچھلی شکست کا بدلہ چکالیا اس کے بعد میانداد خان حاکم بنوں مقرر ہوا اس نے سینی خان مغل خیل کو بازید خان مری سے قتل کروایا بازید خان کا یہ فعل قابل مزمت تھا مگر میانداد خان بھی بری الزمہ نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس جرم بیگناہی میں سینی خان جو سپین گوند کا سرگروہ تھا قتل کرایا خدا نے اسے بھی دونوں جہان میں رسوا کر دیا کسی بات پر ان سے بادشاہ شاہ زمان ناراض ہوا اور اسے نابینا کر دیا۔

محمود شاہ

۱۲۱۶ھ فتح خان کی ہمراہی میں محمد شاہ درانی بنوں آیا تھا سردار محمد عظیم خان برادر دوست محمد خان والئی کابل و شیر دل خان یکے بعد دیگرے کئی حاکم وصولی کلنگ کے لئے آئے ۱۲۳۶ھ میں یار محمد بارک زئی قلنگ لینے بنوں آئے۔ مگر وہ بہت جلد چلے گئے اس کے بعد کوئی درانی حاکم بنوں نہ آیا۔ کیونکہ افغانستان کی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور کوئی مستقل حاکم بنوں پہ مقرر نہ کیا جا سکا درانیوں نے عوام کے حقوق کو نظر انداز کیا۔ انہوں نے بنوں میں مستقل چھاونی نہیں بنائی اس لئے مستقل فوج بھی نہ رکھی۔ انہیں صرف اور صرف حصول زر سے غرض تھی لوٹ مار غارت گری ان کا شیوہ تھا عظیم خان حاکم بنوں نے ایک بار بنوں میں اپنے سپاہ سے کہا

کہ تنخواہ نہیں ملے گی البتہ لوٹ کھسوٹ سے کام چلایا جائے۔ ۱۲۲۵ھ کا واقعہ ہے۔ دھرمہ خیل میں سپاہ نے ایک شخص کو پکڑ لیا جامہ تلاشی میں اس کے پاس کچھ رقم نہ نکلی اسے کہا گیا کسی دوسرے شخص پر دعویٰ کرے تب جا کر تمہیں رہائی ملے گی اسی اثنا میں گاؤں سے کی طرف سے ایک بزرگ اخوند سفید عمامہ پہنے ہوئے سر لشکر کے پاس پذیرائی کے لئے نکلا تھا کہ قیدی شخص نے اس پر دعوئے کیا کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اس شخص کو تو رہائی مل گئی جبکہ اس اخوند کو تازہ شکار سمجھ کر دھر لیا گیا۔ اسکی تلاشی لی گئی جو کچھ تھا اس سے محروم ہونا پڑا اس کا عمامہ اور جوتیاں چھین لی گئیں اور پابند زنجیر کر دیا گیا تا کہ آخوند سے مزید کچھ وصول ہو سکے اخوند موقع پا کر قید سے بھاگ نکلا مگر برہنہ پا برہنہ سر رعایا پر ہر ظلم اور زیادتی روا رکھی جاتی تھی رد عمل کے طور پر بغاوت ہو جاتی۔ جس کا نتیجہ فصلوں اور نسلوں کی تباہی ہوتا تھا۔ ادھر مروت کا بھی برا حال تھا وھاں دونوں گوند اہی زر عیسک خیل گروپ اور نواز بیگو خیل گروپ دست با گریبان رہتے اہی زر تور گوند کا جبکہ نواز سپین گوند کا سر گروہ تھا۔ نواز بیگو خان نے نواب ڈیرہ کی حمایت سے اہی زر گروپ پر قافیہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ ہر سال نواب ڈیرہ اہی زر گوند کے فصلوں کو تاراج کرتا۔ اہی زر نے درہ تنگ کے قریب نواب ڈیرہ بشمول نواز گوند دونوں کا مقابلہ کیا۔ اہی زر گوند کو شکست ہوئی ان کے ۶۰ آدمی مارے گئے ۴۰ ہزار لگان بزور وصول کیا نواب ڈیرہ نے دیوان مانک رائے کو حصول لگان کے لئے بنوں بھیجا۔ بنویان نے دکس خان کی قیادت میں دیوان مانک رائے کو شکست فاش دیدی بمقام خوجڑی مانک رائے شکست کھانے کے بعد مروت واپس چلا گیا۔ اور بنویان نواب ڈیرہ حافظ احمد خان کی زیادتیوں سے آزاد ہو گے۔ مگر بنویان پھر بھی سنبھل نہ سکے شامت اعمال بنویان پر سکھا شاہی مسلط ہوئی یہ ۱۸۲۳ کا سال تھا۔

شاہ شجاع درانی نے بنوں کو رنجیت سنگھ کے حوالہ کیا کیونکہ درانی بادشاہ بنوں سے لگان وصول نہیں کرتے تھے نواب ڈیرہ حافظ احمد خان نے بنوں میں ایک عظیم مسجد بھی بنوائی تھی جس پر کثیر رقم خرچ ہوئی تھی اس مسجد کا نام حافظ جی مسجد قرار پایا رنجیت سنگھ ۱۸۲۴ء میں لاہور سے

عیسیٰ خیل کے راستے برائے بنوں روانہ ہوا۔ دریا کو عبور کر کے لکی سے ۳ میل دور بمقام درختاں حاجی (حاجی ونے) قیام کیا۔ مروت سے لگان بقایا میں سے کچھ وصول کر سکا کنور شیر سنگھ کو بنوں بھیجا بنویان نے لگان جنس کی صورت میں دی گویا زیورات اور مال مویشی مگر یہ سارے زیورات کھوٹ اور جست کے بنے تھے یا ان پر سونے کی پٹی چڑھائی گئی تھی گھوڑے وغیرہ کی بہت زیادہ قیمت لگائی گئی بنوں والوں میں مشہور ہوا کہ سکھ سپاہ بے وقوف ہیں ۔وہ سونے اور پیتل میں فرق نہیں کر سکتے مال مویشی کی قدر و قیمت سے واقف نہیں سکھا شاہی بھی خوش و مطمئن تھی کہ کم از کم بنوں والوں نے اطاعت تو قبول کر لی لگان سے زیادہ ان کے نزدیک بنوں والوں کی اطاعت قابل التفات تھی ان کا یہ مقصد پورا ہو چکا سیم و زر کوئی وقعت نہیں رکھتے دوسرے سال کنور کڑک سنگھ اور فتح سنگھ کو بنوں بھیجا اس بار بنوں فریب نہ دے سکا اور پچھلی کسر بھی نکال دی کو ٹکہ براڑہ کے نزدیک ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ سکھا شاہی کی زیادتیوں کے خلاف دلاسہ خان آف داوود شاہ باغی ہو اور غازی بنا اور موضع گل حسن آمندی کے قریب خوب معرکہ ہوا جس میں غازیوں کو شکست ہوئی۔ غازی دلاسہ خان علاقہ داوڑ میں چلا گیا۔ اب قلب زیور و سکہ کام نہ آیا تیسری بار ۱۸۳۰ء میں کنور کڑک سنگھ اور فتح سنگھ دونوں بنوں آئے لگان کی وصولی کے دوران مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ناکام ہو کر پشاور چلے گئے۔ چوتھی دفعہ تارہ سنگھ کا ۱۸۳۳ میں بنوں آیا علاقہ مروت کو خوب لوٹا اور پھر آکرہ کے مقام قیام کیا انہیں دلاسہ خان کی بغاوت کا علم ہو تو آکرہ سے کوچ کر کے ممش خیل پہنچا دوسری صبح دلاسہ خان کے گاؤں گلا خیل کا محاصرہ کر لیا۔ پیپل درخت (اب بھی مشہور مقام ہے۔) کے قریب توپیں نصب کیں یہیں سے گاؤں کی فصیل پر گولا باری کی مگر فصیل کو کچھ خاص نقصان نہ پہنچا۔ دن کو جتنی جگہ گرائی جاتی تھی رات کو اس کی مرمت ہو جاتی تھی ادھر توپچی غازیوں کے نشانے کی زد میں آچکے تھے اور توپیں بے کار ہوئیں۔ توپچی مارے گئے۔ پھر سکھ سواروں نے گاؤں پر عام یورش کر دی مگر انہیں پسپا کر دیا گیا۔ سکھ فوج نے ایک بار پھر حملہ کر دیا فصیل کے قریب پہنچنے میں سپاہ کامیاب بھی ہوئے دلاسہ خان اپنے قلعے سے باہر نکلے سکھ سپاہی اور غازیوں میں دست بدست اور دوبدو

مقابلہ ہوا غازیوں نے داد شجاعت دی اور شمشیر زنی کا کمال دکھایا۔ غازی تعداد میں بہت کم تھے مگر بقول اقبال انہیں شہادت مطلوب تھی اس لئے سکھ سپاہی مغلوب اور ناکام ہوئے۔ دلاسہ خان اور غازی کامران و کامیاب ہوئے سکھ سپاہ کا زبردست جانی نقصان ہوا۔ دو سو کے قریب لاشیں چھوڑیں پانچ سو زخمی ہوئے اور میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ یہ معرکہ کشت و خون ۲۰ دن تک جاری رہا آخر کار میدان غازیوں کے ہاتھ رہا۔

سکھ سپاہ پنجاب روانہ ہوئے یہ مہم ناکام ہوئی تارا سنگھ نے باقی ماندہ سپاہ کے ساتھ ایک بار پھر دلاسہ خان کے گاؤں پر شدید حملہ کیا۔ مگر پھر ناکام رہے۔ اپنے قیام گاہ پہنچے تپہ عیسکی منڈان اور تپی سے لوٹ مار کے ذریعہ کچھ نہ کچھ وصول کیا اس مہم میں دلاسہ خان کا ساتھ دیگر بنویان نے بھی دیا تھا دکس خان بھی در پردہ دلاسہ خان کو مدد دیا کرتے تھے۔ اگرچہ دن کو تارا کے ہمراہ رہتے رات کو دلاسہ خان کو صورت حال سے آگاہ کرتے رہتے تھے ان کی ساری ہمدردیاں غازی دلاسہ خان کے ساتھ ہوتی تھیں بنوں والوں میں تارا سنگھ کے ساتھ یہ جھڑپیں اب بھی یادگار ہیں۔ تارا لاہور پہنچا رنجیت سنگھ کو بتایا کہ سارا بنوں باغی ہو چکا ہے۔ رنجیت سنگھ طیش میں آ کر ایک فرمان کے ذریعہ بنوں کے ملکوں کو لاہور میں حاضر ہونے کے لئے کہا اس تنبیہ کے ساتھ کہ اگر کوئی ملک نہ آیا تو باغی تصور کیا جائے گا۔ چنانچہ ذیل کے ملکان لاہور کے لئے روانہ ہوئے اس وفد کا ترجمان ملک دکس خان تھا تپہ عیسکی سے دکس خان دھرمہ خیل سے نیظم خان منڈان سے میر ہوس خان و شیر زمان خان تپہ تپی سے ملک جعفر خان و جنگی خان دلاسہ خان کی طرف سے ان کا وکیل میگھا ہندو وفد میں شامل تھے بمقام امرتسر رام باغ کچہری میں رنجیت سنگھ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ رنجیت سنگھ کے سامنے دکس خان نے مدلل تقریر کی انہیں بتایا گیا فساد کی جڑ حاکم کی طرف سے بے جا سخت گیری ہے۔ ابتداء میں بادشاہ وقت نے بنوں پر ۱۸۰۰ ہزار روپیہ لگان لگایا تھا اس طرح داوڑ پر ۱۲۰۰ ہزار روپیہ قلنگ ہوتا تھا مگر حکام درانی سے داوڑ پر لگان معاف کر دیا اور یہ بوجھ بھی بنوں پر ڈال دیا گیا۔ اس طرح بنوں پر کل ۳۰۰۰۰ ہزار روپیہ لگان مقرر ہوا جب آپ نے بنوں تشریف لا کر کنور کڑک سنگھ اور فتح سنگھ کو وصولی لگان پر معمور کیا تو

ایک لاکھ روپیہ وصول کرنے کا مطالبہ ہوا مگر جو لوگ مفرور ہوتے ان کے حصے کی رقم منہائی جاتی تو بقایا رقم ۳۰۰۰۰ روپیہ سے متجاوز نہ ہوتی۔ اب تارہ سنگھ بنوں سے وہی ایک لاکھ روپیہ وصولی پر بضد ہیں۔ مفروروں کی رقم بھی ان سے وصول کرنا چاہتے ہیں ان سے جو مطیع و فرمابردار ہیں سارا بنوں مطیع ہے صرف دلاسہ خان سر تابی کر رہا ہے۔ مگر ہمارے وفد میں ان کی طرف سے ان کا وکیل شامل ہے۔ اس گفتگو سے رنجیت سنگھ بڑے متاثر ہوئے۔ تارہ سنگھ کو خوب لتاڑا ملامت کی افراد وفد کو خلعت و اکرام سے نوازا اور احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس وعدے کے ساتھ کے آئندہ بنوں میں کوئی فوج کشی نہیں ہوگی۔ البتہ سال بہ سال ان کے وکیل کو جو عیسیٰ خیل میں ہی رکے گا ۳۰۰۰۰ روپیہ دیا کریں وفد رخصت ہوا وکیل عیسیٰ خیل میں انتظار کرنے لگا بنوں والوں نے وفد کو مسترد کر دیا سکھا شاہی وکیل ۱۸۳۶ء کو نامراد واپس لاہور چلا گیا۔ بنوں والوں نے روایتی ہٹ دھرمی سے کام لیا بعد میں اسی سال کنور نونہال سنگھ اور راجہ سوجیت سنگھ دونوں کو خاص ہدایات کے ساتھ بنوں بھیج دیا گیا۔ سوچیت سنگھ کی ظلم اور بربریت کی داستانیں اب بھی یہاں بنوں میں سننے کو ملتی ہیں خوف و ہراس کی وہ علامت سمجھے جاتے تھے۔ خوف بنوں والوں کے لئے اور حرص سوچیت سنگھ کے لئے۔ سکھ سپاہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ گشت لگاتے گھروں میں گھس جاتے اور خاص طور پر نماز عصر کے بعد شام سے پہلے یہ سکھ سپاہ چولہوں پر رکھی ہوئی دیگچیوں سے ڈھکنا ہٹا کر یہ تسلی کرتے تھے کہ کیا کسی نے گوشت تو نہیں پکایا۔ اگر ایسا ہوتا تو گھر والوں کی جان کی خیر نہ ہوتی۔ ایسا بارہا ہوا۔ کہ گھر کے مردوں کے کان ناک وغیرہ کاٹ دیئے جاتے۔ یا نہایت بے دردی کے ساتھ سر قلم کر دیا جاتا بازار احمد خان کے قریب اب بھی ایک مقام ہے جو آج کل زیارت گاہ ہے۔ یہاں دار و گیر کا معرکہ پڑا تھا اس میں سیکڑوں بنویان شہید کر دیئے گئے تھے۔ اور عبرت کے لئے یہیں سروں کا ایک مینار ایستادہ کیا گیا تھا۔ اب ان اجتماعی سروں پر ایک مقبرہ بنوایا گیا ہے۔ جس کو آج بھی لوگ سر مانڑی کہتے ہیں۔ اور مرجع خاص و عام ہے۔ دوسری طرف سکھ سپاہ بھی بنویان کے سرفروشوں سے ہراساں رہتے تھے لاہور سے جو دستے سپاہ کے بنوں کے لئے

روانہ ہوتے ان کا ہر سکھ سپاہ لرزاں وترساں رہتا اور کانپتا تھا جیسے خزاں گزیدہ پتہ ہو موت اس کے انتظار میں ہو۔ مگر ہووال غیر منظم اور آپس کی خانہ جنگی میں الجھے ہوئے تھے جوش کردار کے ساتھ وحدت فکر لازمہ شئے ہے۔ جس کی کمی تھی گویا ہووال تین محاذوں پر لڑ رہے تھے اندرونی خلفشار بیرونی یلغار اور سرحدی مداخلت۔ سوچیت سنگھ کی آمد پر دلاسہ خان پھر باغی ہو گیا۔ سوچیت سنگھ اب ایک نئی حکمت عملی کے ساتھ دلاسہ خان کے کلا پر حملہ آور ہوا وہ فوری نتیجہ کا منتظر نہ تھا۔ بلکہ وہ چاہتا تھا۔ محاصرہ جتنا طول کھینچے گا اتنا ہی بہتر نتیجہ برآمد ہو گا۔ کافی سامان خوردونوش گولا بارود لے کر دلاسہ خان کو قلعہ کے اندر محصور کر لیا محاصرہ نے جب طول کھینچا غازی پریشان ہوئے لہذا ہوں والوں نے دلاسہ خان کو قلعہ کے اندر تنہا چھوڑ دیا اور غازیان ہوں آہستہ آہستہ چپکے چپکے قلعہ سے کھسکنے لگے تھے سکھاشاہی کی بھی یہی منشا تھی چنانچہ دلاسہ خان کو مجبوراً قلعہ سے باہر آنا پڑا۔ رات کی تاریکی میں وہ سکھاشاہی کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اور وہ پہاڑوں کی طرف ایک بار پھر چلا گیا۔

سوچیت سنگھ بہت ظالم تھا اور متعصب بھی تھا۔ پہ منداخیل سورانی میں کسی نے گوسالہ ذبح کیا سوچیت سنگھ نے ساری بستی کے باسیوں کو قتل کر دیا جو باقی بچے تھے عبرت کے لئے ان کے ناک کان کاٹ دیئے۔ اس طرح وزیر احمد زئی نے سکھ سپاہ کے چند سائسان کو قتل کیا سوچیت سنگھ کے حکم پر تھل اور دامن کوہ میں جو بھی نظر آیا اسے قتل کر دیا گیا۔ ستمبر تک سکھ سپاہ نے غارت گری اور قتل کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

موسیٰ خان سلیمہ تیر گوندی کے کہنے پر اسد خان سکنہ بڑا خیل سپین گوندی سے ۱۸۰۰ روپیہ جرمانہ کے طور پر وصول کیا گیا۔ جس کے لئے اسد خان نے یہ رقم اپنا ذاتی غلہ بیچ کر بصد مشکل مہیا کی۔ ۳۸۔۱۸۳۷ کنور سنگھ اور فتح سنگھ نے کوٹکا درب خان میں کیمپ لگا کر لگان وصول کیا۔ مگر فتح سنگھ نے دکس خان تیر گوندی کو ناراض کیا۔ کیونکہ فتح سنگھ سپین گوندیوں کی طرف مائل تھا تیسرے سال پھر ۱۸۴۰ء میں راجہ سوچیت سنگھ لشکر لیکر ہوں آیا اس دوران ایک بار پھر جبروجبروت کا مظاہرہ کیا گیا۔ سوچیت سنگھ ہوں میں ایک حریص لالچی اور ظالم شخص

مشہور تھا اسی سال دکس خان فوت ہوئے کہتے ہیں کسی نے اسے زہر پلوا دی یہ راز کسی کو معلوم نہیں کہ کس نے اور کیوں زہر دیدی گئی۔

آیا یگانوں نے یا بیگانوں دوست نے یا دشمن نے بہر حال ملک دکس خان کی موت پر اسرار حالات میں واقع ہوئی۔

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

راجہ سوچیت سنگھ نے ایک ہزار روپیہ نذرانہ لیکر میر عالم خان پسر ملک دکس خان کی دستار بندی کی آٹھویں دفعہ گنڈا سنگھ اور فتح خان ٹوانہ بنوں آئے ٹوانہ نے ماضی کی روایات کے مطابق ظلم کا بازار گرم رکھا بنوں پر بڑی سخت گیری دکھائی فتح خان ٹوانہ نے نواز خان بیگو خیل کی اعانت سے قلعہ لکی تعمیر کروایا۔ اور اس میں اپنا ایک رشتہ دار صاحب خان ٹوانہ کو قلعہ دار مقرر کیا ۱۸۴۴ء میں جرنیل گوردت سنگھ حصول لگان کے لئے بنوں آیا انہوں نے وہ وحشیانہ پن اور بربریت دکھائی کہ لوگ اپنی زمینوں سے تائب اور دست بردار ہوئے اور اسی میں عافیت سمجھی۔ جن لوگوں نے لگان دے دی وہ زمین کے مالک ہوئے مثلاً موضع طوطا کے ارضیات کے لئے ملک نظیم خان نے لگان ادا کیا اور حق ملکیت اسے منتقل کر دی گئی۔ اور موضع پتل بیتا خیل کی ارضیات ملک لال باز کو منتقل کی گئیں ملک بازید خان سورانی نے قوم چاوزئی کی اکثر ارضیات کا لگان دے کر قبضہ کر لیا قبضہ مخلفانہ کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ خالصہ دربار نے جنرل ایڈورڈز انگریز کو سکھ فوج اور بنوں کا نگران مقرر کیا تا کہ واجب الادا لگان بنوں والوں سے بطریقہ احسن وصول ہو یہ لگان ۷ سالوں پر محیط تھا کیونکہ سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد کونسل ری جینسی (خالصہ دربار) نے محسوس کیا کہ ایڈورڈز کو نگران مقرر کر کے زور کی بجائے حکمت عملی کے ذریعے بنوں سے لگان وصول کیا جائے

ایڈورڈز۔ غازی دلاسہ خان اور سکھ

ایڈورڈز بتاتے ہیں ۹ دسمبر ۱۸۴۷ء دوسری صبح ہم جھنڈو خیل پہنچے۔ جو دریائے کرم کے بائیں

کنارے پر ہے اسی شام بازید خان زبردست خان خلعت خان اور اول الذکر آئے۔ تینوں ملکان علاقہ سورانی کے تھے چہرے سے صاف معلوم ہوتا تھا وہ بادل ناخواستہ اظہار اطاعت کے لئے آئے ہیں ان سے پہلے بنوں کے دیگر ملکان میرے پاس جھنڈو خیل میں آچکے تھے سب مطیع و فرمابردار ہو کر صرف ملک دلاسہ خان ابھی مطیع نہیں ہوا یہ واحد ملک تھا جو توجہ خاص کا مستحق تھا وہ داود شاہ پہ کا 1/4 حصہ کا مالک تھا مگر ان کی جراءت کردار کی پختگی اور قہرمانا مزاج کی وجہ سے سب ملکوں سے ممتاز تھا وہ اپنے ہم سروں اور ہم عصروں پر حاوی تھا جو سکھ سپاہ کا خوف ناک دشمن تھا سکھوں کے لئے خوف کی علامت اور موت کا پیغام تھا ایک دفعہ تارا سنگھ نے ۸ ہزار سکھ سپاہ معہ ۱۲ توپیں لیکر دلاسہ خان کا مقابلہ کیا تھا مگر وہ دلاسہ خان کے قلعہ /گاؤں کو تسخیر نہ کر سکا تھا دلاسہ خان نے ۲۰۰ سکھ سپاہ کو قتل کیا اور ۵۰۰ کو زخمی کر دیا ایک دوسرے موقع پر جب راجہ سوچیت سنگھ نے ان کے قلعہ پر حملہ کر دیا سوچیت سنگھ خود بھی ایک بہادر سکھ سردار تھا ان کے پاس ۱۰ ہزار عظیم۔ منظم فوج تھی گویہ بارود۔ توپ و تفنگ سے لیس فوج تھا (دلاسہ خان کے پاس غیر منظم غیر تربیت یافتہ اور قلیل تعداد میں چند غازی تھے) مگر دلاسہ خان اپنے خام قلعہ میں محصور ہوئے ۲ دن تک خوب مقابلہ کیا ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا تیسرے دن رات کی تاریکی میں چند ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا سکھ سپاہ کی صفوں کو چیرتا ہوا صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہوا المختصر دلاسہ خان عمر بھر سکھ حملہ آوروں کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ اور ان کے ہوتے ہوئے کبھی بھی سکھ سپاہ خوف کے بغیر بنوں میں داخل نہ ہوئے اور ان کے ساتھ ہر بار یادگار مقابلہ ہوتا۔

سکھ دلاسہ خان سے ڈرتے تھے اور نفرت کرتے تھے ایڈورڈز مزید بتاتے ہیں میں پہلی بار جب اپنی پہلی مہم پر بنوں آیا (مارچ ۱۸۴۷ء) تو میری حیرت کی انتہا تھی اور سکھوں کو تعجب۔ کہ کیسے دلاسہ خان ایک غیر مسلم اجنبی انگریز کے زبانی قول پر اعتماد کر کے وہ اندر آیا ہے۔ (ایڈورڈز نے ان سے ملاقات کرنے کی خواہش کی تھی) دلاسہ خان بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا باوجود بہت

سے سکھ سرداروں کی موجودگی وہ (صاحب) پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور میں آیا ہوں دلاسہ خان کی اس وقت عمر ۷۰ سال کی ہو گی سفید بال بوڑھا دشمن لیکن باوقار شخصیت کا مالک چمکدار آنکھیں گھنی بھویں اب بھی جوانی کا جذبہ ہم ہمہ ولولہ تپش اور حرارت باقی تھی وہ تفکرانہ انداز سے اندر آیا ۵۰ یا ۶۰ سواروں کے ساتھ میں خوش ہوا کہ وہ سکھ سرداروں اور سپاہ کی توجہ کا مرکز بنا تھا یہ لوگ پردے کی اوٹ سے جھانک جھانک کر دلاسہ خان کو یوں دیکھتے رہے جیسے شیر پنجرے سے باہر آیا ہو اب تک ان کے بارے میں دشمنوں کی زبانی جو کچھ سنا تھا وہ میرے لئے اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر جب بالمشافہ ملاقات ہو گئی تو مجھ پر ان کی اصل اہمیت واضح ہو گئی سکھ سردار بھی ان کی جرات مندی کے قائل تھے انہوں نے کہا کہ دلاسہ خان ایک عظیم انسان ہیں دیگر ملکوں کے پاس طاقت ہے مگر ان کے پاس عزت بھی ہے۔ دلاسہ خان کو میں نے اپنے پاس بطور مہمان رکھا۔ پورا ایک مہینہ گزرا ایک دن ہماری فوج آگے کوچ کر کے جب دلاسہ خان کا قلعہ قریب آیا شمشیر سنگھ جو میرا اہم رقاب تھا اسے آرزو پیدا ہوئی کہ وہ دلاسہ خان کا قلعہ دیکھنا چاہتا ہے۔ جو سکھ سپاہ کی قتل گاہ مشہور تھا۔ شمشیر سنگھ کے ساتھ ان کا محافظ دستہ بھی گاؤں کے گردونواح کی سیر کرنے کے بعد گاؤں کے اندر داخل ہوئے وہ گھوڑوں سے نہیں اترے بدتمیزی کا مظاہرہ کر کے ہتک آمیز رویہ کے ساتھ دلاسہ خان کو دکھ اور رنج پہنچا۔ اس نے اپنی توہین سمجھا اگر اس وقت اس بوڑھے دلاسہ خان کے پاس کوئی اسلحہ ہوتا تو معاملہ آگے بڑھ سکتا تھا۔ دلاسہ خان دلبرداشتہ ہو کر ہمیں چھوڑ کر ایک بار پھر علاقہ داوڑ چلا گیا۔ (گویا شیر اپنے کچھار میں آیا) دلاسہ خان مفرور ہو گیا اور میں اسے واپس نہ بلا سکا۔ دلاسہ خان کو شبہ تھا کہ سکھ سردار نے ان کے گاؤں کی جو توہین کی ہے۔ اس میں میرا بھی عندیہ شامل تھا۔ گویا دونوں کا ان سے انتقام لینا مقصود تھا۔ دلاسہ خان کو کافی دکھ پہنچا تھا شاید اب وہ کبھی بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔ میں نے ان کا اعتماد کھو دیا دلاسہ خان نے مجھے سخت الفاظ میں ایک خط لکھا شکوے شکایت سخت و سست الفاظ سے بھرا خط۔ اگر دلاسہ خان میرے ہاتھ لگے تو زندہ نہ چھوڑوں میں اتنا زچ ہوا کہ اگر سامنے ہو تو نگل جاؤں۔

اب جب کہ کئی ماہ بعد میں بنوں میں ایک بار پھر واپس آیا ہوں اس بوڑھے سردار (دلاسہ خان) سے یک گونا ہمدردی تھی ان کی حب الوطنی کے باعث یہ گوارا نہ تھا کہ ایسے بوڑھے عمر رسیدہ بہادر کو مزید بنوں بدر دیکھوں اور مجبور پاؤں جب کہ اس کی زندگی کے چند سال باقی ہیں۔
میں نے انہیں چار دسمبر ۱۸۴۷ء کو خط لکھا اور بتایا اگر وہ خوف جاں کی وجہ سے بنوں نہیں آنا چاہتے تو میں ان کی زندگی کی ضمانت دیتا ہوں میں ماضی کی تلخیاں نافرمانیاں سب درگزر کردوں گا انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اگر وہ پھر بھی نہیں مانتے تو۔۔۔۔۔۔۔
اس خط کو پاکر دلاسہ خان آنے پر رضامند ہوا اور خود کو قسمت کے حوالے کرنا چاہا مگر اس عظیم انسان کے بہت سارے دشمن آڑے آئے ان مین حسد تھی انہیں دلاسہ خان کی عزت افزائی اور پذیرائی پسند نہ تھی دلاسہ خان ان کے مشورے اور فریب میں وہ نہ آئے۔بعد میں وہ بہتیری کوشش کرتے رہے کہ بنوں پر عام لشکر کشی کریں مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔
دلاسہ خان کو میرے بعد میجر ٹیلر کے عہد میں بنوں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ دلاسہ خان صاحب فراش ہو چکے تھے بیمار اور کمزور تھے۔بنوں کے جملہ قلعہ جات مسمار ہو چکے تھے صرف ایک شاہی قلعہ ایستادہ تھا۔جب کہ سارا بنوں تسخیر اور مطیع ہو چکا تھا بنوں کا یہ نظارہ یقیناً دلاسہ خان کے لئے روح فرسا ہو گا۔

مزید ایڈورڈز اظہار خیال کرتے ہیں

ایڈورڈز بیان بنوں پیش کرتے ہیں۔
یہاں کے کاشتکار جاہل کاہل وحشی غیر مہذب اور گنوار ہیں بنوں ایک خوبصورت وادی ہے غلہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے زمین بڑی زرخیز ہے بہتات آب کی سرزمین ہے (۱) فصل ربیع میں جو گندم (۲) خریف میں باجرہ جوار مکئی چاول نیشکر دال ھلدی تمباکو کپاس (۳) بہار سبزیوں کا موسم ہے (۴) موسم سرما میں قسما قسم کی فصلیں نہروں کے کنارے شیشم شہتوت کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انگور بکثرت ہوتے ہیں سید اور مذہبی لوگ ان کے سایہ

میں استراحت کرتے ہیں سکون محسوس کرتے ہیں بہار کے اختتام پر گلاب کے پھول مشام ناز کے لئے بھینی بھینی خوشبو مہیا کرتے ہیں۔ جس سے ذہن معطر ہو جاتا ہے شہتوت بھی خوشبو دار اور مہک آور سایہ فراہم کرتے ہیں یہاں دوپہر کی نیندیں عجیب سرور دیتی ہیں تازہ ہوا کھلی فضا۔ بالائی وادی میں گلاب کثرت سے پائے جاتے ہیں کھجور خودرو میوہ دار درخت ہے۔ سیب ناشپاتی انگور جیسے کابل کے میوے یہاں بنوں میں خود روا گتے ہیں لیموں شہتوت خربوزے اگر باقاعدگی سے اگائے جائیں تو مزید لذت میں اضافہ ہو جائے۔ الغرض اس سرزمین بنوں پر قدرت بڑی مہربان ہے۔ یہ وادی جنت ارضی ہے۔ مگر لوگ بدروح گویا شیطان سیرت ہیں حیرت کی بات ہے کہ شیطان نے کیسے جنت میں داخلہ پایا ہوگا جو خود کو بنووال کہتے ہیں افغانوں کی بدتر نسل ہے بلکہ نسل انسانی کی بدترین مخلوق ہے۔ ان میں دیگر پٹھانوں کی طرح سب برائیاں موجود ہیں جبکہ خوبیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زوال اور عروج کا معیار صرف زور ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی بات ہے۔ حکومت کابل کے ایک کونے میں مرکز سے دوری ہونے کے باعث اور زمین کی زرخیزی نے انھیں خودسر اور بدکردار بنا دیا ہے اس طرح انھیں ایک طرف قانون کی حکمرانی سے بچاو کے لئے پناہ گاہ اور دوسری طرف بے منت و مشقت آسانی سے رزق مل جاتا ہے۔ مزید آپس کی شادیاں غلاموں کی خرید و فروخت یہ سب مل کر بنوں والوں کو اخلاق باختہ کر دیتا ہے۔

جواب آں غزل

ایڈورڈز نے بنوں کو جنت نظیر اور بنویان کو یا اس کے باسیوں کو شیطان صفت یا مجسم شیطان کہا ہے۔ دشمن کے یہ کلمات مخالفانہ بنویان کے لئے کلمہ تحسین کے مترادف ہیں دشمن کبھی بھی اپنے حریف کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا کرتا دشمن ہمیشہ نقطہ چین اور بدبین ہوا کرتا ہے۔ ایڈورڈز کو ایک خاص مقصد کے لیئے بنوں بھجا گیا تھا وہ تسخیر بنوں تھا گویا بنوں کے باسیوں کو غلام

بنانا مقصود تھا بنویان نے حالات سے سمجھوتا نہ کیا۔ ان کے لئے دو راستے تھے کوئے یار یا تختہ دار کوئے یار پر اغیار قبضہ کرنا چاہتا تھا تو اس کا راستہ روکنا ضروری تھا۔ اسی راہ حق میں جان کی بازی لگانا پڑی۔ ایڈورڈز پر بنویان نے کم از کم آٹھ بار خودکش قاتلانہ حملے کئے وہ ہر بار بال بال بچے۔

ایڈورڈز خود متعصب کیتھولک عیسائی تھا اور بنوں علماء کے زیر اثر تھا بنویان نے اپنی جدوجہد کو جہاد مانا اور مرنا شہادت تصور کیا۔ ایڈورڈز نے ہزاروں جتن کئے مگر وہ بنویان کو دام میں نہ پھانس سکا۔ نہ زور و زر سے رام بنا سکا۔ اپنے رد عمل کے طور پر انہوں نے بنویان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے۔ وہ ان کے لاشعور میں بنویان کے بارے میں فطری منافرت کی عکاسی ہے۔

ایڈورڈز خود تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں (یہ حالات تھے کہ مجھے مارچ ۱۸۴۷ میں اس مہم پر بنوں روانہ کر دیا گیا کہ ان بنوچیوں/بنوں والوں کو خالصہ شاہی کی غلامی میں لے آؤں) انصاف کی بات ہے غلامی سے کون آسانی کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتا ہے۔

قابل توجہ بات

بنوں میں قابل توجہ بات وزیر قبائل کی طرف سے مداخلت ہے ماضی میں وزیری قوم موسم سرما میں اپنے ریوڑوں کے ساتھ برفانی پہاڑوں سے میدانی علاقہ تھل میں اتر جاتے تھے۔ تھل بنوں کے مشرق میں ہے یہ ایک کھلا وسیع علاقہ ہے بہت کشادہ اس کشادہ اور وسیع علاقہ پر کبھی بھی بنویان کا قبضہ نہیں رہا۔ یہ ایک غیر آباد علاقہ تھا۔ پتھریلی، ریتیلی اور بنجر جو بنوں کے گرد و پیش تین اطراف پر مشتمل یہ علاقہ پہاڑوں اور بنوں کے بیچ۔ میں واقع ہے۔ اس پر وزیروں کا مکمل قبضہ اور تصرف ہے۔ تھل کی زمین بنوں خاص کے ساتھ متصل ہے جس میں کچھ بنوں خاص کا بھی شامل ہے مگر بنوں وال اس علاقہ کو بھی آباد نہ کر سکے۔ اس طرح یہ علاقہ بھی غیروں کے قبضہ میں آگیا۔

وزیر دو لحاظ سے برتر اور بے مثال ہیں (ا) کثرت تعداد اور باہمی اتفاق یہی وجہ ہے کہ وزیر ہر دور اور ہر حکومت میں آزاد رہے ہیں کابل کی حکومت کو بھی کبھی کوئی ٹیکس نہیں دیا لیکن کوئی ان

سے زمین کے بارے میں پوچھ لے تو جواب ملے گا دور بہت دور نظر آنے والا اس افق سے بھی
دور افق کے پار گویا کوہ سفید تک کا علاقہ ان کا ہے یہی کوہ سفید ان کا مسکن بھی ہے اور امن
گاہ/پناہ گاہ بھی ہے بلکہ بالا حصار بھی جو ٹانک کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے کوہ سفید جلال
آباد (افغانستان) سے تقریباً ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

وزیری طبقے

وزیر دو طبقوں میں تقسیم ہیں اتمان زئی۔ احمد زئی

اتمان زئی

۱۷۵۰ء اتمان زئی کوہ سفید سے اتر کر کچھ جنوب کی طرف میدانی علاقے میں پھیل گئے سلسلہ
کوہ سلیمان کے ساتھ ساتھ ٹانک کے میدانی حصہ میں پھیل گئے اور کافی گرم کو اپنا مرکز بنایا
۔(اب یہ ارمڑ کا مسکن ہے)۔ یہ علاقہ مروت کے متوازی پڑا ہے۔

احمد زئی ۱۷۷۵

احمد زئی کو کوہستان نمک نے اتمان زئی سے الگ کر دیا ہے احمد زئی قبیلہ مشرقی میدان میں پھیل
گیا علاقہ قبیلہ خٹک تک اور چراگاہوں پر گزر اوقات کرتے تھے لہذا عسرت اور تنگ دستی کے
ساتھ گزر اوقات کا ذریعہ ریوڑ اور پھر لوٹ مار۔ غارت گری۔ ان کا شیوہ تھا ان کے علاوہ کوئی اور
قبیلہ ہوتا تو شاید بھوکوں مر جاتا مگر یہ لوگ باہمت ہیں گویا زندہ رہنے کے لئے ناکامی کو بھی کام
میں لانا جانتے ہیں اگر وادی خوست میں بنگش۔ داوڑ اور ہویان ان وزیری قبیلہ کے ریوڑوں کے
لئے اپنی چراگاہیں وقف نہ چھوڑتے تو شاید وزیری قبیلے کو ان کے دیگر میدانی علاقے پر قبضہ
کرنے کا بہانہ مل جاتا اور پھر شاید انہیں اس مقصد کے حصول میں دشواری بھی پیش نہ آتی۔
وزیری قبائل کا یہ خاصا ہے کہ وہ تمام دنیا کے دشمن ہیں ان میں بے اتفاقی بالکل نہیں پائی جاتی

افغانوں میں یہ واحد قبیلہ ہے کہ ان کی تمام تر توانائیاں کمزور منتشر اور نفاق کے شکار قوموں کے خلاف استعمال ہوتی ہیں یہ کہاوت مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ ہر ایک کے گریبان میں پیوست ہوتے ہیں جبکہ ہر شخص کا ہاتھ ان کے گریبانوں میں گویا وزیر قبائل تمام دنیا سے بر سر پیکار ہوتے ہیں اور رہتے ہیں۔

ماضی میں خراسان اور ہندوستان کے ساتھ جو تجارت ہوتی تھی تجارتی قافلے ان گزر گاہوں پر سے گزرتے تھے جن پر وزیری قوم کا غلبہ اور قبضہ تھا اور ہے خاص طور اتمان زئی وزیر ان کاروانوں پر یلغار کرتے تھے یہی لوٹ مار ان کا ذریعہ زیست ہوتا تھا۔ البتہ لوہانی قبیلے کے تاجر جنہیں کوچی کہتے ہیں غول کی صورت میں گزرتے تھے مگر انہیں بھی صحیح سلامت گزرنے نہ دیتے تھے خاص طور پر کاروان کے آخری حصے پر جی بھر کر ضرب لگاتے تھے وزیر کے یہ قبیلے لوٹ مار میں بڑے ظالم ہوتے تھے بچوں تک زندہ نہ چھوڑتے تھے البتہ خواتین کا لحاظ رکھتے تھے ۔الفنسٹن کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وحشی قبیلہ کیمنگی پر نہیں اتر تا بلحہ کسی حد تک شریف ہیں۔۔ اتمان زئی ان تاجروں سے سالانہ باج یا بد رقہ لیتے تھے احمد زئی وزیر شعبانی زندگی سے زراعت کی طرف جلدی مائل ہوئے کیونکہ انکی تعداد بڑھ گئی تو تھل کی چراگاہیں ان کی کفالت نہیں کر سکتی تھیں چنانچہ انہوں نے ان چراگاہوں کو زرعی اراضی میں تبدیل کرنا شروع کر دیا ضرورت کے پیش نظر احمد زئی قبیلے نے بنوں خاص کا رخ کیا یہ غالباً ۱۸۱۸ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہو گا بنویان کے لئے زرعی اراضی ضرورت سے زیادہ تھی ان کا بیشتر علاقہ غیر مزروعہ غیر آباد پڑا تھا۔ اس لئے تھل کا خشک علاقہ بنویان کے لئے باعث کشش نہ تھا مگر وزیروں کے لئے جنت ارضی تھا وہ اس علاقے میں خاص کر موسم سرما میں خیمے گاڑ لیے تھے ریوڑ پالتے تھے موسم سرما میں آرام و آسائش اور عیش یہاں ملتا تھا موسم بہار میں پھر یہاں سے کوچ کرتے تھے اور اپنے سابقہ مسکن میں واپس چلے جاتے تھے یہ احمد زئی قبیلہ کا معمول تھا بنوں والوں کے ساتھ گاہے گاہے جھڑپیں بھی ہوتی تھیں دونوں غیر مہذب قبائل ہیں مگر وحشیانہ پن میں وزیر قبیلہ آگے تھا جب سکھا شاہی بنوں پر مسلط ہوئی تو یہ دور اور اوقات بنوں والوں کے

لئے تلخ تھے یہ انکے لئے بدترین لحات تھے ایک طرف سکھ آزادی لینے کے درپے دوسری طرف وزیر زرعی اراضی پر قبضہ کرنے کے لئے مستعد تھے اب بنوں والوں نے ہوش کے ناخن لئے بنویان کی رگ حس پھڑک اٹھی دونوں گو ندیکجا ہوئے وزیروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بنوں والوں کو قلت تعداد کا بھی احساس تھا۔ وزیروں نے دیکھا کہ بنویان مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں تو دونوں قبیلے میں سمجھوتہ کرنے کی ٹھہری اور سمجھوتہ ہو گیا۔ ۱۸۲۶ء کے بعد حالات پر سکون رہے اگر سمجھوتہ نہ ہوتا تو شاید بنوں والوں پر قافیہ حیات تنگ کر دیا جاتا مروت اور داوڑ کی طرف سے دست گیری کرنا مشکل امر تھا۔ وزیر ایک آواز پر کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر ۴۰ ہزار اسلحہ بند نوجوان جمع کر سکتے تھے۔ جبکہ بنویان کی تعداد بمشکل ۲۰ ہزار تک ہو سکتی تھی مگران کی خوش قسمتی تھی کہ بنوں والوں کو ایک پیدائشی اور نڈر جرنیل ملک دکس خان کی صورت میں ملا تھا وہ بنوں کا خالد ثانی تھا جس طرف رخ کرتا دشمن کے صفوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا تھا۔

بنویان کی دفاعی قوت کا انحصار ان کے بلند وبالا قلعہ جات تھے جن میں وہ محفوظ تھے البتہ سرحد کی زمینیں وزیروں کے رحم وکرم پر تھیں جنہیں زروزور کے ذریعے جائز اور ناجائز طریقے سے وزیروں نے قبضہ کئے اب بنوں میں بنویان کے مقابلے میں وزیر زیادہ حصے کے مالک ہیں۔ وزیری وزیر ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں محب وطن ہیں متحد اور متفق ہیں۔ اپنی عادات واطوار میں سادہ نہیں بااخلاق ہیں بنویان کی طرح طاؤس ورباب کے شیدائی نہیں ہیں اجنبیوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں مہمان نواز ہیں معاملات میں مخلص ہیں کفایت شعار ہیں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ماضی میں سکھوں کے خلاف ملک فتح خان کو ملک سوان خان وزیر نے پناہ دی تھی ملک فتح خان کا ساتھ چھوڑنے کے لئے ۳ ہزار روپیہ کی رقم کی پیش کش کی گئی مگر وہ زروزور کا دباؤ برداشت کر کے انکاری ہوئے وزیر اپنے صاف ستھرا خون جیسے کوہ سفید کا صاف ستھرا جیسا برف برقرار رکھنا چاہتے ہیں البتہ جب سکھوں نے جو کافر تھے بنویان جوان کے مسلمان بھائی تھے کو زیر کرنا شروع کیا تھا اس سارے دور میں وزیر بے تعلق تھے اور جب

ہویان زیر ہونے لگے تو نفرت آمیز نگاہوں سے وزیر تماشہ دیکھتے رہے۔

ایک خط کا متن

ایڈورڈز کو مقامی زبان میں ایک خط ملا جسے ایک مسلمان نے انگریزی میں ترجمہ کیا جس کا متن یہ ہے۔

ایک دفعہ رنجیت سنگھ (حکمران پنجاب) ہوں آیا مالیہ/ لگان کی وصولی کے لئے بہت کم مقدار میں یہاں کے باسیوں نے محمود غزنوی کے چند سکے دیئے اور صرف ۲۰ گھوڑے بھی اور بس۔ دو سال بعد سردار کھڑک سنگھ ہوں آیا ۲۰ ہزار جوانوں/ سپاہ کے ساتھ۔ ہویان نے ان پر حملہ کر دیا جسے پسپا کر دیا گیا مگر سردار کو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور بغیر وصولی لگان واپس چلا گیا۔ پانچ یا چھ سال بعد کھڑک سنگھ دوبارہ آیا جم غفیر کے ساتھ اس نے ۶۰ ہزار روپیہ اکٹھا کیا مگر کوئی گھوڑا نہیں جو کچھ وصول کیا تھا وہ فوج پر خرچ ہوا اور ایک پیسہ بھی خزانہ میں جمع نہ کر سکا الٹا شاہی فوج کے گھوڑوں خچروں اور اونٹوں کو ہویان نے بزور چھین لیا۔ دو سال بعد تارا سنگھ ۸ ہزار سپاہ کے ساتھ ہوں آیا ان کے پاس ۱۲ توپیں تھیں زبردست کشت و خون کے بعد ۴۰ ہزار روپیہ جمع کیا مگر نقصان بہت ہوا تھا مالی اور جانی دونوں جس میں سردار جائے سنگھ عطاروالا دو سو جوانوں/ سپاہیوں کے ساتھ ہلاک ہوا اور ۵ سو زخمی اس کے علاوہ تھے اس طرح دیوان تارا سنگھ بھی بھاگنے پر مجبور ہوا اور شکست کھائی انتقاماً دو سال بعد نونہال سنگھ پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ آیا فوج ساز و سامان سے خوب لیس تھی جس میں سوار اور پیادہ دونوں سپاہ شامل تھے ان فوجیوں کا گزر ایک گاؤں سے ہوا جہاں مہاراجہ کے چند سپاہ قتل کیے گئے۔ گاؤں والوں کا قتل عام ہوا اور سارا گاؤں خاکستر کر دیا گیا گاؤں کا صفایا ہوا یہ مشق ستم ہر دوسرے تیسرے سال دہرا تا رہا اور معمولی سا لگان بمشکل وصول ہو جاتا اور اس طرح سکھ سپاہ انتقام کی آگ ٹھنڈی کرتے رہے تھے مگر خوف و ہراس کے ساتھ سکھ سپاہ جب وادی ہوں میں قدم رکھتی تھی تو خزان گزیدہ پتے کی طرح کانپتے رہتے

تھے جیسے موت ان کے اعصاب پر سوار ہو۔ سکھ سردار بڑے متعصب ہوتے تھے وہ مذہبی جنون رکھتے تھے جب کہیں ان کے کانوں میں آذان کی آواز گونجتی تو فوراً۔ اس بستی کی طرف متوجہ ہوتے بستی میں داخل ہوتے ہی خون کی ہولی کھیلتے تھے ذبیحہ کی ممانعت تھی گوشت کھانا مسلمانوں پر منع کر دیا گیا تھا ان حالات کے ہوتے ہوئے مرد مجاہد غازی دلاسہ خان سکھا شاہی کے خلاف تن تنہا میدان میں نکلا۔ بعض سر فروشان اسلام نے بھی ساتھ دیا اور ایک طویل جہاد جاری رکھا۔ حتیٰ کہ موت نے داغ عیوب برہنگی کو چھپالیا اور موت بغلگیر ہوئی مگر سکھاشاہی کے سامنے سر کو نہ جھکایا ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا ان کے خلاف بعض علماسو کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ ہر گام اور ہر گاہ جاسوس ان کی خبر گیری پر مامور ہوئے علاقہ داوڑ میں دو سید زادے برادران سید زوار شاہ اور غریب شاہ ساکنان کانی گرم کو غازی دلاسہ خان سے توڑنے کی کوشش کی گئی سرکار دولت مدار کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ان سید زادوں کے نام ملک شیر مست خان اور ملک جعفر خان سے منسوب جعلی خطوط بھجوائے گئے۔ حرب حرص زراور زور غازی دلاسہ خان کے خلاف استعمال کیا گیا مگر یہ مجاہد عمر بھر سکھاشاہی اور انگریز افسر کے خلاف لڑتے رہے آخر موت آئی اور قید حیات سے نجات ملی۔

ناکامی جاوید بصد شوق گوارا
گردن در باطل پہ جھکائی نہیں جاتی

اقبال

وزیر جرگہ سے ایڈورڈز کا خطاب

تاریخ بنوں ادھورہ رہے گا اگر ایڈورڈز نگران بنوں کا وہ فرمان منظر عام پر نہ لاوں جس کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ جو بنوں کے ماضی حال اور مستقبل کا آئینہ دار ہے اور ذمہ دار بھی خود ایڈورڈز کے الفاظ ہیں۔

دسمبر ۱۸۴۷ء کو سوان خان وزیر اس امر پر راضی ہوئے تھے کہ وزیروں پر مالیہ لاگو ہونے کے سلسلے میں وہ اپنے صلاح کاروں سے رجوع کریں چنانچہ آج وزیروں کا وہ جرگہ ۱۷ دسمبر کو مجھ سے ملنے آیا اس کے بارے میں ان کے مابین کافی اختلافات پیدا ہو چکے تھے یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوا وہ کیمپ سے باہر دائرہ نما شکل میں فروکش ہوئے اور میرا انتظار کرنے لگے۔۔۔۔۔۔ جو معاملہ زیر بحث تھا وہ وجہ نزاع و جنگ اور وجہ امن و سلامتی کی ضامن ہو سکتا تھا چنانچہ میں ان کے عین وسط میں فرش نشین ہوا میں نے فارسی میں لکھی ہوئی تحریر انہیں سنادی اس تحریر کو حاضرین نے بغور سنا ہر پیراگراف کے اختتام پر اپنے ترجمان کی طرف تکتے ذیل کے قبائل شریک محفل تھے۔

ہاتھی خیل۔ بزن خیل عمر زئی۔ سر کی خیل۔ ممند خیل۔ سدراون خیل۔ بکا خیل۔ جانی خیل۔۔

تحریر کا متن

میں نے معلوم کیا ہے کہ 25/30 سالوں کے دوران جب سے خراسانی حکومت سے بنوں علیحدہ ہوا ہے وزیری قوم نے اپنی اتحاد اور بنوں والوں کی باہمی ناچاقی کی وجہ سے بنویان کے علاقے پر دست اندازی شروع کر رکھی ہے۔ اور آہستہ آہستہ تم وزیروں نے بتدریج ان سے اراضی ہتھیالی ہے اس طرح تھل علاقے کے علاوہ بنوں کی زرخیز وادی کا بھی وسیع علاقہ اپنے قبضہ اور تصرف میں کر رکھا ہے تم اس لئے ایسا کرنے میں کامیاب ہوئے کہ یہاں بنوں میں کوئی

مستقل حاکم نہ تھااور بنوں میں کوئی قانون نافذ نہ تھا۔ بنویان خود کسی قاعدے قانون کے روادار نہ تھے نہ کسی کا حق ملکیت اراضی تسلیم کیا جاتا تھا جس کا زور چلتا زمین کا مالک بنتا یہی وجہ تھی بنوں والے خود غاصب تھے (اپنے بھائی کے حق میں) اس لئے کسی دوسری غاصب (وزیر) سے باز پرس نہیں کر سکتے تھے۔ بنوں والوں کی اس کمزوری اور لاقانونیت سے تم نے بھرپور فائدہ اٹھایا اب وہ دور گزر چکا ہے لاہور سرکار نے بنوں کو اپنے قلمرو میں شامل کرنے کا فیصلہ صادر کیا ہے۔ مستقبل میں یہاں ایک شاہی قلعہ تعمیر ہو گا جس میں فوج رکھی جاوئیگی۔ یہاں مستقل حاکم رہے گا قانون کی حکمرانی ہو گی جیسے پنجاب میں ہو چکا ہے مقصد یہ ہے کہ مالیہ کی وصولی یقینی بنائی جائے ہر چیز کا جائزہ لیا گیا ہے جس کے پاس جتنی زمین ہے خواہ وہ بنوی۔ خواہ وزیر یا دیگر شخص ہو سب مالیہ دیں گے اس میں گویا بنوں۔ وزیر۔ خٹک کی تخصیص نہیں ہے زمین رکھنے والا ہر فرد بنوی تصور ہو گا۔

ملک سوان خان مجھے کہتا ہے کہ جب انہوں نے ماضی میں کسی حکمران یا بادشاہ کو لگان نہیں دی اب کیسے اور کیوں دے یہ دلیل اسوقت درست تھی جب تم اپنے علاقے میں تھے جواب بھی آزاد ہے جہاں دلیپ سنگھ تمہارے پہاڑ سے تعرض نہیں رکھتا مگر جب تم پہاڑ سے نیچے اتر آئے ہو بنوں کی سرزمین پر قدم رکھتے ہو اسی عملداری میں آتے ہو جو قانون یہاں نافذ العمل ہے اس کی پاسداری تم پر لازم آتی ہے۔

اگر آپ کو قانون کی عملداری قبول نہیں اور لگان سے انحراف منظور ہے تو آپ کو مکمل آزادی ہے کہ اپنی مقبوضہ کھیتوں کو بنوں والوں کے لئے چھوڑ دو جن سے تم نے بزور لیا ہے اور اپنے خوشحال پہاڑوں میں ایک بار پھر جا بسو جہاں نہ لگان ہو گا اور نہ کھانے کے لئے غلہ۔ ایک بات اور گوش گزار کروں یا تو بنوں والوں کی طرح لگان ادا کرو اور اگر نہیں ادا کرتے تو پھر تمہیں بنوں سے باہر نکال دوں گا۔ میرے پاس طاقت ہے فوج ہے گویا میں تمہارے قبائل کو نیست و نابود کر دوں گا میرا یہ خیال نہیں کہ تم اتنے بیوقوف ہو کہ ایک ہی دن میں ایک ہی جست میں سب کچھ کھو دو جسے تم نے سالہا سال میں آہستہ آہستہ قبضہ کر لی ہیں صرف اور صرف برائے نام لگان کی

خاطر ان زمینوں سے دست بردار ہو جاؤ گے اس لئے میں ذیل کی تجاویز پیش کر رہا ہوں (۱) حال ہی میں جو زمینیں تم نے کسی ہبہ سے خرید لی ہیں یا جن زمینوں پر بزور یا برضا ۵ سالوں سے مسلسل قبضہ رہا ہے یہ متعلقہ شخص کی زمین تصور ہوگی یا وہ زمین جن پر کسی کا قبضہ ہے اور غیر متنازعہ ہے وہ بھی فی الحال اسی متعلقہ شخص کی ملکیت تصور ہوگی۔ تھل کا وسیع علاقہ تمہارے ریوڑوں کے لئے تمہیں دیا جاتا ہے۔ اس شرط پر کہ تم مطیع فرمانبردار رہے ہر سال اپنے ملکوں کے ذریعے اپنی تعداد بتاؤ گے اور سالانہ ۲۵۰ دنبے نذرانے کے طور پر تم سے لئے جائیں گے تھل کا لگان 1/6 آمدن کا حصہ ہوگا۔ تھل کی اراضی جو خشک کاشت کرتے ہیں بطور مزارع انہیں 2/3 حصہ دیا جائے گا گویا 1/6 حصہ حکومت کا 1/6 حصہ وزیروں کا اور 2/3 حصہ کاشتکاروں کا ہوگا۔ ملک سوان خان ہمارا وزیر اور مشیر ہوگا وہ حکومت اور وزیروں کے مابین ثالث کا کردار ادا کرے گا وہ وزیروں کا سردار اور حکومت کا مشیر ہوگا اس طرح وزیروں اور بنوں والوں میں تنازعات کا خاتمہ ہو جائے گا ڈاکہ زنی قتل وغارت چوری چکاری۔ نظام آب پاشی میں مداخلت بیجا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لہذا ان امور پر خوب غور کرو اور ہاں یا ناں میں جواب مطلوب ہے۔ جس کے لئے ایک ہفتہ کی مدت مقرر ہے۔

مکالمہ

مالیہ کے باب میں وزیروں اور ملک شیر مست خان بنوں کے درمیان مکالمہ بھی خالی از دلچسپی اور عبرت نہیں ملاحظہ ہو وزیروں کا رد عمل اور شیر مست خان آف جھنڈو خیل کا جواب۔

آج ہاں یا نا میں جواب دینے کے لئے جرگہ حاضر ہوتا ہے۔

دوران بحث و تمحیث وزیروں نے ملک شیر مست خان کو ہدف تنقید بنایا جو بویان کے تیر گوند کا سردار تھا کہا "تم نے خوشامد سے کام لیا ہے تم نے مالیہ دینا منظور کیا اور یہ کہ اپنی زمینوں کی پیمائش کی اجازت دے کر ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا کر دی ہیں مزید تم نے ہماری (وزیروں) زمینوں کی بھی نشاندہی کی ہے" شیر مست خان نے جواب میں کہا۔

"تم نے میری زمینوں کو لوٹ لیا غصب کر لیا اور بزور قبضہ کر لیا اور مجھے مالیہ کی ادائگی کے لیے تنہا چھوڑ دیا آمدن تم وصول کرتے ہو اور لگان کی وصولی کے لئے مجھے آگے کیا ہے اب فیصلہ صاحب کرے گا کہ زمین پر کس کا تصرف ہے اور کس نے مالیہ دینا ہے۔" تب جا کر وزیروں نے پیائش کی اجازت دیدی اور لگان دینا منظور کر لیا اس متفقہ خیال کے ساتھ کہ ہویان کو پیائش سے انکار کرنا چاہیے تھا۔

کرنل ایڈورڈز کے ساتھ ملکان بنوں کی بامعنی ملاقاتیں۔

خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

شیر مست خان جھنڈو خیل جو کہ ایک گوند کا سردار ہے پچھلی بہار میں ہی اپنی آمد بنوں کے وقت ہم سے ملا تھا اب اس کو بھتیجوں نے اپنے قلعہ سے نکال دیا ہے وہ ہم سے ملکر شیر مست خان قلعہ پر دوبارہ بحال ہونے کے لئے مدد چاہتا ہے۔

ملک جعفر خان فعل خیل اور اللہ داد خان ہمیں عیسی خیل کے مقام پر ملے ان دونوں نے سابقہ خدمات کا صلہ مانگا !!! ہاں سابقہ خدمات!

لعل باز خان چیف آف بازار احمد خان مجھے لکی کے مقام پر ملا اس نے بھی سابقہ خدمات کا صلہ طلب کیا اس نے تمام ملکوں کے مقابلے میں ہماری سب سے زیادہ خدمت کی تھی ہم نے بھی انہیں جسقدر مراعات اور الاونس دئے کسی دوسرے ملک کو نہیں دئے ہیں۔

اسی مقام پر مجھے بازید خان زبردست خان اور خلت خان تینوں تپہ سورانی کے ملک ملے چوتھا آدمی میر عالم خان آف منڈان میر زعلی خیل تھا یہ آخری آدمی (میر عالم خان) بڑا خطرناک انسان تھا جو بادل نخواستہ آیا تھا۔

ایڈورڈز راہ راست پر

ایڈورڈز کو راہ راست ملا اس کی روئداد خود ان کی زبانی سنئے۔

"میں نے وادی بنوں کا مکمل سروے کیا اس دوران مجھے بنویان کی خوبیاں اور خامیاں اچھی طرح معلوم ہوگئیں۔ سکھ کا دعوے ہے کہ وہ ۲۵ سالوں سے بنوں پر حکمرانی کرتے آئے ہیں مگر حقیقت حال اس کے برعکس ہے صحیح صورت حال یہ ہے جب بھی سکھ سپاہ اور سکھ سردار بنوں میں داخل ہوتے تو خوف وہراس کے باعث ان پر رعشہ طاری ہوتا اور وہ لرزہ براندام رہتے وہ

اس طرح کانپتے ہانپتے ہیں جیسے خزاں زدہ پتے ہوں دونوں میں مذہبی منافرت پائی جاتی ہے 1/5 حصہ اراضی کے سیئد مالک ہیں وہ کسی طور مالیہ ادا کرنے کے روادار نہیں ہیں یہی طبقہ مذہبی منافرت کو ہوا دیتے ہیں اور ہویان سکھوں کے کیمپوں پر یلغار کرتے رہتے ہیں اور شب خون مارتے ہیں ہویان شب خون مارنے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں جونہی نماز سے فارغ ہوئے جذبہ تازہ اور (جذبہ ایمانی) سے سرشار ہو کر یلغار کرتے اور سکھوں پر چاقو۔ تلوار خنجر یا کسی تیز دھار والے آلے سے حملہ آور ہو جاتے ہیں مکمل مذہبی جنون اور سرشاری کے ساتھ فوجی یا سپاہ اپنے خیمہ سے ۱۰۰ گز بھی دور جانے کے روادار نہیں ورنہ تحفہ میں لاش زخموں سے چور اور چھلنی مل جاتی۔ مزید سکھوں کو ہوں میں دخول کا اصل اور صحیح راستہ نہ مل سکا تھا یہ راستہ ہوں والوں نے نہایت ہنر مندی کے ساتھ نوواردان سے خفیہ رکھا تھا خوش قسمتی سے میں نے اصل راستہ دریافت کر لیا گویا مجھے صراط مستقیم ملا یعنی راہ راست۔"

"اس باب میں سکھ سردار ہمیشہ دشمنوں کی رہنمائی کا سہارا لیتے تھے اور وہ انہیں غلط ریگستانی علاقے کی طرف لے جاتے تھے اس طرح دشت و دریا دونوں کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ یہ راستہ تنگ اور فوجی مقاصد کے لئے ناقابل استعمال تھا جو آگرہ بھرت کی اور دیگر گنجان آباد علاقے سے گزرتا تھا راستے میں بے شمار قلعہ جات ہوتے تھے شکست پہ شکست کھانے کے بعد وہ جس راستے سے آئے ہوتے اسی راستہ پر شکست خوردہ ذہنوں کے ساتھ واپس چلے جاتے تھے انہیں کوئی دوسرا راستہ یا سڑک معلوم ہی نہ تھی۔

مارچ ۱۸۴۷ء میں جب میں پہلی بار فوجی دستے کے ساتھ وادی ہوں میں داخل ہوا تھا اسی غلط راستے سے آیا تھا یہ راستہ آمد و رفت کا قابل ہی نہ تھا میں نے بھی ارادہ کر لیا تھا کہ واپسی کے لئے اس راستے کو کبھی بھی اختیار نہیں کروں گا۔ اگرچہ مالیہ کی وصولی میں مجھے ناکامی ہوئی مگر مجھے اصل راستہ کا سراغ مل گیا۔ یہ راستہ ہویان نے نظر غیر سے ہمیشہ خفیہ رکھا تھا حقیقت میں ہوں میں دخول اور خروج کا یہی اصل راستہ تھا۔

یہ راستہ ہمیں اتفاقیہ طور پر مل گیا دوران سروے ہم مغرب سے مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے اور چپہ چپہ کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے ہم نے پرانی جگہ کو چھوڑ کر ایک دوسری مناسب جگہ پر دریائے کرم کو عبور کیا جس کا سکھوں نے تصور بھی نہ کیا تھا دیکھا تو ہمارے سامنے ایک نئی دنیا دریافت ہوئی زرخیز۔ سرسبز۔ شاداب۔ تکون نما پہاڑوں کے حصار میں پوشیدہ تھا۔ ہمیں ایک سربستہ راستہ جو بہت کشادہ اور قدرتی شاہراہ تھا نظر آیا دور نہیں۔ صرف چند سو گز کے فاصلے پر یہ شاہراہ ملٹری کی آمد و رفت کے لئے بہترین گزرگاہ تھی باقی علاقہ جنگلات سے اٹا پڑا تھا۔ جبکہ سابقہ راستہ دشوار گزار۔ پرخطر تھا اور فوجی مقاصد کے لئے بے کار اور ناکارہ تھا مزید راستے میں بے شمار گاؤں حائل تھے۔ اور ہر گاؤں / بستی بمنزل خود ایک قلعہ ہوا کرتا ہے جسکی فصیل بلند و بالا اور ۹ فٹ موٹی ہوتی ہے اس وادی کی مٹی میں یہ خصوصیت ہے کہ جب گیلی ہو تو بارش کی ایک بوند بھی آب برد کر دیتی ہے۔ جب خشک ہو جائے تو فصیل آہنی دیوار کا کام دیتی ہے۔ توپ و تفنگ۔ گولہ بارود اس پر بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے بنوں وادی میں دخول اور خروج کا درست ذریعہ نہ تھا مزید مقامی آبادی بوقت حالت حرب و ضرب اس قلع بند گاوں میں پناہ لیکر قلعہ بند ہو جاتی ہے۔ اس طرح دشمن کا مقابلہ کرنا ان کے لئے بہت آسان ہوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابتک بنوں کو فتح نہ کیا جا سکا میں نے ارادہ کر لیا ہے جو بھی بن پائے میں ضرور ان قلعہ جات کو مسمار کراوں گا اور بنو یان کی دفاعی صلاحیت کو ختم کروں گا تاکہ بنوں کی تسخیر ممکن ہو سکے۔

بنو یان کو نصیحت

ایڈورڈز کا تقرر بطور نگران بنوں ہوا تو پہلی فرصت میں انہوں نے بنویان کو مخاطب کرتے ہوئے یوں اظہار خیال کیا۔

"دیکھو آپ لوگوں پر سالانہ واجب الادا مالیہ ۶۵ ہزار روپیہ ہے جب آپ انکار کرتے ہیں تو سکھا شاہی آپ لوگوں کو ۵۰ گنا نقصان دیکر رخصت ہو جاتی ہے۔ تمہاری فصلوں اور نسلوں کو تباہ و

برباد کر جاتے ہیں گھروں کو مسمار اور جلایا جاتا ہے تمہارے جانوروں ریوڑوں کو لوٹ کر ساتھ لیجاتے ہیں تمہاری اولاد۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ مرد اور عورتیں قتل اور غلام بنادئے جاتے ہیں یہ وادی جو جنت نظیر ہے جہنم زار بن جاتی ہے آپ کہتے ہیں کہ تمہاری یہ قربانیاں بحالی آزادی کے لئے ہیں اب وقت آگیا ہے میں آپ کی اس مفروضہ آزادی کو برقرار رکھنے۔ بحال کرنے کا وعدہ اور ضمانت دیتا ہوں ہمارے (انگریز) اور سکھوں کے درمیان ایک عہد نامہ کے روسے (یعنی مجھے) سکھا شاہی فوج کا نگران مقرر کیا گیا تھا اور خالصہ دربار میں ایک انگریز بطور صدر یعنی نگران خالصہ دربار مقرر ہوا تھا) آپ کے لئے مالیہ کی مقدار کم کر کے صرف ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ کیا جاتا ہے آپ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں جیسے چاہیں شاہی خزانے میں جمع کر سکتے ہیں سکھ آپ کی وادی میں اب کبھی بھی قدم نہیں رکھے گا آپ لوگ کسی سکھ کا چہرہ تک نہیں دیکھیں گے آپ اپنے معاملات اپنے رسم ورواج کے مطابق چلائیں"

مزید کہا۔ "مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگوں نے میری اس پیش کش کا مثبت جواب نہ دیا اب جبکہ عارضی طور پر رخصت ہو تا ہوں تو یہ تنبیہ زیر غور رہے۔ بنوں والو یاد رکھو میں نے حتی المقدار آپ کی بھلائی اور خیر خواہی چاہی مگر تم نے وقت کی پکار کو نہ سمجھا مجھے بھی آزادی اتنی ہی مرغوب ہے جتنی آپ کو محبوب ہے۔ مگر تم نے تدبر سے کام نہ لیا میرا اب بھی وعدہ ہے اگرچہ تم نے سکھ سپاہ کی صبر اور حوصلہ کا درست اندازہ نہیں لگایا اسکی صحیح قدر نہ کی ورنہ آج بھی وہ اس قابل ہے کہ تمہارے علاقے کو زیروزبر تاخت و تاراج کر کے زجبر اور جبر سے کام لے۔ مگر ہم انہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ سمجھ لو کہ ہم نے پوری وادی کا چپہ چپہ چھان مارا ہے ہمیں آپ کی ہر چیز کی آگاہی مل چکی ہے آپ کے قلعوں کی تعداد افرادی قوت خفیہ ذریعہ دخول و خروج (راستہ) معلوم ہو چکا ہے آپ کی کامیابی کا راز یہ پناہ گاہیں ہیں جنکی تعداد ۴۰۰ بنتی ہے تمہارے وسائل کا ادراک ہو چکا ہے تمہارے ۴۰۰ قلعوں کی نشاندہی بھی ہو چکی ہے میں لاہور سرکار سے ایک بار پھر اجازت چاہوں گا کہ تمہاری وادی میں پھر آؤں اور وہ اقدامات کروں جو تم کو ورطہ حیرت میں ڈال دے۔ میں تمہارے قلعوں کو مسمار کروں گا تمہاری عددی قوت کا صفایا

تمہاری نام نہاد آزادی کا خاتمہ کروں گا تمہیں غیر مسلح کروں گا مگر اس کے باوجود ہم تمہاری ضد کی بناء پر تم سے انتقام نہیں لیں گے تمہیں انصاف ملے گا گویا آزادی کے بدلے انصاف ملے گا جو آپ لوگوں میں ناپید ہے۔ آپ آزاد ہیں مگر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو۔ میں اس وادی کو جنت نظیر کو برباد کرنا نہیں چاہتا۔ آزادی سلب ہو گی مگر اس کے بدلے علم کی روشنی پھیلے گی خون خرابہ بند ہو گا یہاں صرف ایک سکھ گورنر ہو گا مگر وہ اس انگریز افسر کی سرپرستی میں کام کرے گا (بروئے عہد نامہ) اس طرح سکھ گورنر تم کو پریشان نہیں کر سکے گا یہ تمہاری خود ساختہ نام نہاد آزادی محض داستان پارینہ اور خواب پریشان بن جائیگی تمہاری آزادی مردم آزادی نہیں بلکہ مردم آزاری کا ذریعہ ہے اب اسے ختم ہو جانا چاہئے۔"

دیدہ عبرت کشا قدرت حق رلبہ ہیں

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

ماضی میں امور انتظام کا طریقہ کار

امور انتظام کو سہولت کے ساتھ چلانے کے لئے شروع میں ہنوں کے ۵ حصوں یعنی تپوں میں تقسیم تھا مگر جب ہنوں کی آبادی بڑھتی گئی تو ساتھ ساتھ باہمی اختلافات بھی سر اٹھانے لگے چونکہ ہنوں مرکزی حکومت سے بہت دور واقع تھا اور خراسانی سلاطین صرف باج وصول کرنے سے غرض رکھتے تھے اپنے فرائض سے بے گانہ تھے وہ رعایا کے فلاح اور بہبود سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے ہنوں میں کوئی مستقل حاکم بھی نہ ہوتا تھا فوج کے لئے کوئی چھاونی یا قلعہ موجود نہ تھا اس لئے ہنوں کے باسی اپنے مقامی رسم و رواج کے مطابق اپنے امور سر انجام دیتے تھے فطرت میں اطاعت شعاری تھی۔ بادشاہ کا احترام کرتے تھے مگر جب سایہ ظل سبحانی نہ ہو تو وحشت اور دہشت قدرتی نتیجہ مرتب ہوتا ہے چنانچہ ہنوں کے باسی وحشت اور دہشت سے دوچار تھے ان

میں اختلاف اور باہمی رقابتیں پیدا ہونا شروع ہوئیں۔ پہلے ۵ گروہ میں تقسیم تھے وقت نے انہیں
اب ۲۰ گروہوں یعنی تپہ جات میں تقسیم کیا۔ ہر گاوں کا اپنا ملک ہوا کرتا تھا پھر چند دیہات مل
کر ایک تپہ بن جاتا اس تپہ کا بھی ایک ملک ہوتا تھا یعنی چھوٹے ملکوں کا ایک بڑا ملک مہاملک ہوتا
اس طرح وادی ہنوں میں ۲۰ بڑے ملک بن گئے اور پھر یہ ۲۰ تپے یعنی مہاملک دو گروپوں گویا
گوندوں میں تقسیم ہوئے اور ہر گوند کا ایک سردار ہوتا تھا ایک گوند کو تیر گوند (سیاہ) دوسرے
کو سپین گون (سفید) کہا جاتا تھا عملاً ایک ہی ملک میں دو بادشاہ ہوتے تھے ایک نیام میں دو
تلواریں ہوتی تھیں نتیجہ صاف ظاہر ہے ایک گوند دوسرے گوند کا ازلی دشمن تھا زندگی غیر
محفوظ اور اجیرن تھی۔

اختیارات و فرائض ملکان

ہر زمیندار اپنے متعلقہ ملک کو زمینی آمدن کا 1/10 حصہ بطور عشر دیا کرتا تھا عشر جنس کی صورت
میں وصول ہوتا۔ عشر ملک کا پیدائشی حق ہوتا تھا وہ اسے یا تو خود وصول کرتا یا ایک ہندو منشی کے
ذریعے وصول کرتا تھا بعض اوقات ملک ہندو منشی سے پیشگی عشر بھی وصول کرتا تھا گویا وہ اس
مطلوبہ عشر کو ہندو منشی کے ہاتھ فروخت کرتا تھا زمیندار اور ملک دونوں ناخواندہ ہوتے تھے
ہندو پڑھا لکھا ہوتا تھا۔ اس لئے ہندو حساب کتاب میں ہیرا پھیری کیا کرتا تھا گویا وہ حق سے
زیادہ وصول کیا کرتا تھا عشر ملک کی ذاتی ملکیت تصور نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اسے ایک فنڈ کے طور پر
مفاد عامہ کے لئے استعمال کرتا تھا وہ محض اس کا امین ہوتا تھا یہ ملک کی دیانتداری پر منحصر ہوتا
تھا کہ وہ کہاں تک اس قومی امانت کا صحیح استعمال کرتا ہے ورنہ کوئی باز پرس نہ تھی۔

ملک اس آمدنی سے اپنے گاوں کی فصیل کی تعمیر۔ مرمت۔ دیکھ بھال۔ نہروں ندی کی صفائی آبی
راستوں کی حفاظت اور سرپرستی۔ اسلحہ کی فراہمی حاجیوں کی ضیافت۔ مہمانوں کی تواضع
، مسافروں کی تواضع۔ اخوند امام مسجد۔ فقیروں۔ محتاجوں اور گشتی موسیقاروں کی پذیرائی پر جو
کچھ خرچ ہوتا یہی فنڈ کفالت کرتا تھا۔ سال کے اختتام پر جو کچھ فنڈ سے بچ جاتا وہ ملک کی ذاتی

ملکیت کا حصہ بن جاتا عشر کے علاوہ ملک کا ذریعہ آمدن ہندو پر خاص ٹیکس ہوتا تھا جیسے شادی بیاہ کا ٹیکس (ہر بالغ ہندو پر دو روپیہ فی زنار جزیہ بھی تھا)۔ ملک کی اپنی زمینداری بھی ہوتی تھی جو یا تو موروثی ہوتی یا زر خرید یا غصب شدہ مگر بقول ایڈورڈز ساری زرائع کی مجموعی آمدنی ۲۰۰ پونڈ یعنی ۲۰۰۰ روپے سالانہ سے متجاوز نہ ہوتی مثلاً۔ بازار احمد خان جو بنوں کا پایہ تخت کہا جاتا ہے۔ ملک لال باز خان جو شہری ٹیکس بھی وصول کرتا ہے عشر کے علاوہ تقریباً ۱۵۰ پونڈ سالانہ بنتا ہے یہ سہولتیں صرف چند ملکوں کو حاصل ہیں جو اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقت ہو اور مستحکم ہیں وہ مزید بتاتے ہیں کہ بنوں وال جو کابل حکومت کے جواء کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے وہ اپنے ملکوں کو برضا عشر ادا کرتے تھے۔

ایڈورڈز لکھتے ہیں "جب میں اس خطہ میں پہنچا تو تقریباً ۱۸ ملک یہ نوابانہ اختیارات رکھتے اور استعمال کرتے تھے مگر یہ ملک اور یہ تپے ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے تھے ان میں عروج وزوال کا سلسلہ جاری تھا کبھی کوئی کمزور ہو جاتا تو دوسرا مضبوط کوئی فرد و بشر دوسرے تپہ میں بغیر سابقہ ملک کے اجازت کے انتقال مکانی نہیں کر سکتا تھا اگر ایسا کرتا تو کشت و خون کا سبب بنتا۔ ملک اپنے تپہ کے افراد کو جرمانہ بھی کر سکتا تھا۔ خون بہا کی رقم ۱۲ سو روپیہ مقرر تھی اعضا شکنی۔ ناک کان کاٹنا کسی کو برہنہ کرنا۔ سب کا جرمانہ ۵ سو روپیہ مقرر تھا۔ ایڈورڈز کے عہد میں ملک شیر مست خان تیر گوند کا سردار تھا جسے اپنے بھتیجوں سے پریشانی لاحق تھی۔ بعد میں اسے دیہات بدر بھی کیا گیا۔ اور ایڈورڈز کی دوبارہ بنوں میں آمد پر ان سے بحالی ملکی کا خواستگار ہوا تھا جسے بعد میں بحال کر دیا گیا سپین گوند کا سردار جعفر خان مغل خیل تھا شیر مست کے پاس ۹ ہزار اسلحہ بند جوان اور جعفر خان کے پاس ۶ ہزار اسلحہ بند جوان ہوتے تھے۔

اگر ایک گوند سے دوسرے گوند میں کوئی فرد جانا چاہتا تو دونوں گوندوں کی رضامندی مطلوب ہوتی تھی۔ بصورت دیگر جنگ و جدل کا ذریعہ بن جاتا تھا۔ یہ دونوں گوند اکثر ایک دوسرے سے

بر سر پیکار یا بیزار رہتے البتہ بیرونی دشمن کا مشترکہ طور پر مقابلہ کرتے تھے بنویان کے بارے میں یہ کہاوت ہے کہ بنوں کے باسیوں کو جنگ میں امن نصیب ہوتا ہے۔

بنوں میں ہندووں کی حالت زار

جب بنوں شہر ابھی تعمیر نہیں ہوا تھا تو ہندو اور بنوی مسلمان یک جا رہتے تھے گو ان کے مذہبی رسومات میں کافی فرق پایا جاتا تھا مگر ہندو حالات کے رحم و کرم پر تھے۔ جبکہ حالات کے حکمران مقامی ملک ہوا کرتے تھے وہ انہیں ملکوں کے قلعہ جات میں محصور زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے

ایڈورڈز نے ان حالات کا خوب تجزیہ پیش کیا ہے
"بنوں میں ہندووں کی حالت بڑی ابتر تھی وہ ضرورت مند حکومت کے ساتھ دوستی بڑھانے کے روادار نہ تھے جبکہ موجودہ حکومت (جس کے وہ نگران تھے) کو ان کی معاونت کی ضرورت بھی تھی وہ صرف انفرادی طور پر اپنے متعلقہ ملکوں پر ہی بھروسہ اور اکتفا کرتے ہیں ملک انہیں اپنے قلعہ میں پناہ دے چکے ہیں اور بسا دئے ہیں۔ اب یہ ہندو مکمل طور پر ملکوں کے طفیلی ہیں ہندووں قلعہ کی فصیل سے باہر نکلنے کی وہ ہمت نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنے ہم مذہب کے ساتھ دوسرے قلعہ میں مل سکتے ہیں جب تک انھیں ملک کی معاونت اور اجازت حاصل نہ ہو ملک انہیں قلعہ سے نکلنے کی صورت میں حفاظتی گارڈ مہیا کرتا ہے جس کا معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے ایک بار حکومتی دستے نے دو لاشوں کو نیم دفن شدہ دیکھا۔ جن پر تشدد ہوا تھا یہ دونوں ہندو تھے جو ایک مسلمان سے قرضہ کی وصولی کے لئے بغیر کسی گارڈ کے قلعہ سے نکلے تھے تو پھر موت سے دوچار ہوئے۔"

ایڈورڈز مزید بتاتے ہیں کہ "ہندووں کو پگڑی پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ پگڑی بنویان کے نزدیک وقار اور استعمار کی علامت ہے ہندو معمولی کھدر کی ٹوپی پہن سکتے ہیں تاکہ جھلسا دینے

سر کو بچایا جائے "ایڈورڈز بتاتے ہیں "ایک دفعہ میرے کیمپ میں کچھ ہندو داخل ہوئے انہوں نے پگڑیوں کو اپنے کرتوں میں چھپا رکھا تھا یہ چھٹی کا دن تھا اندر آ کر عافیت محسوس کی اور نہایت بیگانہ انداز سے پگڑی نکال کر پہن لی اور بڑے خوش تھے کہ بغیر کسی خوف کے وہ پگڑی پہن سکے ہر ہندو سے دو روپیہ فی کس سالانہ جزیہ بھی لیا جاتا تھا۔ وہ شادی بھی ملک کی اجازت اور مرضی سے کرتے جس کا ملک کو معاوضہ ملتا۔ خواہ دلہن کتنی ہی بد صورت کیوں نہ ہو وہ قابل قبول ہوتی۔ ان تمام پابندیوں کے باوجود ہندو خوش تھے اور یہ سب کچھ ہوس زر اور حصول زر کے لیے ہے۔ جو انھیں آسانی سے دستیاب ہے۔ ساری تجارت ان کے ہاتھوں میں ہے۔ سوائے اسلحہ و گولہ بارود کی فراہمی۔ جو مسلمان کرتے ہیں انہیں مسلمان آقاوں پر ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے ہنوی ناخواندہ۔ ان پڑھ اور جاہل ہے ہندو پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ تقریباً ہر ملک نے ایک ہندو منشی معاوضہ پر رکھا ہوا ہے۔ گویا یہ ہندو ملک کا مختار ہوتا ہے جو طلب زر کا خواست گار ہے۔ اس نے دولت کے لئے ذلت قبول کی ہے۔ ہندو محد سے اپنے ساتھ ہوس زر لے آیا ہوا ہوتا ہے ہندو بچے کا پہلا دانت روپیہ کے مس ہونے سے آشنا ہوتا ہے روپیہ یا پیسہ بچے کے منہ میں پکڑوایا جاتا ہے ہندو بچے کو سونے کی تعویز پہنائی جاتی ہے گویا سونے کا ہار۔ زمین پر کھیلنے کے لئے اسے چند کوڑیاں دی جاتی ہیں تاکہ ۱۰ تک ہندسے سیکھ جائے۔ ہندو بچے کو روزانہ ایک ٹکہ (۲ پیسے کے برابر) دیا جاتا ہے کہ وہ اسے آنہ بنادے یعنی چار کر دے بچے کو ابتداء ہی سے تاجر بننے کا گر سکھایا جاتا ہے ہنویان کے لئے اس کا وجود ضروری ہے تاکہ اسے منشی رکھ لے دونوں کو فائدہ ملک کے لئے منشی دستیاب ہے ہندو کے لئے متوقع استیصال دھوکہ اور فریب دینا آسان کیونکہ ملک سادہ۔ نادان۔ ناخواندہ ہے ہندو ملک سے عشر خرید لیتا ہے زمینداروں سے زیادہ وصول کرتا ہے ملک کو کم بتاتا ہے اگر کوئی زمیندار زیر بار ہو جائے تو ہندو اور مسلمان ملا میں مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون ملک کی زمین رہن پر لیتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے کیونکہ زمین رہن ہو جانے کی صورت میں پھر بھی لگان ملک کو دینا پڑتا ہے ہندو زمینداروں کو قرض بھی دیتا ہے وصولی میں ملک معاون ہوتا ہے جس کا صلہ اسے ملتا ہے۔

ہر قلعہ میں دو کائیں ہیں جو سب کی سب ہندووں کی ہیں کاروبار اور تجارت کے مالک ہندوں ہیں اس لئے فارغ البال ہیں،بنوں صرف بازار (بازار احمد خان) ایسی جگہ ہے جہاں قدرے ہندوں پر آسانی ہے جہاں ملک لال باز خان ان سے شفقت۔ پیار ہمدردی سے پیش آتا ہے جبکہ دیگر مقامات پر ملک رعونت کا مظاہرہ کرتے ہیں داود شاہ میں بھی ملک دلاسہ خان کی وجہ سے ہندووں پر گرانی نہیں ہے یہیں ان کے متعدد گوردوارے اور دھرم شالے ہیں اپریل ۱۸۴۷ء میں بازار احمد خان میں ہندووں کے ۱۰۰ گھرانے آباد تھے یہاں ہندووں کو مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی حاصل ہے،بنوں لور داوڑ کے درمیان جتنی تجارت ہوتی ہے اس پر ہندووں کی اجارہ داری ہے اس لئے ہندوں دلاسہ خان غازی کی مالی معاونت کرتے ہیں۔ دیگر قلعہ جات میں ہندوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں وہ بتوں کی پرستش نہیں کرسکتے۔ اپنی دولت کا بھی نمائش نہیں کرسکتے وہ دولت کو اپنے چولہوں کے نیچے یا زمین میں کہیں دفن کرتے ہیں وہ حقیقتاً ملکوں کے غلام ہیں۔ ہندو اس کے باوجود قابل رحم نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اس ہتک آمیز رویہ کو دولت کے بدلے خود قبول کیا ہے جو مسلسل اپنی دولت کو بڑھاوا دیتے رہے ہیں یہ لوگ دولت کے پجاری ہیں۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں

روزنامچہ ایڈورڈز کے حوالہ سے بعض حوادثات کا ذکر

جب سکھوں نے بنوں والوں کو ظلم و جبر کے ساتھ زیر کرنا شروع کیا تو احمد زئی وزیر لاتعلق رہے اور نفرت بھری نگاہوں سے ان کی اطاعت کو دیکھنے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بنویان سکھ حملہ آور کے خلاف غیر منظم اور منتشر تھے جدوجہد باہمی اتفاق کے بغیر ثمر آور نہیں ہو سکتا بنوں والوں نے باہمی جنگ و جدل کی وجہ سے اپنے خطہ ارضی جنت نظیر کو جہنم زار بنا دیا تھا جو خدا نے انہیں عطا کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔احمد زئی قبیلے کی طرح اتمان زئی وزیر میں بھی لوٹ

مار کی عادت ہے مگر وہ خوبی نہیں رکھتے جس کے لئے دوسرا قبیلہ احمد زئی مشہور ہے
بنوں کی آبادی چار قسم کے طبقوں پر مشتمل ہے (۱)بنوں کے
کاشتکار جو ملی جلی نسل ناقص ہو چکی ہیں۔ جن پر ملک ناروا حکمرانی کرتے ہیں
(۲) رئیس سید اور دیگر مذہبی طبقے کے لوگ (ملا۔ اخوند) یہ مذہبی بھکاری ہیں مفت خورے جو
عوام کا خون توہم پرستی اور جہل کے طفیل چوس لیتے ہیں۔
(۳) کمینہ ہندو۔ تاجر جو بے توقیر۔ حقیر و ذلیل زندگی گزارنے کے خوگر ہیں صرف اس لئے کہ
اپنے مسلمان آقا کو دھوکہ دے۔
(۴) وزیری مداخلت کار جو نیم زرعی زندگی گزارتے ہیں لاقانونیت کے عادی مگر عزت سے
عاری نہیں۔
۱۸۴۷ء کے سرسری سروے کے مطابق ۱۱۴۸۲ کنال اراضی میں سے ۸۹۸۹۱ کنال ارضی
بنوی ملکوں کے پاس اور ہندوو قرض خواہ کے پاس ہے ۱۸۹۵۸ کنال اراضی مذہبی طبقہ کے
پاس ہے وزیروں کے پاس ۳۳۶۵ کنال اراضی ہے۔ قصہ مختصر ان مذہبی وظیفہ خواروں کے
پاس کل رقبہ قابل کاشت کا 1/6 جبکہ وزیروں کے پاس 1/20 حصہ اراضی ہے۔ یاد رہے میں
نے اس میں ۳ تپے مری قبیلے کا شامل نہیں کیا ہے کیونکہ وہ وزیروں اور ان کے مابین تنازعہ چلا
آرہا تھا اور اس سال قحط سالی کے شکار ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اب تو احمد زئی وزیروں کے پاس بنویوں
کے مقابلے میں زیادہ اراضی سے جب سے انہوں نے علاقہ تھل کو قابل کاشت بنا دیا ہے گویا
بنوں خاص سے باہر زیادہ رقبہ وزیروں کے پاس ہے جو رقبہ بنوی ملکوں کے پاس اندرون بنوں
ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آیئے خاکہ کو مکمل کرنے کے لئے ان لوگوں کا بھی ذکر ہو
جو قلعہ نما فصیلوں کے درمیان رہتے ہیں گویا انکی اندرون زندگی باہمی منافرت مناقشت سے
عبارت ہے ذاتی مفاد اور خود غرضی نے انہیں منقسم کر رکھا ہے جو بیرونی خطرے سے لاپرواہ۔
بے فکر اور منتشر ہیں اور سکھ فوج کے ساتھ برسرپیکار ہیں جو ہر برطانوی افسر کے تحت اپنی
توانائیاں مجتمع کر چکی ہیں یہ وہ حالات تھے کہ مجھے (ایڈورڈز) ۱۸۴۷ء میں اس اہم مہم پر روانہ

کر دیا گیا کہ بنوں والوں کو خالصہ شاہی کی غلامی میں لے آؤں اور ان لوگوں نے میرا مقابلہ کرنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لاہور سے بنوں کے لئے روانگی سے بیشتر میں نے اپنے حریفوں (بنوں والوں) کے لئے پچھلی بہار میں تمہیں بتایا گیا تھا مگر تم نے میری پیش کردہ آسان شرائط (بسلسلہ لگان) مسترد کر دیا۔۔۔۔ تو لگان جمع کرنے کے لئے موسم سرما میں قلعہ بنوانے سکھ گریزن رکھنے اور اس سرسبز وادی میں ایک کاردار مقرر کرنے کا اہتمام کرنے کا وعدہ کیا تھا کاردار کے پاس انتظامی اور عدالتی اختیارات ہوں گے یہ کاردار کی شخصیت پر منحصر ہے۔ اور تمہارے رویہ پر کہ وہ راحت کا باعث بنتے ہیں یا زحمت کا پیش خیمہ۔ اب میں اس وعدے کو نبھانے آرہا ہوں۔ فوج کے دو دستے روانہ ہو چکے ہیں ایک ڈیرہ اسماعیل خان سے دوسرا پشاور کی جانب سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہتر یہ تھا تم اس وقت میرے ساتھ متفق ہو جاتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب بھی وقت ہے واجب الادا لگان ادا کر دو پورا حساب میرے پاس محفوظ ہے دیکھئے۔ لال باز خان واحد شخص ہے جس نے اپنے تپہ کا پورا لگان ادا کر دیا ہے اب اس کے لئے پشیمانی نہیں ہے اب اس مثبت رویہ کے باعث وہ زیادہ مراعات کا حقدار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر تم امن اور شفقت چاہتے ہو اور مہاراجہ کے اچھا شہری بننا منظور ہے تو بغیر کسی حیل وحجت کے فوراً سارے ملک میرے کیمپ میں حاضر ہو جائیں اور باقی عوام آرام وسکون سے اپنے گھروں میں رہیں پچھلی بہار میں تمہاری نصف آبادی پہاڑوں میں جا چھپی تھی انہیں سکھوں کی طرف سے جبر اور ظلم کا خوف تھا جیسے کہ ہوتا آیا ہے تم کو معلوم ہے میں نے سکھ سپاہ کو لوٹ مار کی اجازت نہیں دی اور سب سپاہیوں نے تمہاری فصلوں کی چوکیداری اور رکھوالی کی اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں اب مالیہ سے بچنے کی خاطر بھاگنا نہیں چاہیے۔ اب کاردار اور خالصہ فوج تمہاری واپسی تک (پہاڑوں سے) یہیں بنوں ہی میں رہیگی۔ یا تم کو مالیہ دینا ہوگا یا پھر ہمیشہ ہمیشہ مفرور رہو گے آیئے ایک اچھی شہری کی طرح رہنے کا آغاز ہو ڈرنا کس بات کا اپنی محنت کیئے جاو اور فصل کی کٹائی میں مصروف اور جت جاو جو ملک سرداری سے سبکدوش ہونا نہیں چاہتا وہ میرے پاس فوراً حاضر ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین ہو فوج ہوں آنیوالی ہے وہ اب ایک ماہ بعد حسب ماضی واپس نہیں ہو گی وہ مستقل قیام کرے گی ابھی سے تم اپنا حساب ٹھیک کر لو۔ کیمپ میانی لاہور ۷ انومبر ہوں میں

۱۸۴۷ء-------------

جھنڈو خیل کا تپہ ملک شیر مست خان جو اس وقت ایک گوند کا سردار تھا جسے بعد میں اپنے حریف اور اپنے بھتیجے نے اپنے قلعہ سے بزور نکال دیا تھا میرے آنے سے پہلے کارٹلینڈ سے ملاقات کر چکا تھا اس امید کے ساتھ کہ اسے دوبارہ ہمارے تعاون سے بحال کیا جاوے (جب میں پچھلی بہار میں اس ملک سے ملا تھا تو وہ اپنے گوند کا سربراہ تھا)-------میں نے اب جونہی عیسک خیل کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا جعفر خان اور اللہ داد مغل خیل مجھ سے ملے اس غرض کے ساتھ کہ میں نے انہیں سابقہ خدمات (انہدام قلعہ) کے عوض جو صلہ دیا تھا اس پر مہر تصدیق ثبت ہو (گویا اطاعت شعاری بدستور قائم ہے) لکی کے مقام پر لال باز خان بھی ملا جو باز ار احمد خان کا تھا وہ بھی اپنا صلہ چاہتا تھا وہ اپنے ساتھ ایک قاضی بھی لایا تھا۔ جو غٹ (فربہ) قاضی سے مشہور تھا۔ اور جس کا نام قسیم تھا پست قد اور خوب فربہ تھا اس کا سانس بہت جلد پھول جاتا تھا یہ بہت اہم شخصیت تھی اہم موقع پر تمام ملکوں کی طرف سے ترجمان ہوا کرتا تھا-----------وہ بڑا زیرک انسان تھا---------------اس کے بعد ھوید سے وفد آیا یہ مری قبیلہ کے مغرب میں ہے۔ جو بھی کسی حکومت کے لئے تسلیم نہیں ہوئے تھے نہ کابل اور نہ لاہور۔

یکم دسمبر ۱۸۴۷ء کو موسی خان جو ایک آنکھ سے کانا تھا آیا اور نذرانہ پیش کیا ان کے ساتھ دیگر بہت سارے ملک بھی تھے میں اسکی آمد سے بہت خوش ہوا کیونکہ وہ پہلے کبھی نہیں آئے تھے یہ جملہ ملکان مری قبیلے کے تھے ان کی نگاہوں میں بیگانہ وحشی تھی جیسے وحشی باز۔ جیسے وہ ایک بار پھر اڑنے کے لئے پروں کو تول رہا ہو----------ملک نے میری گھوڑی اور ہر چیز کو حیرت سے دیکھنا شروع کیا انہوں نے گھڑی کو زندہ پرندہ سمجھ لیا۔ اور ٹک ٹک کی آواز کو موسیقی سمجھا۔ ایک ملک نے جرات کر کے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ انگریز لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولا

کرتے۔ میں نے جواب دیاہاں وہ اس بات سے بڑے حیران رہ گئے (وہ جھوٹ کو حربہ سمجھتے اور سچ حماقت) ایسے جاہل لوگوں سے نبھانا بڑا مشکل کام ہے۔ سارے ملک بغیر تاخیر کے کیمپ میں آے گویا سر اطاعت خم ہوا اور میں مطمئن۔ البتہ طبقہ علماء میں سوائے غث قاضی کے کوئی نہیں آیا گویا مذہبی طبقہ میں یہ واحد شخص تھا اب مذہبی پیشواوں کا یہ رویہ توجہ طلب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔خدشہ تھا کہ یہ طبقہ ہماری فوج کو ہنوں میں داخل نہیں ہونے دیگا۔ اس نازک موقع پر میں نے ایک حکم نامہ جاری کر دیا۔

ملکوں اور طبقہ سادات کے نام

"پشاور کی فوج آج صبح جنرل کارٹ لینڈ کی فوج سے جاملی ہے کل ہم ۱۸ توپوں ۱۳ زمبوروں ۱۲ ہزار سوار فوج۔ ۵ رجمنٹ پیادہ فوج کے ساتھ ہنوں میں داخل ہونے والے ہیں۔
ہنوں کے تقریباً سارے ملک مطیع ہو کر دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے کیمپ میں آچکے ہیں سوائے ۲ یا ۳ ملکوں کے (دلاسہ خان) انہیں آخری بار تنبیہ کرتا ہوں اگر وہ فوراً نہ آئے تو انہیں دشمن تصور کیا جاوے گا۔
یہ سب کو معلوم ہے کہ ہنوں وال مذہبی مشیروں کے زیر اثر ہیں۔ اور ان کے ملک بھی۔ میں پھر تنبیہ کرتا ہوں کہ اگر کسی سکھ سپاہی سکھ کیمپ پر کسی ٹپہ سے ایک گولی بھی داغ دی گئی تو متعلقہ ملک کو ہٹا کر اس کے سارے اختیارات ختم کر دوں گا۔ اسکی زمینیں قبضہ کی جاوینگی۔ اس سلسلہ میں کوئی غلط فہمی نہ رہے کوئی رورعایت حیلہ بہانہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی سرکش نے کسی بھی قلعہ سے کوئی گولی داغدی خواہ وہ اس قلعہ یا ٹپہ سے تعلق نہ بھی رکھتا ہو تو بھی اسی قلعہ کے ملک سے باز پرس ہو گی۔"

دستخط ۸ دسمبر ۱۸۴۷ء

۱۸۴۴ء ہم جڑ (تھل) سے جانب جھنڈو خیل روانہ ہوئے جھنڈو خیل بغیر مزاحمت کے پہنچے۔ اسی شام بازید خان زبر دست خان اور خلقت خان یہ تینوں سورانی ٹپہ کے ملک تھے میر عالم خان منڈان بھی آئے۔ جو غیر مطمئن دکھائی دیتے تھے بادل نخواستہ کیمپ میں آئے۔ سب نے اطاعت کا اظہار کیا صرف ملک دلاسہ خان ابھی مطیع نہیں ہوا تھا۔ یہ واحد ملک تھا بنویان میں جو توجہ خاص کا مستحق تھا۔------------------ یہ خوفناک دشمن تھا سکھوں کا دشمن تھا بے محابہ جرات کا مالک تھا ایک دفعہ انہوں نے تارا سنگھ کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا جبکہ سکھ فوج کے پاس ۸ ہزار نفری تھی ۱۲ توپیں تھیں دو سو سکھ سپاہ کو قتل کر دیا گیا ۵۰۰ کے قریب زخمی ہوئے تھے دوسری بار سوچیت سنگھ اپنے دس ہزار فوجوں کے ساتھ دلاسہ خان کے قلعہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ مگر بے سود۔

المختصر دلاسہ خان عمر بھر سکھ حملہ آوروں کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ اور ان کے ہوتے ہوئے کبھی بھی سکھ سپاہ بنوں میں خوف کے بغیر داخل نہ ہوئے ہر بار یادگار مقابلہ ہوا سکھ دلاسہ خان سے ڈرتے تھے۔ اور نفرت کرتے تھے۔-----------------------

ضابطہ قانون

ملکان کے اختیارات

جو بنوں میں فوری طور پر لاگو ہوگا۔

۱) ضوابط اور انصاف کے لاگو کرنے کی ذمہ داری ناظم اعلیٰ کے پاس ہوگی جو سکھا شاہی کا نمائندہ رہے۔ کاردار ناظم اعلیٰ کا نمائندہ ہے۔

۲) اب ملک بھی ناظم اور کاردار کے احکامات کی تعمیل کرے گا وہ بذات خود کوئی اتھارٹی نہیں وہ صرف اپنے متعلقہ تپوں سے مالیہ وصول کرے گا۔

۳) ہر شکایت کنندہ (خواہ بنوں وال ہو یا وزیر) ناظم اعلیٰ یا کاردار سے تحریری دعویٰ کے ساتھ

رجوع کیا کرے۔

۴) قاتل کو پھانسی کی سزا یا عمر قید اور ضرب شدید کے لئے صرف جرمانہ نہیں قید بھی ہے۔ خون بہا کے لئے کوئی رقم نہیں لی جائے گی۔

(۵) کسی قلعہ کے قرب وجوار میں جو بھی فوجداری جرم کا مرتکب ہو۔ متعلقہ قلعہ کا ملک ذمہ دار سمجھا جائے گا کہ وہ مجرم کو قانون کے حوالہ کرے۔ سراغ لگائے اگر سراغ دوسرے قلعہ پہنچے۔ یہ بھی اس قلعہ کی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی ملک نے بروقت مجرم کے بارے میں اطلاع نہ دی تو نقصان سے دگنا جرمانہ اسی ملک سے وصول کیا جاوے گا۔

۶) اسلحہ لے جانے کی سخت ممانعت ہے سوائے سرکاری اہلکار۔

۷) یہ پابندی اجنبی افراد پر بھی ہے خاص طور پر وہ افراد جو جمعہ کے دن بازار احمد خان آتے ہیں برائے خرید و فرخت۔

۸) گھر میں اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر چاہے اسلحہ کو بیچ سکتا ہے حکومت مناسب قیمت ادا کرے گی۔

۹) غلہ پر تمام ٹیکس معاف ہے۔

۱۰) نظام آب پاشی میں مداخلت برداشت نہیں کی جاویگی۔

۱۱) کسی کے پاس ۵ سالوں سے مسلسل زمین زیر قبضہ ہے اسکی ملکیت تصور کی جاتی ہے۔ البتہ شکایت ہو تو فوری طور عدالت سے رجوع کیا جائے۔ یہ دعویٰ ۶ ہفتوں کے اندر اندر ہو۔ بعد میں شنوائی نہیں کی جائے گی۔ سوائے کافی شہادت کے۔

۱۲) تمام سید حضرات بشمول مذہبی پیشوا جنہیں مالیہ سے مبرا اقرار دیا گیا ہے وہ ریونیو سروے کے موقع پر حاضر ہوا کرے تاکہ اپنی اراضی کی نشاندہی کرے۔ اور تصدیق کرے۔ اسے تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ مشش خیل سیدوں کا معاملہ کچھ اور ہے۔

۱۳) جو کوئی مالیہ دینے سے گریز کر کے بھاگے اس کی زمین نیلام ہو گی جو کوئی مالیہ دے گا زمین اسی کی ہو جاگی۔

۱۴) جس میہ نے بھگوڑے کو پناہ دی مالیہ دینے کے لئے متعلقہ میہ کا ملک ذمہ دار ہے۔

۱۵) رسم ستی ممنوع ہے بچے کا قتل۔ غلام رکھنا موجب تعزیر ہے۔

۱۶) کسی سے بیگار لینا ممنوع ہے۔ خواہ وہ سرکاری اہلکار ہی کیوں نہ ہو۔ ملک یا کوئی دوسرا۔

۱۷) اسلحہ بارود کا استعمال۔ تجارت ممنوع ہے۔ جرمانہ ۵۰۰ روپیہ ہے۔

۱۸) تمام باٹ اور اوزان پر کاردار کی مہر ثبت ہونی چاہئے ورنہ غیر قانونی جو باٹ لاہور میں مروج ہیں وہی قابل قبول ہوں گے۔

مورخہ ۱۲ دسمبر ء دلیپ گڑھ بنوں

ایڈورڈز کی تسبیح روز شب کے چند دانے

"میں تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ"

"یاد ہو میں نے بنویان کو قلعہ جات خود کو دست خود سے گرانے کے لئے ۱۵ دن کی مہلت دی تھی۔ اختتامی مدت پر بہت سارے کرم فرما آئے اور مجھے غصہ پینے اور بردباری اختیار کرنے کا درس دیا۔ اور درخواست کی کہ انہیں جرمانہ نہ کیا جائے میں نے ان پر بڑی عنایت کر کے مزید مہلت دیدی ۔ اب جبکہ ۲۰ دن ہونے کو ہیں اور کام صرف 2/3 حصہ ہو چکا ہے میں خود کام کی رفتار سے مطمئن تھا۔ کیونکہ قلعہ جات کی دیواریں گرانے کا کام کوئی آسان کام بھی نہ تھا بنوں کی مٹی جب خشک ہو جائے تو آہنی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایک ایک انچ بصد مشکل کھریدنا اور کھرچنا پڑتا ہے جو جان جوکھوں کا کام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۰ قلعہ جات تقریباً زمین بوس کرائے جا چکے تھے ایک سو فصیلیں / قلعہ جات تقریباً۔ ۳ فٹ تک ایستادہ رہ گئیں تھیں جبکہ ۷۰ قلعہ جات کی دیواریں قد آدم تک ایستادہ تھیں۔

"نظام الدین (خبر کار) کی کل والی اطلاع کی تصدیق ہو گئی۔ بابا اوتم سنگھ جو ایک سادھو ہے اپنے ہموطنوں کی خاطر جو میرے کیمپ میں ہیں اور جو سکھ ہیں وہ داوڑ علاقے میں رہتا ہے اس سادھو

نے گورمکھی زبان میں آرٹلری کے کمانڈنٹ کو ایک خط لکھا یہ خط ایک کھتری کے ہاتھ بھجوایا گیا یہ کھتری بازار احمد خان میں رہتا ہے۔ اور جس کا نام دیوان ہے۔ خط مجھے موصول ہوا صرف چند لفظوں میں مفہوم واضح ہوا۔ ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ ۸ علاقوں کے قبائل جن میں داوڑ بھی شامل ہے سارے متفق ہوئے ہیں اپنی مذہب کی خاطر اپنے مذہبی پیشواوں کی سرکردگی میں ہم پر یک بارگی ضرب لگانے کی لئے عام لشکر بندی ہو رہی ہے تعداد ۳۵ ہزار تک پہنچ سکتی ہے یہ لشکر چند دنوں میں کرم کے راستے وادی بنوں میں اترنے والی ہے تحریر کنندہ نے اپنے ہم راز دیوان کو کہا۔ کہ اس کا نام کسی کو نہ بتایا جائے۔ ورنہ اس کی جان کی خیر نہ ہوگی
کھتری دیوان نے خط مجھے دے کر زبانی بھی کچھ بتایا۔"

یہ لشکر مذہبی جذبہ کے تحت مذہبی پیشواوں نے ابھارا ہے اور اس کے پس پردہ باغی دلاسہ خان اور اس کا بیٹا شیخی ہے۔ دلاسہ خان نے میر اکرم خان پسر دوست محمد خان والئ کابل سے بھی رابطہ قائم کر رکھا ہے اس مقصد کے لئے خوست میں چندہ جمع کیا جا رہا ہے۔---------
جہاں تک داوڑ کی طرف سے متوقع حملہ کا تعلق ہے میرے پاس منظم قوت موجود ہے اس لئے فکر مندی کی چنداں ضرورت نہیں بصورت حملہ ہم قلعہ بند ہو جائیں گے اور حملہ کو پسپا کر دیا جائے گا مگر پھر بھی احتیاط شرط ہے اور پیش بندی ضروری ہے۔
اسی اثناء میں دونوں مذہبی پیشوا جو اس وقت علاقہ داوڑ میں مقیم ہیں اور کافی گرم کے باسی سید زادے ہیں ایک کا نام زاور شاہ دوسرے بھائی کا نام غریب شاہ انہیں خط بھیجا گیا خوش قسمتی سے ان سید زادوں کی کچھ زمینی ملکیت ٹانک میں تھی جو انہیں لنگر خانے کے لئے مفت ملی تھی میں نے ان پر واضح کیا اگر وہ چاہتے ہوں کہ ان کی زمینی ملکیت بدستور برقرار رہے تو داوڑ میں اپنے پیروکاروں کو صحیح ڈگر پر لے آوو ورنہ حق ملکیت سے محروم ہو جاوگے۔ بنوں اور داوڑ کا ایک جیسا حشر ہوگا۔
یہ خط میں نے ملک سوان خان وزیر کے ہاتھ بھجوایا۔ سوان خان ہر آزمائش اور تکلیف میں مخلص

ثابت ہوا ہے وہ ایک اچھا ساتھی اور مخلص دوست ہے یہ بوڑھا شخص (سوان خان) بذات خود بھی اسی شام میرے پاس کیمپ میں آیا۔ اور یہی اطلاع انہوں نے بھی پہنچائی کہ قوم داوڑ متحرک ہو کر متحد ہو رہی ہے۔ یہ عام افواہ ملک ساون خان کو اپنے ہموطنوں وزیروں سے ملی تھی جو ان دنوں پہاڑوں میں مقیم ہیں ملک سوان خان وزیر نے مزید بتایا کہ ان دنوں پہاڑوں پر خوب برف باری ہو رہی ہے فی الحال دشمن کی طرف سے پیش قدمی مشکل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی اثناء میں بیشتر ملک اور ملا میرے پاس نیک تمناوں کے ساتھ آئے کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں ایک غازی کی تلوار کی ضرب سے بال بال بچ گیا ہوں انہوں نے اپنی بے گناہی کا بھی تذکرہ کیا۔ کہ وہ اس قاتلانہ سازش میں بالکل شریک نہیں ہیں میں نے ان کی مبارکباد تو قبول کر لی مگر دوسری بات سے اتفاق نہ کیا اور تاکیداً کہا کہ میرے قتل ہو جانیکی صورت میں انہیں ایک کی بجائے دو صاحب ملیں گے گلو خلاصی ممکن ہی نہیں۔ داوڑ کے متوقع حملے کے پیش نظر میں نے قلعہ شاہی میں ایک عدد تالاب کھدوانے کے لئے حکم دیا اس کام پر دو کمپنیاں فوراً لگا دیں گئیں ۔تالاب اتنا ہو کہ ایک ماہ کی کفالت کر سکے گویا ذخیرہ آب ایک ماہ کے لئے کافی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آج سوان خان نے شیر مست ملک سے تصفیہ شدہ رقم کچھ نقد اور کچھ جنس کی صورت میں وصول کر لی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اطلاع ملی کہ تین ملک تپہ داود شاہ سے فرار ہوئے اور داوڑ جا کر متوقع حملہ آوروں سے جا ملے ہیں ان میں دو ملک وہ تھے جو مجھے قتل کرنے کے منصوبے میں شامل تھے یہ اطلاع ہم کو ایک ہندو کے ذریعے ملی جو اسی گاوں / قلعہ میں رہتا تھا میں نے کارٹ لینڈٹ کے ذریعہ ان دو مفروروں کو متنبہ کیا کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر واپس آجائیں بصورت دیگر ان کی ملکیت اراضی بحق سرکار ضبط ہو جائیگی ویسے بھی تپہ داود شاہ میرے لئے دردسر بنا ہوا تھا بنویان کے درمیان ایک کہاوت ہے کہ فلاں تو داور شاہ سے متعلق ہے گویا وہ پیدائشی احمق ہے اور سادہ لوح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معلوم ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج میں یہ دیکھنے کے لئے گیا کہ نیا شہر کس ڈھول اور نہج پر بن رہا

ہے فصیل ۱۳ اطراف سے تقریباً ۳ فٹ تک اونچی ہو گئی ہے۔ اب بیشتر ہندووں بازار احمد خان سے اس نئے شہر دلیپ گڑھ کو آنے کے لئے بے چین ہیں اور پر تول رہے ہیں کہ وہ اپنے محبوب اور پیارے ملک لال باز خان کو بہت جلد الوداع کہنے والے ہیں یہ ہندوواس نئے شہر میں دو کانیں طلب کر رہے ہیں اگر ایسا ہوا تو بازار احمد خان غیر آباد اور تباہ حال ہو جائے گا۔ جو ہمیں منظور نہیں کیونکہ لال باز خان ہمارا معتمد اور منظور نظر ہے۔------------------------ کی کام کے سلسلے میں ایک نوجوان ارسلا خان نامی شخص تپہ سورانی سے ملنے آیا۔ یہ ایک ملک کا بیٹا تھا بڑا شکیل اور وفیہہ دوران گفتگو اس نے بتایا کہ ماضی میں اس نے اور اس کے والد نے بہت سارے قتل کئے ہیں جن کے لئے وہ اب پشیمان ہیں میں نے انہیں قانون کی پابندی کی بارے میں کہا مگر وہ قانون کی معنی اور مفہوم سے بالکل بیگانے لگے وہ بار بار پوچھتا رہتا تھا کہ قانون کیا ہے اور کیا چیز ہے۔ وغیرہ وغیرہ---------------- میں نے پھر پوچھا تم نے کتنے قتل کئے ہیں شرمیلے انداز میں جواب دیا صرف ۴ (گویا حسرت ابھی باقی ہے۔) لیکن فخریہ انداز میں کہا کہ اس کے والد نے ۸۰ قتل کئے ہیں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جب میں ۵۰ قتل پورا کروں تو لوگوں کی نظروں میں پیاوڑہ یعنی بے بدل بہادر تصور کیا جاوں گا"۔

اگر انگلینڈ میں یہ شخص ہوتا وہ قابل نفرین ہوتا مگر یہاں قابل آفرین اور قابل ستائش ہے گویا قاتل ہر اعزاز کا قابل سمجھا جاتا ہے۔ کہوں انگلینڈ میں یہ شخص قابل نفرین ہے ہمارے ہاں صاحب آفرین ہے"

آج پھر اطلاع ملی کہ داوڑ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں میں نے سوچا یہ ممکن نہیں کہ ۳۵ ہزار لشکر باہم متفق ہو جائیں مجھے اطلاع ملی کہ داوڑ لوگوں نے فی کس ایک روپیہ جمع کر کے ۱۲ ہزار روپے ہیں گویا ۱۲ ہزار کی فوج داوڑ کی ہے مزید دلاسہ خان کے بیٹے نے بھی ۳ ہزار روپیہ چندہ میں دیا ہے یہ جمع شدہ رقم مبلغ ۱۵ ہزار روپیہ مسعود قبیلے کے لئے ہے کہ وہ بھی حملہ میں شمولیت کریں جبکہ وزیر اور داوڑ آپس میں دشمن ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دروں کے بعض مقامات پر کچھ افراد کو

مقرر کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے جاسوسوں/خبر کاروں کو گرفتار کر کے قتل کیا کرے یہ بھی معلوم ہوا کہ داوڑ لوگ ہویان کو طعنہ دیتے ہیں کہ انہیں افغان پکارنا زیبا نہیں بلکہ انہیں ہندو کہنا زیادہ مناسب ہے جو واجب القتل ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے ایک کھتری نے خبر پہنچائی کہ اس نے خود سنا کہ ۴ یا ۵ ہووال میرے خیمے میں گھسنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ مجھے قتل کریں۔ ہوں والوں کی سرگوشی میں یہ باتیں ہمارے ایک حوالدار نے بھی سنی تھیں مگر وہ خاموش رہے تھے آج دیوان کھتری (بازار احمد خان) نے گورمکھی زبان کا لکھا ہوا خط پہنچایا پھر پہلی بار ۲۵ جنوری کو اسی ساد ھونے (اوتم سنگھ) خط لکھا تھا اس نے بتایا کہ 4/5 دنوں میں داوڑ کی طرف سے عام یورش ہو گی۔ مسعود کی تعداد ۱۰ ہزار توری خیل وزیر ۸ ہزار۔ داوڑ ۱۰ ہزار ہے خط میں داوڑ کی طرف سے مسعودوں کیلئے ۱۲ ہزار روپیہ اس دن تک کہ کیمپ تباہ اور مسمار ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وزیروں نے معلوم کرنا چاہا ہے کہ لوٹ مار میں ان کا حصہ کیا ہو گا اور یہ کہ داوڑ واپسی کا راستہ دیں گے یہ طے پا گیا ہے کہ مال غنیمت میں مسعودوں کو 2/3 حصہ جبکہ توری خیل اور داوڑ کو 1/3 حصہ میں مساوی ملے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ داوڑ میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ میں (ایڈورڈز) نے وزیروں کو ۳ ہزار روپیہ بطور رشوت دیا ہے کہ وہ لشکر کشی میں شامل نہ ہوں خط میں لکھا تھا کہ ۳ دن بیشتر ۲ ہندوستانی سادھوں کو جاسوسی کے شبہ میں قتل کیا گیا ہے یہ بھی کہ داوڑ کے ملا خوست گئے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو جہاد پر اکسایا جائے خط کے متن کے مطابق ولاسہ خان کے بیٹے نے زوار شاہ والئے کانی گرم کو ننہ واتئے (جرگہ) کیا ہے کہ اس مہم کی اجازت دیں اور نصرت کریں (یاد رہے ان دنوں ولاسہ خان صاحب فراش تھے)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آج علماء اور سیدوں کا ایک وفد میرے پاس آیا کہ قلعہ جات گر چکے ہیں ہماری خواتین بے پردہ ہو چکیں انہیں اجازت ہو کہ مکانات کی بیرونی دیواریں مناسب بلندی تک اونچی کریں میں نے ہاں میں جواب دیا اور کسی مسلمان کو وہاں بھیجنے کے لئے وعدہ کیا کہ وہ تصدیق کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرا مخبر نظام الدین خان داوڑ کے دوسرے

دورے سے واپس آیا حالات مذکورہ کی تصدیق کی کہ لشکر کشی کا منصوبہ ہے پر بد اعتمادی ان کے اندر پیدا ہو چکی ہے اب ان کا متحد رہنا مشکل امر ہے۔---------
میں (ایڈورڈز) نے جو خط سید زادے والئی کانی گرم داوڑ کے پتہ پر بھیجا تھا اس کا مثبت اثر ہوا ان دنوں زوار شاہ ٹانک میں تھا اور دوسرے بھائی غریب شاہ کو داوڑوں نے یرغمال بنادیا۔ کہ انہوں نے میرے ساتھ سلسلہ خبابئی قائم کیا ہوا ہے۔ اس طرح ان سید زادوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ گیا ہے داوڑ میں یہ افواہ بھی پھیل گئی ہے کہ میرے اور دلاسہ خان کے مابین بھی رابطہ قائم ہوا ہے (شاید یہ ایڈورڈز کی مخبروں کی کارستانی کا نتیجہ ہے)۔-------------ان شبہات سے میں نے بھر پور فائدہ لیا اسی اثناء میں بنوں تا لکی اور بنوں تا داوڑ تک سڑک کی تعمیر پر کام تیزی سے شروع ہوا تا کہ ساز گار حالات کا مقابلہ کیا جا سکے۔
نظام الدین نے دو فقیروں کے قتل کئے جانے کی بھی تصدیق کر دی نظام الدین نے اپنے ہاتھ سے ایک عدد خط بنام ان سید زادوں کو لکھا اور ظاہر کر دیا کہ یہ خط ملک شیر مست خان اور ملک میر عالم خان نے لکھا ہے اس سفارشی خط کے طفیل وہ ان سید زادوں کو پہنچ گیا جن سے آئندہ کا لائحہ عمل معلوم کر لیا گیا سید نے بتایا کہ قبائلوں کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لشکر کشی کریں گے-----------------نظام الدین نے بتایا کہ داوڑ ۳ ماہ میں اپنے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے۔

عیسیٰ خان مجاہد کو پھانسی

آج عیسیٰ خان مجاہد کو پھانسی دے دی گئی۔ اور یہ پہلا ہوی مجاہد ہے جسے پھانسی ملی ہے جان لارنس نے پھانسی کی توثیق کر دی تھی اس غازی نے اپنے والدین کے بارے میں پوچھا کہ کیا ان کو کوئی تکلیف تو نہیں دی جائے گی جواب ملا نہیں تو وہ مطمئین ہو گئے۔ مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ جلدی کرو اس عذاب سے خلاصی ملے-------------اسے پھانسی دیتے وقت ایک بڑا سانپ پھانسی گھاٹ سے نمودار ہوا جسے مار دیا گیا یہ سوئے اتفاق تھا یا حادثہ۔

اس صبح جزیل نہالی نے ایک گھوڑ سوار سے ایک عدد جزیل بندوق مستعار لے لی تا کہ فاختاؤں کا شکار کھیلیں دوران فائر بندوق کی نالی پھٹ گئی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا اب سارے سپاہ (ہندوستانی) ملازم وادی ہوں کو جنوں کی بستی اور سحر زدہ سمجھتے ہیں خوف وہراس کا سماں ہے۔ ہر ایک ہندوستانی سرکاری ملازم خود کو بارود کے ڈھیر پر کھڑا سمجھتا ہے اور موت جن کے تعاقب میں ہو۔

کیپٹن فریڈی بتاتے ہیں کہ میں نے ہوں قلعہ شاہی کی دیواروں پر بہت سے افراد کے نام لکھے ہوئے دیکھے۔ ان کے ناموں کے ساتھ تاریخ وفات بھی لکھی گئی تھی معلوم ہوا کہ ان افراد جو سرکاری ملازم اور سپاہ تھے نے خود کشی کر لی تھی۔

روزنامچہ سے چند اوراق مزید

ایڈورڈز بتاتے ہیں کورٹ مارشل جاری رہا (مقدمہ بغاوت) کاروائی اب مکمل ہو چکی مگر درمیان میں ایک واقعہ رونما ہوا ایک ہوی نے برہنہ تلوار کے ساتھ اندکیمپ میں گھسنے کی کوشش کی میں دیگر افسران کے ساتھ وہاں فروکش تھا اس مداخلت کار نے سنتری پر تلوار سے تین ضربیں لگائیں ہم چوکنے ہو گئے دوسرے سنتری سے میں نے تلوار مانگی حملہ آور رفو چکر ہوا مگر جنرل بشن سنگھ کے ایک سپاہی نے اسے بازوں سے پکڑ کر ریچھ کی طرح اسے دبایا پھر زمین پر پٹخ دیا اسے قتل کر دیا گیا شناخت کے لئے ملکوں کو بلایا کسی نے شناخت نہیں کی اتنا معلوم ہوا کہ یہ شخص قلعہ اللہ داد سے تعلق رکھتا ہے اللہ داد کو بلایا گیا زخمی سنتری بھی چل بسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ملک میر عالم سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان ۵ اشخاص کا علم رکھتے ہیں جنھوں نے مجھے اور کارٹ لینڈٹ کو قتل کرنے کی قسم اٹھائی ہے اس نے لاعلمی ظاہر کی میں نے حیرت سے کہا مجھے علم ہے اور آپ کو علم نہیں مجھے احساس ہوا کہ شرارت یہیں ہے۔ میں نے اسپر مزید ظاہر کر دیا کہ ۷ دسمبر کو جو مسلمان سپاہی قتل ہوا تھا پاوں کے نشانات آپ کے چاروں قلعوں تک جاتے پائے گئے ہیں۔ وہ گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں ورنہ

میں تم کہ ملک سے ہٹادوں گا۔ وہ کیمپ سے باہر نکلے مجھے تاثر دیا گیا کہ وہ ملزم/ملزمین کو ہمارے حوالہ کر دے گا۔۔۔۔۔ رات کو ایک اور حملہ ہوا بشن سنگھ کے سپاہی پر ۳ بنویوں نے تلواروں سے حملہ کر دیا وہ زخمی ہوا مگر جان بچی حملہ آور بھاگ نکلے۔

(ملک میر عالم خان مرزا علی خیل وہی شخص ہے جب انگریزوں اور سکھوں کے درمیان سکھوں کی دوسری جنگ چھڑ گئی اور ملتان میں بغاوت ہوئی ایڈورڈز اپنے چند بنویان ملکوں کے ہمراہ ملتان چلے گئے تھے۔ میجر ٹیلر بھی ہمراہ تھا موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے والئی کابل کے بھائی کو دعوت دے کر بنوں قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب سکھوں نے شکست کھائی تو ملک میر عالم خان افغانستان بھاگ گیا اور وہیں مر گیا۔)" تشدد اور ہم پر بار بار قاتلانہ حملوں سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ اب بنویان کو احساس ہونے لگا کہ ہم جانے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ مستقل حکمرانی کرنے آئے ہیں انہیں معلوم ہو چکا کہ شاہی قلعہ کی تعمیر دکھاوے اور دھمکانے ڈرانے کے لئے نہیں عزائم کچھ اور ہیں انہیں اپنی آزادی خطرے میں نظر آئی اس لئے علما نے بھی حسب ماضی انہیں ہمارے خلاف اکسانا شروع کیا انہوں نے شبخون مارنے کا پرانا طریقہ اب پھر آزمانا شروع کر دیا ہے (گوریلا جنگ کی ابتدا کر دی ہے۔")

میں (ایڈورڈز) بھی احتیاط مزید شروع کر دی ہے اور انہیں مکمل غیر مسلح کرنے کا تہیہ کر لیا ہے حکم تو ہو چکا تھا اس پر سختی سے عمل کرنا ابھی باقی تھا حکم کیا کہ جب نووارد کیمپ میں داخل ہو تو جامہ تلاشی لی جائے۔ پیکٹوں کو مزید مضبوط اور چوکس رہنے کی ہدایت دی گئی سپاہیوں کو دیہات میں جانے سے منع کر دیا گیا مجھے معلوم ہے چند سال پیشتر رنجیت سنگھ کے پوتے نونہال سنگھ پر فوج کی موجودگی میں دوبار مہلک اور قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ایک غریب معصوم لڑکا پھولوں کا ٹوکرہ لئے ہوئے خیمہ میں داخل ہوا وہ پھولوں کا تحفہ شہزادے کو نذر کرنا چاہتا تھا جونہی وہ قریب پہنچا ساتھ والے شخص نے پھولوں میں سے پستول نکال کر شہزادہ پر فائر

کرنے ہی والا تھا مگر فائر کرنے سے پہلے اسے گرفتار کر لیا گیا دوسری دفعہ متعدد بنویان نے شہتوت درختوں کی اوٹ سے ایک آبی نالی (گزرگاہ) میں سے رینگتے ہوئے شہزادہ کے خیمے تک پہنچنے کی کوشش کی اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی شہزادہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا وہ بال بال بچا متعدد دیگر لوگ زخمی ہوئے بستر گولیوں سے چھلنی ہوا۔ اس طرح بہت ساری مثالیں ہیں جن میں جنرل کارٹ لینڈ اور خود میری جان لینے کی متعدد کوششیں کی گئیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب نہ پستول بستر کے ساتھ رکھتا ہوں کھانے پینے سونے چلنے پھرنے ہمہ وقت مسلح رہتا ہوں ہمیشہ مسلح سنتری چوکس رہتا ہے کہ کہیں سے خود کش حملہ نہ ہو۔ ہر نکڑ ہر موڑ۔ ہر دروازے پر سنتری موجود رہتا ہے۔

کمزور حکومت اور کمزور پالیسی بنویان کو سابقہ ڈگر پر لے ائے گی وہی سرکشی البتہ عدل وانصاف پر مبنی نظام عملداری کے طفیل وہ آزادی کھو جانے کے غم کو فراموش کر سکتے ہیں گویا آزادی کا نعم البدل انصاف کی حکمرانی ہو تو اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ایک بار پھر جنرل لارنس سے بنویان کو مکمل غیر مسلح کرنے کے لئے اجازت مانگی مگر وہ نہ مانے۔ اس نکتہ کے ساتھ کہ اب وزیروں کے مقابلہ میں بنویان بے سہارا ہو چکے ہیں (قلعہ جات مسمار ہوئے) وزیروں کو پہاڑوں کی پناہ گاہیں حاصل ہیں۔ اور بنویان ہمارے اور وزیروں کے رحم و کرم پر رہ گئے ہیں اب مجھے بنویان کو غیر مسلح کرنے کا اقدام ترک کرنا پڑا البتہ متبادل راستہ یہ ہے کہ اسلحہ کی نمائش پر پابندی مزید مالیہ کی عوض میں بنویان سے اسلحہ خریدا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دلیپ گڑھ (شہر بنوں) ۲ جنوری ۱۸۴۸ء

یہ نیا شہر دلیپ گڑھ قلعہ شاہی سے ۱۰۰۰ قدم کے فاصلے پر ہو گا جو ہمارے توپ گولوں کی زد میں ہو تاکہ بندوق کی گولی کی زد میں رہے۔ تاکہ اگر مقامی باشندے بنوں شہر پر قبضہ کرنا چاہیں تو ہماری توپوں کی زد میں رہے۔ اور ان کی بندوقیں بے کار ثابت ہوں جب کہ جزیل بندوقیں

صرف یہ ملک کے پاس ہوتی ہیں عوام کے پاس نہیں

جنوری ۱۸۴۸ء جھنڈو خیل زمین کی تصفیہ شدہ اراضی کی حدبندی کے لئے ثالثان مطلوب تھے (تنازعہ شیر مست خان اور سوان خان کے مابین تھا) یہ وسیع علاقہ عرصے سے بنجر پڑا ہوا تھامیں اس کا تصفیہ کر کے قابل کاشت بنانا چاہتا تھا۔ وزیروں نے اپنے قوم سے تین غیر جانبدار افراد کو نامزد کیا مگر ملک شیر مست خان/ہویان اپنے ہی قبیلے کے افراد پر بھروسہ نہ کر سکے انہوں نے بازار احمد خان کے نیچ ذات سے تین افراد چن لئے۔ جن میں دو تیلی (تیل نکالنے والے) اور ایک باغبان تھا۔

بنوں شہر کا نام دلیپ گڑھ کیوں

"یہ اس دلیپ سنگھ پسر رنجیت سنگھ کے نام سے منسوب موسوم ہوا جو معصوم نابالغ اور موجودہ حکمران تھا اور جو انگریزوں کے طفیل تاج و تخت کا مالک ہوا تھا دوسری وجہ (سکھوں کی طرف سے) حسد ہے جو میں چاہتا تھا کہ حتی المقدور اس کی مدد کروں ان کی حکومت مضبوط مستحکم اور قائم رہے اور کامیاب رہے۔ مگر یہ سکھ سردار خیال کرتے تھے کہ دلیپ سنگھ ایک طفیلی حکمران ہے اور ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اپنے ہی فائدے کے لئے کر رہے ہیں۔

---------------اس لئے سکھوں نے عجلت میں ۱۸۴۸ء میں عہد شکنی کر کے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھا لئے اگرچہ وہ خود حکومت چلانے کے قابل نہ رہے تھے ۱۸۴۶ء میں بھی یہی صورت حال تھی یہی وجہ تھی کہ انہوں نے خود ہم انگریزوں سے درخواست کی کہ ہم ان کی رہنمائی اور معاونت کریں۔"

جنوری ۱۶ ۱۸۴۸ء

میں نے ایک بار پھر افسران کو جمع کیا اور تاکید کی کہ کیمپ میں رہا کرے پن چکی کے قریب ایک فوجی پیکٹ قائم کیا (یہاں پچھلی رات میں ایک سپاہی پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا) تاکہ رات کی تاریکی

میں کسی ہوی کو دیکھ کر ہی گولی سے اڑ دیا جائے۔۔۔۔۔۔۔ شہتوت درختوں کو سکھ سیاہ بے دردی سے کاٹ رہے تھے پشاور اور کشمیر میں بھی انہوں نے جنگل کے جنگل ویران کر دیے تھے یہ امر میرے لئے باعث تشویش ہے۔

اسی شام اس نئے شہر کو نام دینا تھا یعنی دلیپ گڑھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۷ اجنوری ۱۸۴۸ء

"آج ساون خان ایک اہم راز بتانے آئے ہویان ایک منصوبہ کے تحت مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک لے جانے کے لئے چند سروں کی قربانی دینا بھی قبول کیا ہے بقول ساون خان ملک جب میں کسی قلعہ کے گیٹ میں گزروں تو مجھ پر حملہ ہو گا ممکن ہے اس کشمکش میں یہ جوان بھی قتل ہوں کوئی پرواہ نہیں انگریز افسر سے چھٹکارا تو مل جائے گا۔ یہ توان کی خام خیالی ہے میری جگہ ہویان کو دوسرا انگریز افسر مل جائے گا۔ بقول سوان خان یہ منصوبہ داود شاہ تین تپہ جات کے ملکوں نے تیار کیا ہے جنرل کارٹ لینڈٹ کو بھی یہی معلومات ۷ اجنوری شام کو ملیں۔

جس سے ملک ساون کی خبر کی تصدیق ہو گئی جنرل کارٹ لینڈٹ کو یہ اطلاع ایک ہندو نے پہنچائی جو تپہ داود شاہ کا باسی تھا یہ معلومات ساون خان کے مقابلے میں زیادہ واضح تھیں۔ اس ہندو کے مطابق اس سازش میں وزیر بھی شامل ہیں (مگر سوان خان نے اس بارے میں نہیں بتایا تھا) منصوبہ کے مطابق چار سو کے قریب داوڑ بھی قلعہ داود شاہ میں آئیں گے۔"

۱۸ اجنوری ۱۸۴۸ء

"ہندوؤں کو بتایا گیا کہ ان سے ۵ روپیہ سالانہ کرایہ لیا جائے گا فی دوکان اس کے بدلے میں انہیں تحفظ ملے گا غلہ ٹیکس نہیں ہو گا۔ ہر ہندو اپنے خرچ پر دوکان تعمیر کرے گا وہ دوکان کا مالک بن جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کچہری کے کام سے فراغت پا کر کیمپ میں ملک

ساون خان سے محو گفتگو تھا ہوں کے حالات زیر بحث تھے اچانک شور مچا (تلواریں چل گئیں) ساون خان خالی ہاتھ تھا کیونکہ کیمپ میں اسلحہ لے جانا ممنوع تھا اس کے ساتھ ان کا ایک ساتھی فریدے بھی تھا دونوں خالی ہاتھ فرید کیمپ رولز کو برا بھلا کہنے لگا اور افسوس کیا کاش آج میں خالی ہاتھ نہ ہوتا اور کم از کم میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تاکہ دشمن کا کام ختم کر دیتا۔ اس نے مزید کہا کہ یہ خود ایک جرم ہے کہ کسی کو تہی دست بنا کر حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

ہوا یوں کہ ایک باغی (غازی) نے کیمپ میں میرے خیمے میں بزور گھسنے کی کوشش کی تاکہ مجھے قتل کر دے ـــــــــ میں اب ڈبل بیرل پستول ساتھ رکھنے لگا تھا میز پر بستر میں۔ دستر خوان پر اپنے پہلو میں۔ــــــــــــــــ میں نے فوراً دونوں بیرل لوڈ کئے خیمہ سے باہر نکلا شور زیادہ تھا غالباً باغیوں (غازیوں) کی تعداد کوئی درجن بھر ہوگی۔ میں تنہا خیمے میں جو ۱۴ فٹ ہو گویا بچ جانے کی امید کم ہی تھی میں مشکل سے باہر نکلا۔ ایک باغی (غازی) سنتری اور چپڑاسی کو عبور کرتے ہوئے دوسرے دروازے سے میرے خیمے میں داخل ہوا میں نے آہٹ سنی گھوم کر خیمے کی پردوں میں سے دیکھا کہ ایک ہوی ننگی تلوار لئے پاگل بیل کی طرح حملہ آور ہوا خیمہ کا پردہ الٹ پلٹ ہوا۔ خیمہ کا دروازہ قد آدم سے کم اونچا تھا باغی (غازی) جھک کر نکلنے لگا سر سے پگڑی گر گئی چونکہ اس وقت میں خیمے کے باہر کھڑا تھا وہ خیمے سے باہر مجھے ادھر ادھر تلاش کرنے لگا جیسے شیر کا حملہ خالی جائے تو مزید غصہ میں آتا ہے۔ وہ غصہ سے پاگل تھا ہم دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں میرے پاس سوائے گولی چلانے کے کوئی سبیل نہ تھی۔ میں نے گولی چلا ہی دی گولی اس کے سینے میں پیوست ہو گئی وہ لڑکھڑایا مگر گرا نہیں دوسری گولی چلانے والا ہی تھا کہ متعدد سپاہ نے یک بارگی اس باغی (غازی) پر تلواروں سے حملہ کر دیا اس باغی (غازی) کو بے شمار ضربیں آئیں اس کے بدن کے ٹکڑے اور بوٹیاں بکھیر دی گئیں۔ لاش کو گھسیٹا گیا کوئی فرد و بشر ایسا نہ تھا جس نے اسے تلوار سے ضرب نہ لگائی ہو۔ اسے تقریباً قیمہ کر کے رکھ دیا گیا کچومر نکال دیا گیا۔ مگر تعجب کی بات ہے زندگی کی رمق اب بھی باقی ہے وہ زندہ ہے رات گئے تک زندہ رہا بعض افسروں نے تجویز دی کہ اسے اس نیم مردہ حالت ہی میں پھانسی لگا

کرنے سے روک دیا میں نے کہا صبح تک وہ خود مر جائے گا ہاں اس کی نعش عبرت کے لئے پھانسی دی جائے۔ فوجیوں کا غصہ دیدنی تھا وہ اسے زندہ جلانا چاہتے تھے میں نے بصد دقت انہیں ایسا
پر آویزاں رکھی جائے۔ (چند دنوں تک) ---------- خوشی سے مبارک باد کے نعرے
گونج اٹھے جم غفیر جمع ہوئی اس وقت بھی تقریباً ۳۰ تلواریں ہوا میں لہرا رہی تھیں کوئی کہتا اس
کتے کو ایسا مارا ویسا مارا وغیرہ وغیرہ یہ سب تلواریں (غازی کے خون سے) تربتر تھیں مضروب کا
جسم چھلنی ہو چکا تھا جسم کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہ تھا۔ ان لوگوں نے مجھ پر پیسے نچھاور کئے
نذرانے دئے اس مضروب نے میرے ایک چہیتے ملازم کو زخمی کر دیا تھا جس پر پیچھے کی طرف
سے حملہ ہوا تھا۔ بہت گہرا زخم لگا ہوا تھا بہتر ہوتا اس باغی ناہنجار (غازی) کو فوراً پھانسی لگتی مگر
عدالتی کاروائی مانع تھی ---------------

ہوپان میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مردے (شہید) کے دفنانے میں تاخیر ہو یا پھانسی لگے تو
ثواب شہادت ضائع اور زائل ہو جاتا ہے اور نیکیاں برباد اور جس جنت کے حصول کے لئے
شہادت کا درجہ ضروری ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ گویا (شہید وفا محروم وفا ہو جائے) یعنی جنت
سے محروم یہی وجہ ہے کہ سکھ سپاہ مسلمان شہیدوں کو جلا دیتے ہیں تاکہ جنت سے محروم ہو
جائے سکھوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمان شہید ہندو بن کر مرتا ہے۔
---------- مگر میرے نزدیک کسی شہید کو مذہب سے محروم رکھنا یا کافرمانا
ہندوانہ طریقہ پر دفنانا وغیرہ وغیرہ غیر شائستہ فعل ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے جیسے سکھ سپاہ کا وطیرہ اور
رویہ رہا ہے۔

۲۲ جنوری ۱۸۴۸ء

مقتول کا نام ضابطہ خان ولد شیر خان گاؤں حسن خیل تپہ بازار احمد خان معلوم ہوا اس کی ماں نے
اسے پہچان لیا ----------

تپہ بازار احمد خان کے فصل خریف کا حساب کر کے معلوم ہوا کہ ۶۲۱۱ کنال اراضی عام

زمینداروں کے پاس ہے جبکہ ۲۶۵۶ کنال اراضی سید اور دیگر مذہبی طبقہ کی ملکیت ہے اس طرح اس مذہبی طبقے کے پاس بجائے 1/3 حصہ قطعہ اراضی کے تقریباً نصف اراضی کے مالک ہیں مذید زمینداروں سے آمدن کا 1/4 حصہ لگان جبکہ مذہبی طبقہ سے آمدن کا 1/6 حصہ لگان لیا جاتا ہے بازار احمد خان سے اس فصل کی کل آمدن تقریباً ۵ ہزار روپیہ ہے جبکہ موسم بہار میں آمدن فصل سرما کے مقابلے میں نصف رہ جاتی ہے۔ اس طرح اب سالانہ آمدنی ۷۵۰۰ روپیہ بنتی ہے بنوں وادی میں اس وقت ۲۰ تپہ جات ہیں اس نسبت سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ بنتا ہے۔۔۔۔۔۔ میں (ایڈورڈز) نے کاشتکاروں سے کہا میں چاہتا ہوں ملک آباد خوشحال۔ فارغ البال ہو۔۔۔۔۔ آمدن زیادہ ہو لگان کم۔۔۔۔۔ یہ ملک اب طفیلی نہیں رہے گا تم بلاواسطہ اپنا رابطہ سرکار کے ساتھ قائم کر سکو گے اب ملک تمہارا مزید استصال اور استحصال نہیں کر سکے گا۔

۲۴ جنوری ۱۸۴۸

میرا باورچی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا مجھے دکھ اور رنج ہوا۔ اگرچہ ایک مقامی حکیم نے اسکی حالت تسلی بخش بتائی تھی اس سے تمام ہندوستانی ملازمین میں خوف وہراس پیدا ہوا میں نے خوذ اپنے کانوں سے سنا کہ یہ لوگ میری واپسی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں اس لئے میں نے اپنے سیکرٹری کے ذریعے انہیں پیغام پہنچایا کہ "جو چاہیں اپنی مرضی سے جاسکتے ہیں مگر جب انہوں نے میرے ساتھ رہنا ہے تو اپنی زبانیں بند رکھیں گے۔ کیونکہ ویسے بھی بنوں پہلے سے بلاؤں اور جنوں کی بستی مشہور ہو چکا ہے"

۔۔۔۔۔۔۔۔ نظام الدین سپاہی نے بتایا بحوالہ ملک جعفر خان غوریوالہ جس نے داود شاہ کے کچھ علما سے سنا ہے کہ داود میں ۱۰ یا ۱۲ مسلمان 'غازی' ہو گئے ہیں گویا مفرور بن گئے ہیں یہ اطلاع نظام الدین کو جعفر خان نے پہنچائی تھی یہ کہ انہوں نے قرآن پاک پر قسم اٹھائی کہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ۔۔۔۔۔۔۔ داوڑ لوگ سرکش خودسر اور شرپسند واقع ہوئے ہیں۔ (یاد رہے یہی الفظ بنویان کے باب میں بھی استعمال ہوئے ہیں) صفحہ نمبر ۱۸۰ اے ایران

دی پنجاب فرنٹیر داوڑ کے بارے میں۔

"Daurs are the most vicious and degraded tribe of the Afghan nation" Page 180 A. on the P.F

داوڑ میں ۱۵۰ کے قریب قلعہ بند گاوں ہیں کاشتکاری خوب ہے حکومت کابل کے اثر سے آزاد ہے۔ داوڑ لوگ بنویان کے بہی خواہ ہیں اور دوست ہیں جبکہ وزیروں کے بد خواہ اور دشمن ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آغا عباس (خبر کار) نے ۱۸۳۷ میں اس علاقے کو دیکھا تھا وہ کہتے ہیں کہ داوڑ کے ملحقہ پہاڑوں میں ایک قبیلہ ہے جو اپنی ابروئیں بالکل صاف کرتے ہیں اور ان پر بہت زیادہ سرمہ لگا لیتے ہیں۔ مونچھیں اور داڑھی دونوں کو منڈواتے سرمہ آنکھوں سے اوپر اور نیچے لگاتے ہیں اس طرح وہ بالکل جن یا بھوت ہی لگتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ داوڑ کے قلعہ نما گاوں کی تفصیل یوں ہے بڑے بڑے ملک تین ہیں گویا ٹی۔ اسماعیل خیل اور حیدر خیل کے ملک۔

نام تپہ و قبیلہ	تعداد مکان	تعداد مسلح افراد معہ ملک
خدی خیل	۶۰۰ (ایک ہزار) ۱۰۰۰	محمود خان خٹک
قبیلہ اسماعیل خیل	۱۰۰ (۳ ہزار) ۳۰۰۰	علی خان
حیدر خیل	۳۰۰ (دو ہزار) ۲۰۰۰	کمال خیل

لوگ آپس میں منقسم ہیں دشمنیاں جنگ وجدل روز کا معمول ہے (جیسے بنویان) عام آبادی مذہبی پیشواوں کے زیر اثر ہے۔ یہاں دو سید ہیں عملاً ان کی حکمرانی ہے۔ یہ دونوں کانی گرم کے باسی ہیں ایک سید کا نام زواہر شاہ (جواہر شاہ) اور دوسرے کا نام غریب شاہ ہے وہ بزور کسی سے لگان وصول نہیں کرتے۔ البتہ زمیندار خود اپنی مرضی سے دیتے ہیں۔ یہ دونوں سید زادے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔

نام ٹپہ	نام ملک	نام ٹپہ	نام ملک خدی خیل
خدی خیل	نواب شاہدیدار	سوخیل	شیخ ہمایون
عیدک	ولی اور شاہ دیدار	حیدر خیل	میر دار
مبارک زئی	پیاوبودین	تپی مداسن	خدرای خیل
میران شاہ	زریپ	درپہ خیل	اکبر شاہ
مدرسن جہانگیر	ھمزونی ممدی	میرک	خان زمان

مسلح شیر خان بلوچ وآدم

۲۵ جنوری ۱۸۴۸ء

ٹپہ داوو شاہ میں ان دونوں قلعہ جات کے لئے معہ محافظ دستہ روانہ ہوا جہاں میرے قتل کے لئے سازش اور منصوبہ بنا تھا۔ ان قلعہ جات کا مالک ملک جعفر خان اور ملک شادی خان تھا یہ دونوں قلعہ جات متصل واقع تھے۔ یہ دونوں بہت بڑے قلعہ جات تھے مضبوط مستحکم آبادی کافی تھی (یہ دونوں قلعہ ابتک استادہ تھے انہیں گرایا نہیں گیا جس کے لئے میں نے حکم دیا تھا تقریباً سارے بنوں میں اس پر عمل بھی ہوا تھا) گرانے کا ان کے پاس معقول بہانہ نہ تھا سوائے حکم عدولی کے جب ہم وہاں پہنچے ملک شادی خان چھپ گیا۔.................یہ ان کی بے مروتی تھی۔.............میں نے سوچا یہ دونوں ملک کسی رو و رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ لہذا دونوں پر بھاری جرمانہ مبلغ ۵۰ روپیہ فی کس لگایا گیا۔.........وصولی جرمانہ کے لئے وہاں ایک گھڑ سوار رکھا اس کے قیام وطعام متعلقہ ملکوں کے ذمہ ہوگا دونوں ملکوں نے اسی دن جرمانہ ادا کیا۔

۲۸ جنوری ۱۸۴۸ء

(قلعہ جات مسمار ہوئے شاہی قلعہ کی تعمیر مکمل ہوئی)

اب واجب الادا لگان کی وصولی کا وقت آن پہنچا جو تقریباً ۷ سالوں سے معرض التوا میں پڑا ہے۔ جان لارنس نے فیصلہ دے دیا کہ مالیہ کی ذمہ داری مرتہن کی ہے تا کہ راہن کی (راہن جس نے

مرتہن وہ شخص ہے جس نے کسی اور کی زمین خاص رقم کے عوض
زمین گیروی پر دی ہو۔
گیروی کرر کھی ہو ماضی میں مالیہ کی ادائیگی راہن کی ذمہ داری ہوتی تھی)

جان لارنس نے ایک طریقہ وضع کیا جس کے بموجب چند سالوں کے بعد زمین خود بخود آزاد ہو
جایا کرتی ہے۔ گویا فک الرہن ہوتی۔ اصول یہ مرتب ہوا کہ آمدن کا ۱۲٪ مرتہن کو ملے گا اور باقی
آمدن قرض کی رقم میں سے منہا ہو۔ تاکہ جب اصل زر پورا ہو جائے تو زمین اصل مالک کو واپس
ملے گی راہن اکثر یا تو ہندو ہوا کرتے تھے یا مذہبی پیشوا حیرت کی بات ہے کہ معاملہ رہن اراضی
اسلام میں ممنوع ہے مگر مذہبی پیشوا اس کار شر میں شریک ہیں۔----------
اب وزیر اور بوی کے عادات وافتاد طبع کا جائزہ پیش خدمت ہے آج سوان خان نے اختتام ہفتہ
گھر رخصت پر جانے کی اجازت طلب کی بتایا کہ وہ گھر جا کر بیوی سلامت سے رجوع کرینگے۔

موازنہ و مقابلہ

بوی کا افتاد طبع ملاحظہ ہو۔
میں (ایڈورڈز) ارسلا خان نامی شخص سورانی کو اجازت دوں کہ وہ ٹکٹکی باندھ کر میری آنکھوں
میں آنکھیں ڈال کر جی بھر کے دیکھے۔--------------------(ایڈورڈز کے
نزدیک یہ تضاد اور افتاد طبع کا اختلاف قابل لحاظ حد تک توجہ طلب ہے۔ ایک میں صراحت۔
وضاحت۔ صفائی۔ بے باکی اور معصومیت ہے دوسرے میں تصنع اور غیر فطری اظہار محبت
ہے) اور غیر فطری انداز سے جذبات کی تسکین پائی جاتی ہے)

(خط کا جواب)

یاد ہو میں نے سید زوار شاہ والی کانی گرم کو داوڑ کے پتے پر خط لکھا تھا اس کا جواب آج موصول ہوا خط کا متن یہ ہے۔

انہوں نے حلفیہ کہا کہ "انہوں نے اپنے مریدوں کو باز رکھنے کو کہا ہے مزید تائید کے ساتھ بتایا کہ میں محتاط رہوں کچھ بویان تم کو قتل کرنے کے در پے ہیں اور داوڑ کی طرف سے عام یورش یا لشکر کشی محض مبالغہ ہے"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سوان خان مصر ہیں کہ داوڑ کی طرف سے حملہ ہوگا اور مزید کمک کے لئے کہا مگر انہیں توپوں کی اہمیت کا تجربہ نہیں جو قلیل تعداد بھی دشمن کے جم غفیر کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔پانچ فروری ۱۸۴۸ء ٹیلر سے ملنے کے لئے ملک سوان خان وزیر کو کرک روانہ کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تا کہ بارکزئی دستہ اور وزیروں میں تصادم نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔چند دن بیشتر میں نے سوان خان کو بکا خیل وزیروں کے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا تھا کہ بکا خیل وزیر ماضی کی طرح لوٹ مار سے باز آجائیں اور جن کے لئے وہ ضمانت دے مگر انہوں نے یہ پیغام ان سنی کر دیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بابا اتم سنگھ (خبر کار) کی طرف سے پیغام ملا کہ دلاسہ خان پھر متحرک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ۲۰۰۰۰ ہزار محسود جمع کرنے کو کہا ہوا ہے۔ یہ پانچ یا چھ دنوں کے اندر بنوں پر یلغار کرنے والے ہیں نظام الدین خبر کار کے مطابق داوڑ نے اپنی اراضی کا 1/10 حصہ محسودوں کو دینے کی پیش کش کی ہے۔ تا کہ "صاحب" کا راستہ روک کر ان سے گلو خلاصی ملے اور بنوں آزاد ہو جائے مگر محسودوں نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا۔ اور کہا کہ "صاحب" (ایڈورڈز) بنوں سے 1/4 حصہ لگان لیتا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی 1/4 حصہ اراضی ملنا چاہیے۔ جبکہ ہم مسلمان بھائی ہیں۔ اور ایڈورڈز کافر حکمران ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم آسانی کے ساتھ انگریزوں کو

وادی سے نکال سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔معاملہ یہیں ختم ہوا۔ کیونکہ داوڑلوگ کبھی بھی یہ پسند نہیں کریں گے۔ کہ بھیڑوں میں بھیڑیا گھس آئے جس لبادے میں بھی ہو خواہ انگریز محسود یا وزیر۔

۹فروری۱۸۴۸

منور دین خبر کار اطلاع دیتے ہیں ہم پر لشکر کشی تین اطراف سے ہو گی ا) محسود وزیر شکتی کے راستے سے جو جانی خیل کے علاقے میں ہے ۲) داوڑ باران روڈ کے ذریعے ۳) خوستی کرم کے راستے سے یہ لوگ بنوں میں ملیں گے اور قران شریف پر قسم اٹھائیں گے۔ پھر تقسیم ہوں گے اور الگ الگ حملہ کریں گے جمعہ کا دن مقرر ہے۔ بقول منور دین خبر کار اگر اس بار بھی ہم پر حملہ نہ ہوا تو پھر کبھی بھی نہ ہو گا۔ یہی پیغام میں نے جنرل ٹیلر کو بھی پہنچادیا انہیں پہنچنے میں قدرے تاخیر ہوئی۔ رپورٹ کی صداقت کے پیش نظر خدشہ تھا کہ ایسے بحرانی موقع پر کچھ بنویان کی طرف سے حملہ کیا جاسکتا ہے معلوم ہوتا تھا کہ داوڑ قبیلہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ پڑوس کے قبائل کو مجوزہ حملہ میں شریک کرے احتیاط برتنے کے لئے کافی شواہد آچکے ہیں مگر پریشانی کی کوئی بات نہیں ہم مضبوط ہیں۔ بشرطیکہ ہمارے آدمی اس کو سمجھیں سب سے بڑی حکمت عملی خوف کو نہ ظاہر کرنا ہے جہاں تک ممکن ہو۔ احتیاتی تدابیر کو بھی خفیہ رکھنا چاہئے اگر ہمارے سپاہ بددل نہ ہوں تو ہم نئے تعمیر شدہ قلعہ کے طفیل تمام کابل (افغانستان) کے سپاہ کا بھی بخوبی مقابلہ کرسکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۱فروری۱۸۴۸ء

داوڑ کا ملک لارا خان مقررہ دن پر آیا جو حیدر خیل کا تھا۔ اس نے نظام الدین (خبار کار) جیسی رپورٹ دی کہ داوڑ کی طرف سے حملہ متوقع ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ داوڑ میں خبر پہنچی ہے کہ بنویان کے قلعہ جات انگریز سپاہ گرا رہے ہیں۔ مویشی مال و متاع کو لوٹا جارہا ہے عورتوں سے

زیادتیاں ہو رہی ہیں غرض سکھوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے داوڑ اپنے ملاوں اور ملکوں کے ساتھ مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ صورتحال پر غور کیا گیا۔ متفقہ رائے یہ ٹھہری کہ اب فوج ان کے علاقے میں بھی آئے گی انہوں نے فیصلہ کیا کہ تلوار اٹھائیں اور ہوں جا کر کافروں سے لڑیں گے۔ بقول لارا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود جا کر بچشم خود حالات معلوم کرے جب کہ مجھے بتایا گیا کہ میں زندہ سلامت واپس نہیں آوں گا۔ وہ بتاتے ہیں وہ روانہ ہوئے اور خود کو مری قبیلہ کے ایک قلعہ مین چند روز کے لئے چھپا لیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا کوئی سپاہی یا سپاہ قلعہ توڑنے گرانے کے لئے آتا ہے۔ یا کسی خاتون کو زبردستی اٹھایا جاتا ہے۔ مگر اس نے ایسی کوئی چیز نہ دیکھی۔ البتہ اس نے سنا چند دن قبل "صاحب" خود آئے تھے وزیروں نے جو بند توڑا تھا وزیروں نے اپنی سپاہ سے بند کو از سر نو درست کروایا۔ اور ہویان مری اپنی زمینوں کو پانی دے سکے۔ فصل اگا سکے لارا کہتے ہیں اسے پھر بھی اعتبار نہ آیا۔ سمجھا لٹیروں کی زد سے یہ علاقہ دور پڑتا ہو۔ اب چاہا۔ خود کیمپ آئے۔ وہ ہمارے کیمپ کے نزدیک کسی دیہات میں آیا۔ اور دیکھا کسی قسم کا تشدد ظلم نہیں۔ مگر یہاں ہر کوئی اپنے کام میں مگن اور مطمئن اور مصروف ہے اب ہمت ہوئی اور کیمپ میں آیا۔ ادھر ادھر دیکھا میں صاحب کے خیمے کے نزدیک کہیں بیٹھ گیا تماشا دیکھتا رہا لوگ عدالت میں آتے ہیں انصاف پاتے اور رخصت ہو جاتے ہیں لارا کا غصہ اور نفرت فرو ہو گئی خیال گزرا کتنا جھوٹ اور بہتان سنا لارا بار بار کہتا کہ اب ان کے دوست احباب اسے زندہ سلامت واپس آکر دیکھیں گے۔ تو حیرت کا اظہار کریں گے۔ (ایڈورڈز) میں نے اسے ریشمی پگڑی دے دی کہ وہ پہن لے اس پیغام کے ساتھ رخصت کیا۔ کہ وہ داوڑ لوگوں سے کہہ دے کہ صاحب سے ملا اور اس نے میری پذیرائی کی۔ اور وعدہ کیا اگر وہ اپنے کام سے سروکار رکھیں گے گڑبڑ نہیں کریں گے تو صاحب کبھی بھی ان کے علاقے میں قدم نہیں رکھے گا اور بصورت دیگر صاحب آکر ان کے گھروں تک جلا دیگا۔

مجھے منور دین (جاسوس) نے بتایا کہ ہمارے خلاف دشمن کے درمیان اتحاد مشکل ہو گیا ہے۔ کوششیں ترک کر دی گی ہیں۔ خوستیوں نے انکار کر دیا ہے کیونکہ برف باری شروع ہو چکی ہے۔ محسود وزیر آپس میں الجھ پڑے ہیں اور ملک کے بیٹے جہانگیر خان نے دوسرے ملک کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ اس طرح سارا قبیلہ تقسیم اور باہم دست گریبان ہو چکا ہے۔ داوڑ بھی منتشر ہو چکے ہیں اور خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اب صرف رسمی کاروائی باقی ہے۔ اس نوع کی اطلاع جرنل کرٹ لینڈت کو بھی ملی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے داوڑ کے بارے میں جان لارنس کو تفصیلی خط لکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ صلاح ٹھری کہ داوڑ پر قبضہ فی الحال ملتوی کیا جائے۔ ان قبائل کو زیر کرنا آسان ہے۔ مگر قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بار بار اتم سنگھ نے سکھا سنگھ کے زریعہ پیغام دیا کہ قبائل کا اتحاد عملاً ختم ہو چکا ہے مگر دلاسہ خان کا بیٹا شیخی نے ڈاکوں کا ایک گروہ منظم کیا ہے۔ کہ وہ ہمارے مال مویشیوں پر یلغار کرتا رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بازار احمد خان کے کھتری دیوان جو عموماً داوڑ سے پیغام رسانی اور جاسوسی کیا کرتا تھا۔ آج صبح خود آیا بتایا کہ دلاسہ خان کا بیٹا۔ خوست گیا ہوا ہے۔ امیر کابل کے بیٹے کے ساتھ سازش کر کے وہاں فنڈ اور فوج جمع کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور یہ کہ ہم پر حملہ کرنے کا خیال ابھی ترک نہیں ہوا ہے۔ میرا ابھی یہی خیال ہے کہ حملے کا خیال عارضی اور وقتی طور پر ملتوی ہوا ہے ترک نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۵ فروری ۱۸۴۸ء

ملک لال باز خان آئے تجویز پیش کی ویال چشمہ حالیہ سیلاب کے باعث ناکارہ ہو چکا ہے اس کی دوبارہ مرمت ضروری ہے۔ اجازت ہو کہ جو علاقے اس ویال سے مستفید ہوتے ہیں وہ اس

مرمت میں شرکت کریں اجازت ہو تو انہیں ایک کوتوال کے ذریعہ بلا لاوں مثلاً علاقہ موسٰی خان کالا خیل اور اسماعیل خانی۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس طرح ان کے اس عمل سے نوابی اور سرداری کی بوآتی ہے۔ بنویان ضدی حاسد خود سر لوگ ہیں اس اقدام سے ناراض ہوں گے اور اپنی حق تلفی سمجھیں گے اور توہین بھی۔

علاقہ منڈان میں موسٰی خان کالا خیل کا مستی خان ملک تھا۔ میں نے موسٰی خان کے بیٹے شاہ ولی خان اور مستی خان کو خود بلا بھیجا۔ کہ وہ چشنہ کی صفائی میں ملک لال باز کی امداد کریں۔

ملک مستی خان نے معاً انکار کر دیا شاہ ولی خان کے باپ موسٰی خان اور لالباز خان کے مابین ایک دیوار پر تنازعہ تھا اور جھگڑا ابھی ہوا تھا وہ جذباتی ہو کر کہا کہ ہمارا پانی اور ویال الگ ہے۔ ہم کیوں لالباز خان کے ویال کی صفائی اور مرمت کریں اس پر لالباز خان نے غصے میں آکر کہا اور ہاتھ آگے بڑھا کر دری پر زور سے دے مارا اور کہا (میں ایک سو روپیہ ابھی ابھی دوں گا اور تم بھی اس دری پر رکھ دو اگر تمہارے ویال کا پانی ویال چشنہ سے نہ ہو صاحب (ایڈورڈز) یہ رقم بیشک ضبط کر لے۔ اگر ہے تو تمہاری رقم ضبط ہو جائے گی۔ شاہ ولی خاموش ہو گئے جوش ٹھنڈا اور لاجواب ہوئے حیرت اس بات پر رقم کی ضیاع کی فکر ہے مگر اخلاقی شکست پر ندامت نہیں تفتیش کے بعد معلوم ہوا۔ کہ پانچ نہروں کو چشنہ سے پانی فراہم ہوتا ہے۔ میں نے متعلقہ ملکوں کو حکم دیا کہ وہ چشنہ کی صفائی میں لالباز خان کا ہاتھ بٹائیں گے مگر لال باز خان کی طرف سے کوتوال روانہ کرنے کی تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ خبر گیری کی ذمہ داری متعلقہ ملک پر چھوڑ دی گئی۔ میں نے حکم دیا کہ آئندہ بھی ویال چشنہ کی صفائی اور مرمت میں بغیر حیل و حجت کے اپنا کردار ادا کرو گے۔

۲۷ فروری ۱۸۴۸ء

ساون خان نے روزی کے ذریعہ اطلاع دی کہ انہوں نے وزیروں سے ایک سو پچاس فربہ دنبے بطور خراج جمع کیے ہیں اور وہ (سوان خان) دلیپ گڑھ آئے ہیں کیونکہ تھل کا علاقہ سیلاب سے متاثر ہوا ہے۔

چونکہ کل میں نے بنوں سے روانہ ہونا ہے چاہار خصت ہونے سے پہلے وزیری خراج/اطاعت دیکھ لوں میں نے روزی کو پیغام دیا کے سوان خان مجھ سے ان دنبوں کے ہمراہ غوری والا میں مل لیں انہیں وہاں خلعت فاخرہ سے بھی نوازنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۸ فروری ۱۸۴۸ء بنوں میں آخری دن ہے صبح سویرے دربار لگا دیا تاکہ فوجی افسروں سے الوداعی ملاقات ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔:

اس دربار خاص کو برخاست کرنے کے بعد بنویان ملکوں کے لئے دوسرا دربار لگایا۔ ان ملکوں نے بیشمار مسائل پیش کیے۔۔۔۔۔۔۔ گویا انفرادی اغراض کے شکار بنویان ملک۔۔۔۔۔۔۔ میں نے بتایا کہ آئندہ عائد لگان کا ۵ فیصد (پنچوترہ) ملک تپہ اور ۵ فیصد متعلقہ گاوں کے ملک جب وہ مالیہ جمع کریں گے اس طرح ۱۰ فیصد بطور زرعی ٹیکس ان ملکوں کو دیا جائے گا مگر لالباز خان بازار احمد خان اور ملک جعفر خان غوری والا مستثنیٰ ہوں گے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو وصول شدہ مالیہ کا ۲۵ فیصد ملا کرے گا۔ ان کی طرف سے تعاون اور درست رویہ رکھنے کے باعث ان کو یہ رعایت دی جاتی ہے۔

بصد مشکل ان ملکوں سے گلو خلاصی ہوئی۔ ورنہ ہر خواہش کے بعد وہ یہی کہتے تھے کہ بس یہ آخری خواہش ہے۔ جن ملکوں نے مثبت رویہ رکھا تھا۔ ان کی تعریف کی۔ اور دوسروں سے کہا کہ میری عدم موجودگی میں درست رویہ اختیار کریں۔ تقریباً آٹھ بجے صبح کیمپ سے رخصت ہوا۔ ٹیلر اور کارٹ لینڈٹ کے ہمراہ ہم آکرہ دیکھنے گئے۔ میں نے دامن آکرہ میں دوستوں سے الوداع کہی ٹیلر اور کارٹ لینڈٹ سے رخصت ہوا میرے دونوں دوست شاہی قلعہ دلیپ گڑھ کی طرف واپس ہوئے۔ اور میں بنوں کی سرحد کی طرف کوچ کر گیا۔ اور غوری والا کی طرف بڑھا۔ غوری والا ۲ بجے بعد دوپہر پہنچا۔ غور والہ قابل ذکر گاؤں ہے۔ گاؤں کی فصیل بالکل گرادی گئی ہے۔ گویا زمین بوس ہوئی ہے۔ بنوں کی دیگر فصیلوں کی طرح۔ ان فصیلوں کو زیر و زبر دیکھ کر بڑا خوش ہوا ہوں جبکہ میں بنوں سے رخصت ہو رہا ہوں اب صرف ایک قلعہ ایستادہ ہے۔ یعنی شاہی قلعہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جونہی ہم غوری والہ کے مضافات میں پہنچے تو مرد آبادی استقبال کے لئے باہر اُمڈ آئی تھی۔ قطار میں کھڑے ہمارے منتظر تھے بعد میں میرے خیمے کے باہر دائرہ کی شکل میں فروکش ہوئے اپنی ٹھوڑیوں کو اپنے زانوں پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے آنکھوں سے فکر مندی ٹپکتی تھی۔ اور اپنے (فرنگی) صاحب کی طرف گھور گھور کر اور دوزدیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران بوڑھا ساوان خان وزیر تھل سے۔ آکر یہاں نمودار ہوا جب انہوں نے بنویان کو میرے قریب دیکھا۔ آتے ہی بے ساختہ باآواز بلند کہ اٹھے "خدا تمہیں ان شر پسندوں سے بچائے مزید کہا تم نے ان شریروں کو اتنا قریب کیوں آنے دیا۔"

۲۹ فروری ۱۸۴۸ء منگل وار آج میں ساوان خان کو خلعت فاخرہ پیش کرنا چاہتا ہوں پھر اپنے خیر خواہ وفادار اور مخلص دوست سے الوداعی ملاقات اور کلمات کہوں گا میں نے اسے خلعت فاخرہ پیش کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ساوان خان کو جب اپنے حسن سلوک کا صلہ ملا۔ تو بہت خوش ہوئے ملک ساوان خان نے نئے صاحب کے بارے میں اپنی فکر مندی کا اظہار کیا میں نے انہیں تسلی دی کہ نئے صاحب جہاندیدہ شخص ہیں ان سے آپ ہر قسم کی رعایت کی امید رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ آپ لوگ ان سے روایتی تعاون جاری رکھیں جب وہ مطمئن ہوئے تو ملک ساوان خان نے وزیروں کے بارے میں طویل اور دلچسپ باتیں کیں مجھے انہیں سمجھانے میں بڑی دقت پیش آئی۔

میں نے انہیں جتایا کہ بنوں کے حکمران اور وزیروں کے ترجیحات اور مقاصد ایک جیسے ہیں وہ وزیروں کو کسی طور بنوں کی زمینوں سے بیدخل نہیں کریں گے اور انہیں بیدخل کرنا آسان کام بھی نہیں اور غیر دانشمندانہ اقدام ہو گا۔

ان وزیروں کو غربت افلاس پہاڑوں سے یہاں لے آئی ہے لہذا اگر انہیں یہاں سے نکال باہر کیا گیا تو بنوں کے باسی ایک بار پھر ڈاکوؤں اور قاتلوں کے نرغے میں آجائیں گے۔ میری باتوں کو

سوان خان نے اظہار پسندیدگی سے سنا مگر گاہے گاہے اپنے خاص تکیہ کلام کے ساتھ مخل ہو جاتا
رشتیار شتیا ڈیر رشتیا یعنی سچ۔ سچ خوب سچ درست۔ خوب درست وغیرہ۔

میں نے مزید بتایا اگر ان وزیروں کو سرزمین بنوں میں آباد کیا جائے تو وہ کاشت کریں گے مالیہ دیں گے خود امیر بن جائیں گے اور سرکاری خزانہ بھر دیں گے اس طرح دونوں کا بھلا ہو گا اس گفتگو کے دوران سوان خان بار بار اپنی داڑھی کو جنبش دیتا رہا ملک سوان خان نے ایک بار پھر کہا کہ وزیر بہت سادہ اور کم فہم ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں گویا اشارہ ہے اس اقرار نامہ کی طرف جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا جسکی پاسداری کا گویا وہ اطمنان بخش جواب نہیں دے سکتے تھے۔ میں نے جواب میں کہا کہ میرے لئے یہ امر باعث خوشی ہے کہ وزیر لوگ اپنے وعدے کا پاس رکھیں گے آباد ہوں گے اور مالیہ دیں گے پھر بھی اگر وہ باہمی فائدے کی بجائے خود کو نقصان دینا پسند کرتے ہوں تو رد عمل برابری کا ہو گا۔ اگر رعایت دے سکتا ہوں تو واپس بھی چھین سکتا ہوں۔

آخر میں بوڑھا شخص (ساون خان) کہے بغیر نہ رہ سکا اور آخر دل کی بات کہ ڈالی کتنا اچھا ہو کہ وزیروں پر بجائے 1/4 حصہ لگان کے 1/6 حصہ شرح سے لگان لاگو کیا جائے میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا انصاف کے منافی کوئی کام نہیں ہو گا یہ بنویان کی حق تلفی ہو گی صریحاً حق تلفی۔ آخر وزیروں سے کس خوشی میں کم لگان وصول ہو؟ ساون خان نے حسب اقرار اپنے قبیلے سے ۲۰۰ دنبے جمع کر کے پیش کیئے آج کے اس گفتگو سے اندازہ ہوا کہ 1/4 حصہ لگان کے سلسلے میں مستقبل میں وزیر مزاحمت کریں گے اور اس طرح میرے قائمقام ٹیلر کو تکلیف در پیش ہو گی مگر ایک ایسا ملک جو ابھی ابھی زیر اطاعت آچکا ہو اس اطاعت کا آسانی سے خوگر نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اپنے محافظ دستے کے ہمراہ میں گانڈی کی طرف روانہ ہوا غوریوالہ سے ۱۰ کوس کے فاصلہ پر ہے

یہ درمیانی علاقہ جنگل ہی جنگل ہے۔
قاری کو اب معلوم ہو چکا ہو گا کہ کن مضطرب کن حالات میں میرا وقت گزرا کن پریشانیوں۔ خطرات۔ ذمہ داری۔ وحشیانہ مہم وحشیانہ زندگی۔ زیادہ کاوش و کوشش جو تین مہینوں پر محیط ہیں میرے اعصاب پر گراں گزری ہو نگی۔

۹ دسمبر ۱۸۴۷ء ہم بنوں وارد ہوئے اسی ماہ ۱۷ تاریخ کو طاقت ور بہادر اور غیر مفتوح وزیری قبائل کی خود مختار حیثیت ختم کر دی انہوں نے کلنگ دینا قبول کیا ۱۸ دسمبر شاہی قلعہ دلیپ گڑھ کی بنیاد رکھی سکھ سپاہ نے اپنے ہاتھوں سے اسکی دیواریں اونچی کر دیں۔
میں نے ۲۷ دنوں میں جو ایک مختصر عرصہ ہے اور وہ بھی دشمن کے علاقے میں بغیر انجینئر اور آلات ضرور یہ ایک مضبوط قلعہ بنوایا۔

ایڈورڈز کے کارنامے۔ (خود انہیں کے الفاظ میں)

۵ جنوری ۱۸۴۸ء کو عوام اور خواص کو حکم دیا کہ وہ اپنے قلعوں کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کر دیں جو تعداد میں ۴۰۰ تھے اسی ماہ کے اختتام تک۔باوجود مسجد و محراب مخالفت میں خطبے دئے گئے مجھ پر متعدد قاتلانہ حملے ہوئے پھر بھی یہ سارے کام بہ احسن خوبی انجام دئے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھدی گئی ایک عسکری و تجارتی سڑک کو ۳۰ فٹ چوڑی اور ۲۵ میل لمبی ہے اس پر کام شروع ہو چکا ہے اور اب مکمل ہونے کو ہے تجارت بڑھیگی فراغت میں اضافہ ہو گا پہاڑوں کے بیچوں بیچ یہ زرخیز وادی بہتر نظام آب پاشی نہ ہونے اور باہمی مناقشت جنگ و جدل اور لاقانونیت اور طوائف الملوکی کے باعث بیشتر اراضی بنجر پڑی تھی وزیروں کی دست برد اور زیادتیوں سے بنوں کے باسیوں کو بچایا اب وہ بنویان پر پانی بند نہیں کر سکتے اب زمین بنجر نہیں ہو گی اب سرزمین بنوں آباد شاداب ہے۔ ۴۰۰ قلعہ جات کے گرانے سے حکومت کو تحفظ مل گیا۔

ماضی میں وادی بنوں میں داخل ہونے کے لئے کوئی سڑک نہ تھی اب صورت حال یہ ہے کہ

سوداگر تاجر اور مسافر آرام وراحت اور احساس تحفظ کے ساتھ سفر کر سکتے ہیں متنازعہ غیر آباد زمینوں کا تصفیہ کر کے آباد کرایا جو لوگ کرتے کی بجائے زرہ بکتر پہنتے تھے اور معمولی تکرار پر اسلحہ کا آزادانہ استعمال کرتے تھے اب اسلحہ کی نمائش پر مکمل پابندی ہے اسکی جگہ شائستگی بردباری اور تہذیب نے لے لی

اب باہمی متنازعات اختلافات عدالت کے ذریعے فیصلہ ہونے لگے ہیں لاقانونیت کی جگہ قانون کی عملداری قائم ہوئی تلوار کی جگہ قلم نے لے لی قصہ مختصر اس وادی بنوں نے ۲۵ سالوں تک سکھاشاہی کا مقابلہ کیا اور سکھاشاہی بنویان سے کبھی بھی پورا لگان وصول نہ کر سکے تھے اب ۳ ماہ کے قلیل عرصے میں بنوں کا پنجاب سے الحاق ہوا اور دونوں خود مختار نسلیں بنویان اور مروت ایک گولی چلائے بغیر مطیع بن گئیں ہیں گویا غلام۔

میرا عقیدہ ہے کہ باوجود میجر ٹیلر جیسے مضبوط اور ہمدرد انتظامیہ کے تحت پنجاب بھر میں کوئی ایسا مقام یا ضلع نہیں ہوگا جہاں بنوں کے مقابلہ میں جرائم کی شرح کم ہو یا زیادہ تحفظ ہو۔

تبصرہ (بہتر حکمت عملی)

ایڈورڈز کو بنوں زیر کرنے غلام بنانے اور امن وامان قائم کرنے میں جو بھی کامیابی حاصل ہوئی وہ ان کی بہترین حکمت عملی کا نتیجہ ہے انہوں نے خوش قسمتی سے وزیروں میں ایک مضبوط اور بارسوخ شخصیت کی معاونت حاصل کی وہ ایک مضبوط قوم کا مضبوط انسان تھا ساون خان کا اعتماد اور تعاون حاصل کر کے ایڈورڈز نے بلواسطہ قبیلہ احمد زئی وزیر کو رام کر لیا۔ بنویان میں ملک لال باز خان اور درب خان برادران شاہ بزرگ خیل بازار احمد خان سے روابط بڑھا کر انہیں دیگر بنویان کے لئے مثال بنا دیا ملک جعفر خان کو بھی ہم خیال اور ہم نوا بنا کر بنوں کے ۴۰۰ قلعہ جات کے انہدام کا کام آسان ہوا قلعہ جات کے مسمار ہو جانے اور شاہی قلعہ کی تعمیر سے بنویان کی دفاعی قوت کا خاتمہ ہوا نیز وادی بنوں اور وادی داوڑ میں جاسوسوں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا گیا گویا

جال پھیلادیا۔ بعض علماء کو زر سے خرید اگیا ایڈورڈز نے زر اور زور دونوں کا خوب سے استعمال کر کے بنوں کی تسخیر ممکن بنادی یہ کام انہوں نے ۲۷ دنوں میں انجام دیا جو سکھا سپاہ ۲۵ سالوں میں انجام نہ دے سکی تھی۔

ایڈورڈز نے اپنے جاسوسوں سے دوہرے کام لئے تاکہ بروقت حالات سے اگاہی حاصل ہو اور اس کا تدارک (۲) جو افراد ہوس زر کے شکار ہوں ان کی تلاش اور جسے نہ خریدا جاسکے یعنی وہ افراد جو نہ تو زر سے اور نہ زور سے زیر ہو سکے ایسے افراد کے خلاف افواہ سازی کی مہم چلائی جائے۔

دلاسہ خان کے خلاف جاسوسوں کی پوری مشینری روبا عمل تھی کہ اسے افواہوں کے ذریعے عوام میں بد نام کیا جائے اس طرح وادی داوڑ کا حال بھی بنوں سے مختلف نہ تھا بااثر افراد کو خریدنے کی کوشش کی جاتی ناکامی کی صورت میں انہیں عوام میں غیر مقبول بنانے کے لئے افواہ سے کام لیا جاتا تھا۔ وادی داوڑ میں دو سید زادے زوار شاہ اور غریب شاہ والئے کانی گرم وادی دوڑ میں مقبول شخصیتیں تھیں انہیں پہلے خطوط لکھے گئے انہیں زیر دام میں لانے کے لئے بڑے جتن کئے گئے۔ ڈرایا دھمکایا گیا مزید ان کے خلاف زبردست پروپگنڈا کیا گیا نتیجہ میں غریب شاہ وادی داوڑ میں یرغمال بنادیا گیا جبکہ دوسرا بھائی ٹانک چلا گیا۔ ملک شیر مست خان جنڈو خیل اور ملک میر عالم خان منڈان کی طرف سے منسوب جعلی خطوط لکھے گئے یہ سب حربے ملکر ایڈورڈز کی حکمت عملی کی مختلف شکلیں تھیں۔

ایک خط

ایڈورڈز کا خط بنام کارٹ لینڈٹ

ایڈورڈز نے جنرل کارٹ لینڈٹ کو ایک اہم خط لکھا جو ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ مہیا کرتا ہے جب سکھوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی جسے تاریخ میں سکھوں کی دوسری لڑائی کہتے ہیں اور جسکی ابتداء شورش ملتان سے ہوئی ایڈورڈز نے دوران دورہ ڈیرہ جات سے یوں لکھا

"جتنا ہو سکے ملتان کی شورش ناکام بنانے کے لئے نئے جوان بھرتی کر کے بنوں سے ملتان روانہ کریں ان سے دہرا فائدہ ہو گا (۱) میرے ہم منصب میجر ٹیلر کو وادی بنوں کو قابو رکھنے میں مدد ملے گی کیونکہ ان نئے بھرتی شدہ نوجوانوں کو یرغمالی کے طور پر استعمال کیا جاسکے گا (یعنی سرداروں ملکوں کی اولاد بھای وغیرہ) کے ذریعے یہ کام آسان ہو جائے گا ان جوانوں سے ہماری افرادی قوت میں اضافہ ہو گا۔ اس خط کا فوری عمل ہوا جیسے رقیب خان پسر پیر محمد خان غزنی خیل مروت درب خان بازار احمد خان بنوں زرداد خان و اللہ داد خان تپہ تپئی بنوں (یہ دونوں بھائی بعد میں منحرف ہوئے اور انگریزوں کے خلاف ہوئے اور جعفر خان غوریوالہ وغیرہ نے دل و جان سے معاونت کی اس نے اپنے بیٹے کو معہ چند سو گھڑ سوار ملتان بھیجا اور خود بنوں قلعہ کی حفاظت اور مدد کے لئے بنوں میں رہ گیا۔ لال باز خان قلعہ بنوں کی حفاظت پر مامور ہوا اور فتح محمد ٹوانہ قلعہ دار کی معاونت کی جب قلعہ پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو لال باز خان کو گرفتار کر کے گجرات میں قیدی بنا دیا گیا۔ اور فتح خان ٹوانہ کو قتل کر دیا گیا۔ عیسی خیل کے خوانین نے بھی کافی جوان ملتان بھیجے تھے۔

سکھوں کی اس دوسری لڑائی کا بنوں پر براہ راست اثر پڑا۔ جن ملکوں نے انگریزوں کی مخالفت کی تھی ان کی زمینیں اور ملکی ضبط کر دی گئی مثلاً ملک اللہ داد خان کی ساری اراضی ملک جعفر خان کو دیدی گئی اس طرح ملک میر عالم خان میرزا علی خیل منڈان کی زمینی جائیداد اور ملکی پر شکر اللہ خان منڈان قابض ہوا اور ملک میر عالم خان خوست ہی میں جلاوطنی میں فوت ہوئے۔

انگریزوں نے اپنے بہی خواہوں اور معاونین کو علاقہ نار اور علاقہ لنڈیڈاک میں زمینیں دیں اور ساتھ ساتھ مراعات اور جاگیریں اعطا کر دیں ملک لال باز خان کو گجرات سے رہا کر دیا گیا جنہیں خوب پذیرائی ملی۔

حصول ملکی

ملکی اور ملک جان جوکھوں کا کام تھا یہ عہدہ موروثی نہ ہوتا تھا بنوں میں جنگل کا قانون رائج تھا

جسکی لاٹھی اس کی بھینس کوئی مرکزی حکومت نہ تھی طوائف الملوکی وقت کا قانون تھا جسے عرف عام میں عہد افغانی (پشتو وخت) کہا جاتا تھا ملکی کانٹوں کی سیج ہوا کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ ہر ملک اپنے گاؤں میں محصور زندگی گزارنے پر مجبور تھا ہر گاؤں کے ارد گرد بلند وبالا فصیل ہوتی تھی فصیل کے ہر کونے پر ایک برج ایستادہ ہوتا تھا جس میں ہمہ وقت اسلحہ بند جوان مستعد اور چوکس رہتے تھے زندگی یلغار انتشار۔ خلفشار اور فصیل کے اند اور باہر خرابی بسیار کی شکار رہتی تھی ہر فرد وبشر غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہوتا تھا۔ زمین لرزاں۔ انسان ترساں اور زندگی ارزاں تھی۔

بزور شمشیر چالاکی دغابازی جو غالب آیا وہی بڑا آدمی بن بیٹھا اور ملک کہلایا عہد افغانی کے خانگی لڑائیوں میں ترجیحاً جو شخص کامیاب ہوتا گیا وہ بڑھتا گیا جب دوسرے فریق کو موقع ملا اس نے رولز کو پامال کر کے اور دھوکہ فریب کے ذریعے اپنی برتری قائم کر دی غرض ملکی قوت کی تابع تھی۔ یہ بھی دستور نہ تھا کہ ملک کا بڑا بیٹا اس کے بعد ملک ہو یا ملکی کا مستحق گردانا جاتا۔ جو چالاک فریب کار دلاور اور موقع شناس ہو او ہی ملک بن سکتا تھا۔ ایسی بے یقینی اور بے آئینی اور حسد کے سبب سے ایک ہی جدی خاندان میں رقابت۔ مخالفت۔ مخاصمت۔ جنگ و جدل۔ لڑائی جھگڑا اور نفاق رہتا تھا یہاں تک کے آپس میں بھائی اور تربور بھی باہم لڑمرتے تھے ایک دوسرے کے مارنے اور زیر کرنے کے درپے آزار رہتے تھے ایسا بھی ہوا کہ باپ کے خلاف بیٹے نے تلوار اٹھائی جس شاخ یا خیل میں کوئی خاندان زبردست ہوا یا کسی خاندان میں کوئی فرد زبردست ہوا وہی ملک ہو گیا غرض اس ملک کی ملکی نہایت خطرناک اور مستعار اور عارضی ہوتی تھی جس کے بھینٹ خاندان کے خاندان چڑھ جاتے تھے خاندانوں کا صفایا ہو جاتا تھا جو ملک بنا اس نے اپنے معاند بھائی اور تربور کو جس سے معمولی بھی خطرہ کا احتمال ہوا قتل کرا دیا اور یہ خانگی فساد اور تغیر و تبدل ۔ عروج وزوال اس وقت تک گرم اور جاری رہا جب تک سرکار انگریزی نے بنوں کو اپنے قلمرو میں شامل نہ کیا تھا۔

لفظ ملک

ملک ایک خطاب ہے جو شخص پشتون اپنی قوم یا قبیلہ کا سر گروہ اور گاوں کا مالک ہو اس کو ملک کہا جاتا ہے بعد میں نمبر دار کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا ملک کا نام وقار اور احترام کی علامت سمجھی جاتی ہے عہد افغانی میں ملک بڑا با اختیار ہوا کرتا تھا خاص طور پر اپنے ہمسایوں پر ہر طرح کا اختیار حاصل تھا۔ اپنے گاوں اور قبیلے کے دیگر افراد اسکی اطاعت کرتے تھے مگر ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ہی گاوں میں کئی ملک ہوا کرتے تھے اس کے مرنے کے بعد عموماً بڑا بھائی یا بڑا بیٹا ملک بن جاتا تھا۔ گاوں کا نام بھی اسی ملک کے نام پر ہوتا تھا عجب دستور تھا کہ جب ملک مر جاتا تو گاوں کا نام بھی تبدیل ہو جاتا عہد انگریزی میں گاوں کے مستقل نام رکھے گئے مزید ملک کے اختیارات بھی محدود کر دئے گئے۔

شیر مست خان جھنڈو خیل

یہ شخص سکھا شاہی کے عہد میں تپہ جھنڈو خیل کا ملک تھا اس کا جد امجد عیسیٰ تھا۔ یہ بڑا مہمان نواز شخص تھا خاموش طبع اور شریف النفس تھا۔ شیر مست خان احمد زئی سپر کی وزیر سوان خان کے ساتھ زمینی تنازعات میں الجھا رہا انہیں اکثر یہ شکایت رہتی تھی کہ وزیروں نے اس کی زمینی جائداد پر قبضہ مخالفانہ کر رکھا ہے۔

جب ایڈورڈز بنوں کے نگران افسر کے طور بنوں آئے تھے تو جن ملکوں نے ایڈورڈز کے ساتھ اظہار اطاعت کے طور ملاقات کی تھی ان میں ملک شیر مست خان تپہ جھنڈو خیل بھی شامل تھے اس وقت ملک شیر مست خان تور گوند کے مشر اعظم تھے اس کے زیر کمان ۹ ہزار بنویان ہر وقت تیار ہو سکتے تھے اور لشکر کو تشکیل دے سکتا تھا۔ اپنے گوند کے افراد میں بڑا ہر دل عزیز تھا۔ جب ایڈورڈز موسم سرما میں دوسری بار ۱۸۴۷ء میں بنوں آئے تو شیر مست خان ملک نہ رہا تھا اپنے بھتیجوں کے ہاتھ اسے جھنڈو خیل کو چھوڑنا پڑا تھا وہ کارٹ لینڈٹ اور ایڈورڈز کی طرف

سے معاونت اور دستگیری کا خواستدگار تھا۔ ان دونوں وہ بازار احمد خان میں پناہ لئے ہوئے تھا ایڈورڈز کی کوششوں سے وہ ایک بار پھر اپنے ٹپہ کا ملک بنا اور پھر تور گوند کا سردار بنا اس کی مہمان نوازی بنوں میں ضرب المثل تھی۔

عیسک خیل کا نواب احمد خان جب سکھوں سے فرار ہوا اور خٹک پہاڑیوں میں جا چھپا تھا تو سکھوں نے وہاں بھی اسے چین سے نہ رہنے دیا۔ وہاں سے بھاگ کر شیر مست خان جنڈو خیل کے ہاں پناہ لی اور مرتے دم تک وہیں رہا۔ ان کے ہاں ایسے بہت سارے حالات کے ستائے ہوئے افراد پناہ لئے ہوے تھے وہ دل کا کشادہ تھا اور ترحم انسانی سے اس کا دل لبریز تھا وہ بہادر انسان تھا ایڈورڈز ان کے بارے میں متعدد واقعات اور حالات بیان کرتے ہیں ایک بار ان کے ملک سوان خان کے ساتھ رقم کے لین دین پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا سوان خان نے یہ دعویٰ کیا کہ ملک شیر مست خان نے انہیں ۱۰۰۰ روپیہ دینے ہیں جبکہ شیر مست خان صرف ۳۲۰ روپیہ مانتا ہے یا ملک شیر مست خان رقم دے یا اس کے عوض زمین دے کیونکہ اسی پر زمین کا سودا بھی ہوا تھا جبکہ شیر مست خان انکاری تھا بہر حال ایڈورڈز نے دونوں رقوم کو جمع کر کے نصف کیا اور شیر مست خان کو یہ رقم دینے کو کہا اور وہ بامر مجبوری راضی ہوئے دوسری بار زمین کا قبضہ حلف اٹھانے پر حل ہوا۔ تیسری بار زمین کی حد بندی کے لئے جب شیر مست خان کو ۳ ثالث دینے کو کہا گیا تو وہ اپنے بندوں میں سے کسی پر بھی اعتبار نہ کر سکا اور بازار احمد خان سے ۳ بندے وہ بھی نیچ ذات کے ۲ تیلی اور ایک باغبان کو چنا گیا۔ مگر سوان خان نے فوراً اپنے قبیلے کے ۳ افراد کو نامزد کر دیا ایڈورڈز نے اس واقعہ کو عبرت اور حیرت سے جانچا۔ وزیروں اور شیر مست خان کے درمیان زمینی پیمائش کے سلسلے پر جو مکالمہ ہوا وہ دلچسپ بھی ہے اور حق آموز بھی۔

وزیروں نے طعنہ دیا کہ تم (شیر مست خان) زمین کی پیمائش کی اجازت سرکار کو دے کر بزدلی دکھائی اور یہ کہ ہمارے لئے مشکل پیدا کر دی ہے جس پر شیر مست خان نے کہا تم غاصب ہو ہماری زمینوں پر قبضہ تم نے کر رکھا ہے اور مالیہ دینے کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے اب صاحب

فیصلہ کرے گا یہ مالیہ کس نے دینا ہے ہم نے یا تم نے۔

شیر مست اور بازید خان

بازید خان نے دریائے کرم کے اس مقام پر جہاں سے بہت ساری نہریں نکالی گئی تھیں۔ ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اسطرح بازید خان بلواسطہ ان نہروں کا مالک بن گیا۔ جب چاہتا نہری نظام میں مخل ہوتا اور مداخلت کرتا۔ اپنے مخالفین پر پانی بند کر دیتا دکس خان نے بعد میں اسطرف توجہ دی۔ مگر اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ دکس خان تور گوند کا سردار تھا۔ بازید خان سے اس سلسلے میں مڈ بھیڑ بھی ہوئی مگر وہ ناکام رہے۔

البتہ ملک شیر مست خان نے اپنے ساتھ فاطمہ خیل تپہ کا ملک نامور خان کو ملایا نامور خان سپین گوند سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر مفاد عامہ کے باعث شیر مست خان کا ساتھ دیا۔ دونوں نے ملکر بازید خان کو نیچا دکھا کر اس کے قلعہ کو مسمار کر دیا اور پھر ایک دوسرا قلعہ وہاں موزوں مقام پر تعمیر کیا۔

دکس خان کے فوت ہو جانے کے بعد ملک بازید خان تور گوند کا سرکردہ بن گیا تھا۔ مگر ملک شیر مست خان نے اسے بزور تور گوند کی سرداری سے ہٹا دیا۔ اور خود تور گوند کا سردار بن گیا۔ اسکی وفات کے بعد ملک درب خان شاہ بزرگ خیل بازار احمد خان تور گوند کا سردار بنا۔ مگر اس وقت حالات بدل چکے تھے۔ اور ملکوں کے اختیارات محدود ہوتے تھے۔

شیر مست کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ظفر خان ملک بنا جملہ مراعات کا حقدار تسلیم کیا گیا اس کے مرنے کے بعد دوست محمد خان ملک بنا مگر مقدمہ بازی اور دشمنی کے باعث اس کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہی تھی اس خاندان کی امتیازی حیثیت جو مہمان نوازی اب بھی بدستور باقی ہے ان میں باعث التفات شخصیتیں گزری ہیں مثلاً ایوب خان دمی رسول خان اور اب مائینل خان قابل ذکر ہیں مائیرل خان ملک رسول خان کا بیٹا ہے ان میں بھی اپنے اسلاف کی خوبیاں موجود ہیں۔ عیسیٰ

کے اس خیل کو ایت خیل کہا جاتا ہے۔

خاندان بازار احمد خان

مختصر تاریخ بحوالہ مصنف حیات افغانی بنوں گزیٹر ۴۸۔۱۸۸۳ء و خورشید جہان اور مصنف تھا برن اور خود خاندان کے اکابرین کی زبانی: -

یہ خاندان نسل عیسکی اولاد شیتک سے ہے عیسکی کی اولاد میں سے غزنی خان نے تپہ عیسکی میں بڑا نام کمایا۔ اور ایک موضع آباد کیا جو اب غزنی خیل کہلایا جاتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کے اختتام پر اس کی اولاد میں سے احمد خان نے قبیلہ ہنجل سے کچھ زمین بزور چھین کر موضع بازار احمد خان کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے نام سے آباد کیا اکثر ہندو موضع بھرت سے یہاں منتقل ہوئے احمد خان کے حیات میں یہ موضع / قریہ بہت چھوٹا تھا البتہ اسے آباد کرنے اور توسیع دینے میں وہ برابر کوشاں رہے اور اسے بازار یعنی شہر کا درجہ دینے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں چند ایک دوکانیں بھی قائم کی گیئں۔

احمد خان غزنی خان سے پانچویں پشت میں سے تھا نادر شاہ ایرانی کے عہد میں احمد خان وفات پا گئے ان کے بعد ان کا بیٹا اعظم خان ملک بنا جو احمد شاہ ابدالی کے عہد میں مر گیا اس کے بیٹے شاہ بزرگ نے اپنے دونوں چچاوں دریا خان و خانان معہ نابالغ فرزندوں تک دغا سے قتل کر کے خود ملک بنا یہ شخص بڑا زیرک۔ ہوشیار اور مستعد تھا اور بہادر بھی تھا۔ وہ بہت جلد رسوخ کا مالک بنا ناموری حاصل کر کے دربار شاہ افغانستان میں بھی دست رس حاصل کر لی۔

شاہ بزرگ کے آٹھ بیٹے تھے اور دو بیٹیاں جن میں سے مسمات بی بی کو احمد شاہ ابدالی کے سپہ سالار جہان خان درانی پر بیاہ ہوئی احمد شاہ ابدالی نے موضع بڈا خیل و مردی خیل اور موضع سیرو کا جملہ مالیانہ جاگیر میں عطا کی اس کے علاوہ آمدن دھڑ تھ قریہ بازار احمد خان تخمینہ ایک ہزار روپیہ سالانہ کی تھی بعد میں یہ خاندان شاہ بزرگ خیل کہلائی جانے لگی۔ آخری دور سلطان تیمور شاہ سدوزئی میں شاہ بزرگ فوت ہوئے ان کے بعد ان کا بیٹا شرافت خان ملک بنا مگر شاہ بزرگ کے

سب بیٹے مختلف بیویوں کے بطن سے ہونے کے باعث آپس میں الجھ گئے۔ ان میں اتفاق نہ ہو سکا
رن مست سرمست اور زبردست ہر ایک بجائے خود ملکی کے دعویدار ہوا شرافت خان نے اپنی
بیٹی فاطمہ کی شادی نواب صمد خان بارک زئی برادر امیر دوست محمد خان سے کر دی تھی اس
رشتہ داری کے باعث شاہ زمان کے عہد میں شرافت خان اپنے ہم سروں پر غالب رہا علاوہ جاگیر
سابقہ کے اور آمدن دہڑ تھ مبلغ ۱۲ سو روپیہ سالانہ انعام اس کا مخملہ قلنگ تپہ عیسکی مقرر ہوا اور
بوقت ملاقات ۵ روپیہ یومیہ مہمانی بھی مقرر ہوا شرافت خان کا حقیقی بھائی دریا خان عالم شباب
میں غوریوالہ کی لڑائی میں مارا گیا اس کے بدلے میں مغل خان (جد اعلیٰ سردار خان مغل خیل)
نے اپنی دختر شرافت خان کو نکاح میں دیدی جس سے ۳ فرزند نرینہ پیدا ہوئے جن میں سے بڑا
حاجی حذر خان تھا جو شرافت خان کے بعد دعویداری ملکی ہوا جسے قلندر خان جنگ باز خان (والد
لالباز خان و درب خان) اور دکس خان نے ہم صلاح ہو کر معہ دو دیگر برادران حقیقی بے خبری
میں قتل کیا خانصوبہ پسر شرافت خان مشکل سے جان بچا کر بھاگ سکا۔ اور نواب اب صمد خان
کے پاس فریادی ہوا اور جب سردار شیر دل خان بارک زئی بنوں آیا تو خلصوبہ بھی ہمراہ تھا اسکی
اعانت سے اپنی جائداد اور موضع واپس لیکر از راہ انتقام دکس خان کے تین، چار ساتھیوں کو جو
ان کے والد کے قتل کرنے میں شریک تھے عقوبت سے ہلاک کیا۔ ملک میر عالم خان پسر دکس
خان کو بھی قتل کر دیا یاد رہے اس وقت دکس خان فوت ہو چکے تھے اور ان کی جگہ ان کا بیٹا میر عالم
خان ملک تھا جسے ایک سال ہوئے ملک ہوا تھا۔

ذکر دکس خان کا

جب دکس خان ولد رن مست خان (شاہ بزرگ خیل) ملک ہوا یہ شخص دلاور آدمی تھا اسی سبب
سے زیادہ نام اور اختیار پیدا کر کے ۱۸۲۷ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ ضلع بنوں کی حدود
مروت میں داخل ہوا تو دکس نے اطاعت قبول کر کے سردار فتح سنگھ اور کنور کھڑک سنگھ کے
ذریعے سے بڑا رسوخ حاصل کر لیا ۵ روپیہ یومیہ روزینہ سکھان کی طرف سے مقرر ہوا دوران

ملاقات ۱۸۳۲ء میں کڑک سنگھ نے نصف تپہ عیسکی کا مالیہ / لگان ان کے لئے معاف کیا دکس خان کو اپنے گوندیداروں پر اس قدر اختیار تھا کہ وہ آسانی سے لشکر کو جمع کر سکتا تھا۔ بازاراحمد خان کی ترقی اور اس خاندان (شاہ بزرگ خیل) کا نام دکس خان کے وقت سے بہت مشہور ہو گیا بنویان اور مروت دونوں قبیلوں میں یکساں ہر دلعزیز اور مقبول تھا۔

دیوان مانک رائے نے جو نواب ڈیرہ کی طرف سے ایک دفعہ موضع خوجڑی اخوزڑی (بنوں پر یورش کی تو دکس خان باہمراہ رنگ خیل میر اخیل نے اس کا ایسا مقابلہ کیا اور ایسی شکست دی کہ بعد میں بنوں کا نام بھی نہ لیا ایک دفعہ شاہ ولی خان کی مدد کے لئے مونچھ علاقہ میاں والی باہمراہ ۲۰ ابندوق جا کر سکھوں سے لڑا تھا۔

دکس خان پیدائشی جرنیل تھا دکس خان ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ فوت ہوا۔ کہتے ہیں انہیں زہر دے کر مارا گیا معلوم نہیں کیوں اور کس نے زہر دی یگانوں نے یا بیگانوں نے ان کا بڑا بیٹا میر عالم خان ملک بنا جو ایک سال بعد خالصوبہ نے انتقام کے طور دغا سے قتل کیا خالصوبہ کی طرف سے بھی ۱۲ کسان مارے گئے جب سکھوں کا حاکم آیا تو بیوہ دکس خان ۱۳ ہزار رشوت دیکر اس جرم پر خالصوبہ کو باامید قصاص لینے قید کرادیا اور لاہور پہنچادیا گیا اور کل جائداد بیوہ دکس خان کو قصاص میں دے دی گئی۔ چند سال بعد خالصوبہ کو سردار سلطان محمد خان بارک زئی کی سفارش پر رہا کر دیا گیا وہ واپس ہوا مگر جائداد نہ ملی۔

میر عالم کے مارے جانے کے بعد سمندر خان ولد قلندر خان (شاہ بزرگ خیل) نے دعویٰ ملکی کیا جس کو لال باز خان و درب خان نے معہ ایک خورد سال بیٹے کے قتل کر کے لال باز خان ملک ہوا یہ شخص عقلمند زمانہ ساز اور دور اندیش تھا بموجب ایڈورڈز (نگران بنوں وہ درب خان جیسا نڈر نہ تھا مگر پھر بھی دونوں کے بھائی ایک دوسرے کے تتمہ تھے۔ محافظ خانہ کے ریکارڈ کے مطابق ملک نمبل خان موضع حسن خیل کو ان کے حقیقی بھائی کے مشورہ سے لالباز خان اور درب خان نے قتل کر دیا ان کے خاندان کا صفایا کر دیا گیا وعدے کے مطابق نمبل خان کی جائداد کے چار بخرے کئے گئے ۳ بخرے لالباز خان اور درب خان کو ملے جبکہ ربع جائداد مقتول کے

موضع حسن خیل کی ملکی پر بھی فتح خان قابض ہوا پٹل بیتا خیل کی زمین بھی بھائی فتح خان کو ملی
کو مفت میں ملی کیونکہ لگان انہوں نے ادا کر دی جبکہ اصل مالکان مفرور ہو چکے تھے۔ لالباز خان
۱۸۴۷ء میں جب ایڈورڈز نے بنوں کے ۴۰۰ قلعہ جات کو مسمار کرانا چاہا تو ابتداء
بازار احمد خان سے کی گئی اس تعاون پر ایڈورڈز ان دونوں بھائیوں سے بہت خوش ہوئے تھے
ایڈورڈز نے صلے کے طور پر عیسکی کے لگان کا ۲۵ فیصد آمدن عطا کیا اور بھی متعدد مراعات کا
حقدار ٹھہرایا۔ ملک شیر مست کی وفات کے بعد ملک درب خان تو گوند کا سردار بن گیا۔ بوقت
شورش ملتان ۱۸۴۸ء میں درب خان محاصرہ ملتان میں شریک ہوا تھا اور بنوں قلعہ کی حفاظت
کے لئے لالباز خان مستعد رہا۔ جب سکھوں نے بغاوت کر دی اور فتح محمد خان ٹوانہ قلعہ دار کو
قتل کر دیا تو لال باز خان کو بھی گرفتار کر کے گجرات میں قیدی بنا دیا گیا خوش قسمتی سے سکھ سپاہ کو
شکست ہوئی اور انگریزوں نے لال باز کو رہا کر دیا اور بعد میں ۱۸۵۰ء علاقہ نار میں کافی اراضی
دیدی گئیں۔ لالباز خان نے ۱۸۵۴ء میں وفات پائی بعد وفات لالباز خان کے فیض اللہ خان
فرزند کلاں ملک مقرر ہوا مگر پھر بھی اپنے چچا درب خان کا نحو بی احترام اور اتفاق کرتا تھا فیض اللہ
خان جوانی میں تپ دق کے عارضے کے باعث ۱۸۷۴ء میں فوت ہوا اس کے بعد اس کا دوسرا
بھائی میر عباس خان (بوزکی) ملک ہوا یہ زیادہ ذہین اور رسوخیت والا نہیں تھا۔ ۱۹۱۹ء میں وفات
پائی (وہ بھی تپ دق سے مرا) میر عالم خان کی قتل کے بعد اس کا نابالغ بیٹا میر اکبر خان ملک ہوا یہ
معقول آدمی ثابت ہوا مگر درب خان اور لالباز خان کی ان سے عداوت تھی۔ (بوزکی) میر عباس
خان پسر لالباز خان جب ملک کلاں بنا تو اسے حسب روایت سرکار کی طرف سے ۲۳۳۷ روپیہ
نقد جاگیر ملتی تھی مزید اپنے تپہ کا 2/3 حصہ یعنی ۲۹۷۱ بھی ملتا رہا۔ جبکہ باقی 1/4 حصہ ان کے
دوسری شاخ سے رکھنے والے تربور میر اکبر خان پسر دکس خان کو ملتا تھا۔ یاد رہے ملک لالباز خان
اور ان کے برادر حقیقی کو نقد جاگیر کے علاوہ سابقہ خدمات کے صلے میں علاقہ نار میں کافی اراضی
مفت دیدی گئی تھی بحوالہ گزیٹر ۸۴۔ ۱۸۸۳ء انگریزی عملداری میں اس خاندان کے ساتھ
امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔ میر اکبر خان پسر دکس خان اہم شخصیت گزرے ہیں مگر ان کا
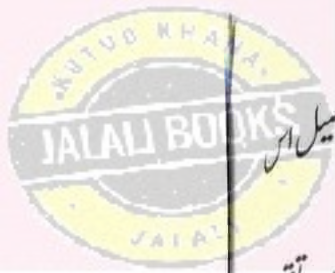
خاندان اب تقسیم ہو چکا تھا کیونکہ دکس خان کی اولاد مختلف ازدواج سے تھی۔ مزید تفصیل اس خاندان کا آئینہ آج میں دیکھیے۔ میر اکبر خان نے ۱۸۹۱ء میں وفات پائی۔

شاہ بزرگ نے اپنی حیات میں بطور چنڈاونڈا ہر ایک منکوحہ کی اولاد کو ایک ایک حصہ آمدن تقسیم کیا کل تین حصہ پر جو حسب زیل ہے۔

(۱) شرافت خان ایک حصہ (۲) پتل وکشمل ایک حصہ (۳) سرمست رن مست زبردست و قلندر ایک حصہ۔ خرچ مالگزاری وغیرہ چار حصہ پر کرتے تھے شرافت خان 1/4 حصہ اور باقی ۳ حصہ دودیگر جگہ کر کے باقی ماندہ پسران ادا کرتے تھے فی زمانہ اس تقسیم کا نام و نشان بھی نہیں رہا۔

نقل دستاویز منجانب اکابرین شاہ بزرگ خیل

یعنی نقل دستاویزی بیان اکابرین خاندان شاہ بزرگ خیل منجانب ملک فیض اللہ خان ولد ملک لال باز خان شاہ بزرگ خیل و ملک میر اکبر خان ولد فیض اللہ خان ولد ملک لالباز خان شاہ بزرگ خیل خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

پہلے رقبہ دبھیہ ہزا غیر آباد ملکیت اقوام ہنجل و سوکڑی کے ہوتا تھا عرصہ سات پشت کا ہوا کہ مسمی احمد خان قوم افغان اصل عیسیٰ مورث ہمارے نے کہ جس سے ہمارا سلسلہ نسب حسب مندرجہ بالا ملتا ہے غزنی خیل سے اٹھ کر ہمراہ قوم ہنجل و سوکڑی کے جنگ کیا اور ان اقوام پر فتح یاب ہو کر ملکیت رقبہ دبھیہ ہزا ان سے چھین لی جبتک احمد خان مورث ہمارا زندہ رہا تو رقبہ ہذا نے حقیقت پزری بحصص جدی تقسیم کیا بعد میں یہ تینوں بھائی فوت ہو گئے تو مسمی شاہ بزرگ خان و اسماعیل خان پسران حنان کو قتل کر دیا اور ان کی ملکیت پر قابض ہو گیا۔ اس واسطے ملکیت

ہذا پر نصفیہ واحد مالک ہو گئے اور جب مسمی شاہ بزرگ فوت ہوا تو اس کی اولاد میں تقسیم
عساب چھنڈہ ونڈہ ہو پھر اندرون اولاد ہر ایک عورت کے پگ وند کا رواج ہوا اور جب شرافت
خان مر گیا تو مسمی خالصوبہ پر اس کی نے میر عالم خان ولد دکس خان کو قتل کر دیا تو سردار گنڈا
سنگھ حاکم ملک نے خالصوبہ کو قید کر کے کل ملکیت خالصوبہ بعوض خون اولاد دکس خان کو دلادی
اور اولاد اس کی کو گاوں سے نکال دیا اور حقیقت مسمیان پتال وکشمل وزبردست بعوض ادائی کلنگ
مسمی لال باز خان ودرب خان کو مل گئے۔ اور بعد فوتیدگی دکس خان کے باعث سرہ زوری لال
باز خان کے کل ملکیت دیہیہ ہزا پر قبضہ لال باز خان ودرب خان کے آگئی۔ اور مسمی سمندر خان
ولد قلندر خان کو مسمی لعل باز خان ودرب خان نے قتل کر کے کل ملکیت اس کی زیر قبضہ خود کر
لی عملدار آمد حصہ جدی کا معدوم ہو کر عمل درآمد قبضہ ہو گیا۔ عملداری انگریزی میں مسمیان
میر اکبر خان واللہ داد خان وشیر زاد خان اولاد دکس خان نے بنام درب خان وپسران لعل باز خان
نالش کر کے مجملہ میراث دکس خان واقعہ دیہیہ ہزا ترک اراضی وخانہ جات بالمعطع کر کے
ڈگری بنام فیض اللہ خان درب خان کرائی۔ باقی میراث دکس خان پاس لعل باز خان کے رہی
بعد ش اکثر ملکان نے بزریعہ برشگافی ملکیت دیہیہ ہزا میں پیدا کر لی اور اکثر ملکان کے اراضی ملکیت
خود بسبب ناداری دے کر مالکان کے پاس فروخت ہے اس واسطے عمل درآمد رسمی کا معدوم ہو کر
عمل درآمد قبضہ کا ہو گیا اور کس قدر اراضی ملکیت ہم اولاد دکس خان ملکان زیل ہے۔

دستخط/مہر دستخط/مہر

میر عباس خان وزجگان۔ عبد فیض اللہ خان۔ درب خان ولد جنگ باز خان۔ شاہ برام ولد رحمت۔
عبدالحلیم ولد عبدالرحیم۔ صحبت خان ولد امیر خان۔ میر اعظم وسید اعظم پسران شیر زہ خان۔
میر اکبر خان ولد دکس خان

تفصیل نامہ شاہ بزرگ خیل

نام	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
لال باز خان		۱۸۵۴
درب خان	------------------	مارچ ۱۹، ۱۸۷۸ء
فیض اللہ خان	------------------	۲۸ دسمبر ۱۸۷۴ء میر
اکبر خان ولد دکس خان	----------	یکم مئی ۱۸۹۱ء
خان بہادر میر عباس		
میر عباس خان ولد لالباز خان	------------------	۱۹۱۹ء
عبداللہ خان ولد درب خان	--	یکم دسمبر ۱۹۳۰ء آئینہ

آئینہ آج میں شاہ بزرگ خیل

خاندان شاہ بزرگ چند ذیلی خیلوں میں بٹ چکی ہے (۱) اولاد لال باز خان کو لالباز خیل/لالباز خیل اولاد دکس خان اب دکس خیل کہلاتی ہے جبکہ اولاد درب خان کو درب خیل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لالباز خیل/لالبوز خیل میں نمائیندہ شخصیت خان زادہ ملک تاج علی خان ہو گزرے ہیں نیک سیرت اور قابل انسان تھے سیاسی بصیرت رکھتے تھے بنوں کی حد تک وہ پاکستان مسلم لیگ کے بانی کہے جاتے تھے ان کے والد خان بہادر غلام حیدر خان واحد شخصیت تھی جنہیں سارے بنویان میں خان بہادری کا خطاب ملا تھا بازار احمد خان میں کچہری کے کھنڈرات اب بھی پائے جاتے ہیں جہاں معمولی فوجداری مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا انگریزی عملداری میں بڑا رعب رکھتا تھا۔ وہ صاحب حیثیت اور صاحب اختیار تھا انہیں خاص پذیرائی خاصل تھی بنوں میں واحد شخصیت تھی جس کے پاس اپنی گاڑی ہوتی تھی۔ ورنہ ماضی میں موٹر گاڑی ایک نایاب اور امتیازی شان سمجھا جاتا تھا۔ ان کی اپنی کچہری لگتی تھی جہاں ملزمان کو پیش کیا جاتا تھا وہ صاحب زر اور زور تھا ان کے فرزند ملک تاج علی خان بھی صاحب رسوخ تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ
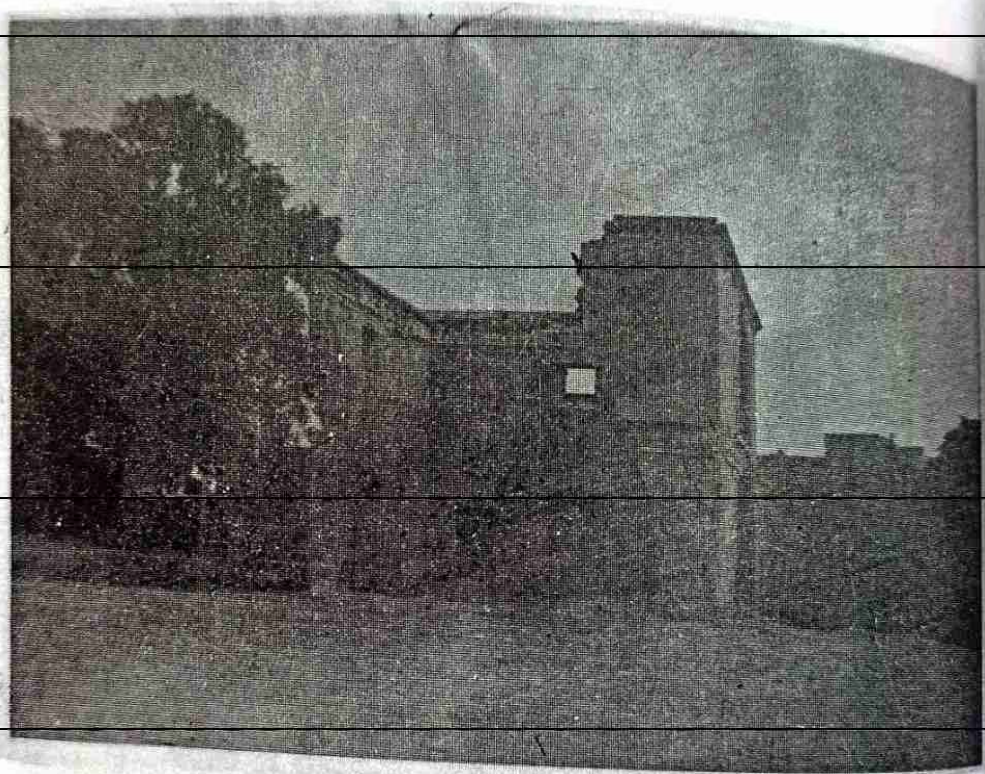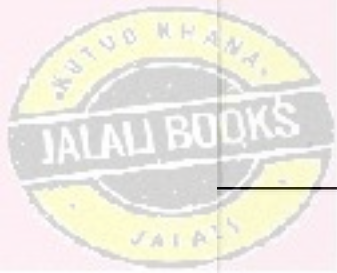
تھے انگریزی روانی سے بولتے تھے۔ قائداعظم کے ساتھ قربت رکھتے تھے اور ان سے خط و کتابت بھی تھی۔ مگر جب قائداعظم نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کے ارکان اپنے اپنے خطابات اور مراعات واپس کردیں تو ملک تاج علی خان نے اس پر عمل نہ کیا جس پر قائداعظم ان سے ناراض ہوگئے اور ان کی جگہ ان کے ایک اور عزیز اور بزرگ خان صاحب دمساز خان مسلم لیگ کے ضلعی صدر بنائے گئے خان صاحب ملک دمساز خان نے بنوں میں مسلم لیگ کو مقبولیت دلانے میں بھی اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا بعد میں خان زادہ ملک تاج علی خان خاکسار تحریک میں شامل ہوگئے مگر وہاں بھی طبیعت نہ لگی اور پھر سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔ پاکستان بننے کے بعد ملک تاج علی خان لاولد فوت ہوئے لال باز خیل یا لالبوز خیل اس وقت قحط الرجال سے دوچار ہے اس خیل میں فی الحال قابل التفات شخصیت نہیں ہے۔

(۲) دکس خیل۔ شاہ بزرگ خیل کا ذیلی خیل ہے ماضی میں یہ خیل بڑا مردم خیز رہا ہے دکس خان عدیم المثال رہبر تھے بنویان کی بے بدل قیادت کی نواب ڈیرہ اور وزیران بنوں کے دباو کے سامنے سینہ سپر رہے وہ صحیح معنوں میں سارے بنوں کا سربراہ اور راہرو تھے وہ عظیم انسان تھے بنویان اور قبیلہ مروت میں یکساں مقبول تھے وہ بظاہر سکھا شاہی کے مشیر تھے حقیقت میں وہ سکھوں کے دشمن دلاسہ خان کے ہمراز تھے انہیں زہر پلادیا گیا تھا یہ ایک معمہ ہے زہر کس نے اور کیوں دیا تھا ان کے فوت ہوجانے کے بعد بنوں یتیم ہوچکا تھا مگر یہ بنوں والوں کی خوش نصیبی تھی کہ بنوں تاج برطانیہ کے قلمرو میں آیا اور امن محال ہوا اور نہ آج بنوں کی تاریخ دگرگوں ہوتی اور بنوں پر بنویان کی بجائے وزیر قبیلہ قابض ہوجاتا دکس خیل میں متعدد شخصیتیں قابل التفات ہوگزریں ہیں جن میں سرفہرست رئیس بازار احمد خان مغراللہ خان تھے وہ آنریری پولیس انسپکٹر بھی تھے رعب دار اور قدآور شخصیت کے مالک تھے ترک موالات کے سلسلے میں افغانستان ہجرت کی انہوں نے شمالی وزیرستان میں انگریزوں پر قافیہ حیات تنگ کر رکھا تھا بعد میں غازی امیر امان اللہ خان وامیر کابل سے انگریزوں نے شکایت کی اس لئے خان مغراله خان کو واپس بلایا گیا خان مغراللہ خان افغانستان ہی میں فوت ہوئے وہ لاولد مرگئے۔ حاجی اسلم خان اور
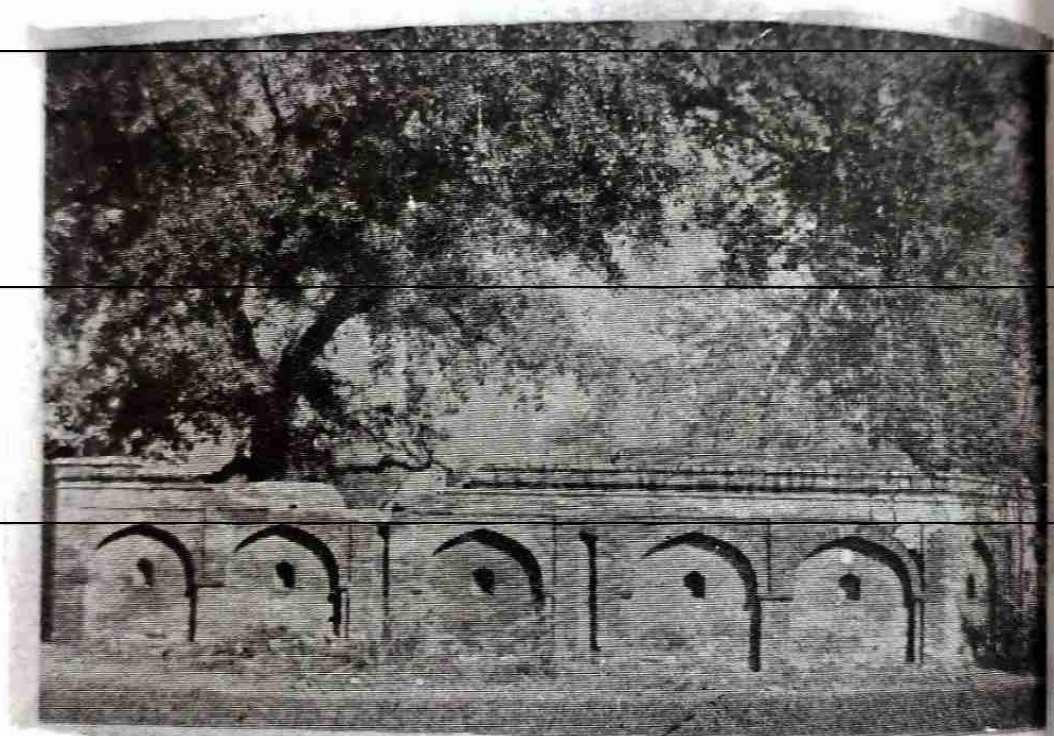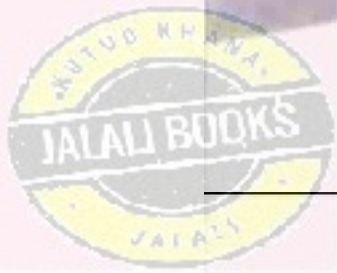
سلار یعقوب خان اس خاندان کے سر خیل تھے خدائی خدمتگار تحریک سے وابستہ رہے بعد میں انڈیا نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں

(ج) درب خیل دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہو گئی چکی ہے (ا) میر زمان خیل اور درب خیل یا اکبر خیل میر زمان خیل مقابلتاً زیادہ مردم خیز ہے۔ اس شاخ میں ملک افضل خان سر فراز خان اور منور خان قابل التفات شخصیتیں گزری ہیں اس وقت اس خاندان میں نعمت علی خان ایڈووکیٹ ہیں جو اس خاندان کے چشم وچراغ ہیں ان سے بڑی امیدیں وابستہ کی جا سکتیں ہیں درب خیل (اکبر خیل) میں خان صاحب دمساز خان اپنے ہم عصروں اور ہم سروں پر فوقیت رکھتے تھے ان کا بیٹا اقبال خان ذہین انسان۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں مگر مقامی الجھنوں اور سیاسی جھمیلوں سے خود کو دور رکھے ہوئے ہیں اس شاخ میں ملک بدیع الزمان ایڈووکیٹ قابل التفات تھے سماجی کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے وہ ممتاز قانون دان تھے ان کے سارے فرزندان اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ بحیثیت مجموعی شاہ بزرگ خیل کی سیاسی ساکھ دم توڑ چکی ہے لے دے کے نعمت علی خان ایڈووکیٹ میں کچھ دم خم ہے اور ان سے شاہ بزرگ خیل کا بھرم بھی باقی ہے مگر وہ بھی کسی سیاسی تحریک سے وابستہ نہیں ہیں مگر سماجی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ سماجی خدمات کے لئے ہمہ وقت دستیاب ہوتے ہیں سماجی کاموں میں فنا کی حد تک دلچسپی دکھاتے ہیں یہ خوبی اسے اپنے والد ملک سر فراز خان سے ورثہ میں ملی ہے سماجی خدمت ان کی زندگی کا دستور بھی ہے اور منشور بھی۔ ان کے اندر صبر۔ حوصلہ اور استقامت پائی جاتی ہے وہ صاحب حیثیت اور صاحب وسائل ہیں اگر وہ ان تمام خوبیوں سے بقدر توفیق انسانی استفادہ کریں تو وہ اپنی دنیا آپ پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ ملک اصغر علی خان دکس خیل شاہ بزرگ خیل کا نمائندہ اور تابندہ شخصیت ہیں وہ صحرائے میں نخلستان ثابت ہو سکتے ہیں وہ غیر تراشیدہ ہیرا ہے جوانی کشمکش میں گزری اب طبیعت سنبھل گئی ہے اگر وہ سماجی خدمات کے لئے خود کو وقف کر دیں تو دونوں کا بھلا ہو گا جان کا بھی اور جہان کا بھی قبیلہ شاہ بزرگ خیل ہوں کی امامت سے دست بردار ہو چکا ہے جسکی وجوہ موجود ہیں آپس کی ذیلی شاخوں کے مابین چپقلش رہی ہے اس لئے غیر متفق ہیں گویا منتشر۔ ان ذیلی شاخوں کے مابین قتل وخون

کی دعویداریاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ قبیلہ اکثر وبیشتر اپنوں میں شادیاں کرتا رہا ہے اس لئے جسمانی اور ذہنی لحاظ سے پستی میں جارہے ہیں وہ خود کو بویان سے غیر اور الگ قبیلہ تصور کرتا ہے جس کے مضر اور نقصان دہ اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کے اکابرین کا جو کچھ قومیت کے بارے میں عندیہ پایا جاتا موجودہ نسل اس کی ابطال کرتے ہیں وہ خود کو مافوق الاصل ونسل بتاتے ہیں اس طرح اس نظرئے نے انہیں دیگر بویان سے دور کر دیا ہے۔

خاندان مغل خیل۔ غوریوالہ

اس خاندان کا جد امجد حسن خان تھا مغل خیل اصل بویان نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ یوسف زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو پشاور اور اس کے گردونواح میں اکثر آباد ہیں حسن خان ذاتی دشمنی کے باعث اپنے دو بیٹوں عمر خان اور اسمٰعیل خان کے ہمراہ بنوں آئے تھے حسن خان باہمراہ فرزندان مذکورہ پہلے علاقہ ہنجل میں مقیم رہے پھر خوجڑی (خوزڑی) کے قریب آباد ہوئے آج کل اسے موضع حسن خیل کہا جاتا ہے۔ حسن خان کے وفات کے بعد عمر خان اپنے بھائی سے الگ ہوا غیرت خان خوجڑی اور عمر خان آپس میں دوستی کی بنیاد پر موجودہ غوریوالہ آئے دونوں نے یہاں آکر ایک بستی تعمیر کی بستی کا نام غیرت خان کے نام سے مشہور تھا عمر خان ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا اور اسی حوالہ سے بڑا نام پیدا کر دیا اور کافی لوگ اس کے ہم رکاب ہوئے ایک گروہ جٹ اس کے ہمسایہ بنے۔ اعوانوں (ہندکی) کی بھی معاونت انہیں ملی اس طرح روزافزوں اسکی قوت میں اضافہ ہوتا رہا ایک دفعہ وانڈہ غوریوالہ کے کچھ افراد نے قبیلہ مروت کی مال مویشی بزور بھگا لائے مروت قبیلہ نے ملک غیرت خان سے مویشی کی واپسی کا مطالبہ کیا اور جرگہ بٹھادیا گویا ننہ ورتئے کی غیرت خان نے جرگہ کی درخواست قبول کر کے مال مسروقہ واپس کرنا چاہا اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عمر خان ولد حسن خان نے اپنے دیگر ساتھیوں کو جمع کیا اور غیرت خان کے خلاف اکسایا دیگر لوگوں نے بھی غیرت خان کو بزدل کہا ان سب نے مل کر غیرت خان کو ملکی سے ہٹادیا اور اس دن سے پشتو میں کہاوت مشہور ہوئی د تو دو سڑونہ وو غیرت

خان غیرت خان تجربہ کار اور جہان دیدہ نہ تھا اسی وقت سے عمر خان کے خاندان میں ملکی بدستور چلی آرہی ہے اسکی تیسری پشت سے مغل خان مشہور ملک بنے۔ جسکی اولاد کو مغل خیل کہا جانے لگا۔باوجود کہ وہ غیر ہوی تھا لیکن اپنی عقلمندی جرات اور گروہ بندی کی وجہ سے بزار سوخ پیدا کیا بعد میں وہ سپین گوند کا افسر بنا اسی دوران مغل خان کے بھائی چنار خان کو قوم شگئی نے قتل کر دیا قوم شگئی نے اظہار ندامت اور پشیمانی کر کے مغل خان کے گھر جرگہ بٹھادیا اور ننہ واتے کی جسے مغل خان نے قبول کیا پشتون رواج کے مطابق دوسرے دن قوم شگئی متعدد دنبے خون بہا سمیت دیگر معززین علاقہ۔ مذہبی اور روحانی پیشواوں کے ہمراہ مغل خان کے پاس حاضر ہوئی۔ مگر مسمی غلام پسر چنار خان مرحوم نے ملک اللہ داد خان کو اپنے ہی گاوں میں قتل کر دیا۔اور اس طرح اس نے اپنے باپ کا بدلہ چکادیا مغل خان نے اپنے بھتیجے غلام خان کے اس فعل کو بے مروتی جانا اور بدلے میں اس نے اپنے بھتیجے غلام کو قتل کر دیا جس پر اپنی برادری مغل خان کے خلاف ہو گئی۔ مغل خان مجبوراً ہو کر غوریوالہ سے بھاگ نکلا اور بازار احمد خان میں پناہ لے لی۔اس کی جگہ مسمی قطب خان ولد چنار خان مرحوم ملک بنا کچھ عرصہ بعد مسمیان نوری اور رستم دونوں نے قطب خان کو قتل کر کے خود ملک ہوئے کچھ عرصہ بعد ان دونوں کے بارے میں مشہور ہوا کہ وہ ماہ رمضان میں بے وقت افطاری کیا کرتے ہیں جس پر اخوند شیر محمد ہوی سکنہ بازار احمد خان اور پیر کہہ صاحب سکنہ علاقہ داوڑ دونوں ناراض ہوئے اور نوری ور ستم کے خلاف فتویٰ دیکر ان کے خلاف جھتہ بندی کر دی اور ان پر لشکر کشی کی گئی محاصرہ تقریباً ۲۰ دنوں تک رہا اسی دوران دریا خان شاہ بزرگ خیل پسر شرافت خان شاہ بزرگ خیل سکنہ بازار احمد خان کو دھوکے سے قتل کیا گیا شبہ اپنے رشتہ داروں پر تھا بہر حال غوریوالہ فتح ہوا اور مغل خان کو ایک بار پھر ملکی پر بحال کیا گیا اس وعدے کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں بچوں اور مستورات کا قتل و قتال نہیں کرے گا نہ کروائے گا محفل سرود کی بھی اجازت نہیں دے گا مغل خان نے اپنی بیٹی شرافت خان شاہ بزرگ خیل کو نکاح میں دیدی جس سے تین فرزندان ہوئے۔بعد وفات مغل خان اس کا بیٹا وراز خان ملک بنا اس نے بعد مغل خان کا پسر دیگر قاسم خان ملک بنا اس

نے اپنے باپ سے بھی بڑھ کر نام پیدا کیا اس کا دوسر بھائی سینی خان جو سلیم الطبع۔ خاموش۔
ذہین۔ زم خوانسان تھا یہ بہتر جانا کہ وہ بھائیوں سے دور رہے کیونکہ ان کے متعدد بھائی تھے ان
کے والد مغل خان نے متعدد شادیاں کی تھیں جن سے متعدد بیٹے ہوئے تھے جو ایک دوسرے
سے شاکی رہتے تھے سینی خان افغانستان چلے گئے اور حاکمان افغانستان کے مہمان رہے آخر کار
علاقے کے لوگ قاسم خان کی سخت گیری سے تنگ آگئے لہذا سینی خان کو افغانستان سے بلایا گیا
اسے ملک بنادیا گیا ایک عرصے تک سینی خان ملک رہا مگر میانداد خان درانی جو محمود شاہ درانی کی
طرف سے حصول کلنگ کے لئے بنوں آیا تھا بازید خان مری نے اسے بہلا پھسلا کر اسے سینی خان
کے خلاف اکسایا اور وہ سینی خان کے قتل کے درپے ہوا سینی خان کو ایک روز مہمان کیا اور بازید
خان کے ہاتھوں دغا سے اسے قتل کیا گیا میاں داد خان کا حشر بھی بہت برا ہوا اور قدرت نے اسکو
سزا دی کسی بات پر محمود شاہ درانی اس سے ناراض ہو کر میانداد کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اس کے بعد
جعفر خان پسر سینی خان ملک بنا جبکہ دوسرے فریق سے جنگی خان ولد قاسم خان ملک تھا۔ جعفر
خان نیک خو نیک سیرت۔ راست باز اور خوش خلق انسان تھا اور پیین گوند کا سردار بنا اور کسی بھی
وقت ایک عظیم لشکر جمع کر سکتا تھا جو تقریباً ۶ ہزار نفوس پر مشتمل ہوتا تھا۔
جب ایڈورڈز ۱۸۴۷ء میں بنوں آئے تو اس وقت جعفر خان مغل خیل مسلم حیثیت سے طاقت
ور شخصیت تھی اسمال خیل کا ملک اللہ داد خان تھا مگر جعفر خان اور اللہ داد میں رقابت تھی۔
جب سکھوں کی دوسری جنگ چھڑ گئی تو اللہ داد خان اور جعفر خان دونوں ایک دوسرے کے
مدمقابل کیمپوں میں شامل ہوئے جعفر خان نے انگریزوں کا ساتھ دیا جبکہ اللہ داد نے سکھوں کی
حمایت کی جعفر خان نے انگریزوں کی ۲۰۰ مسلح افراد سے بنوں میں مدد کی کیونکہ بنوں قلعہ میں
بھی سکھوں نے بغاوت کی تھی اور ملک فتح محمد خان ٹوانہ قلعہ دار کو قتل کر دیا تھا مزید جعفر خان
نے اپنے بڑے بیٹے سردار خان کو ۲۸ سواروں کے ساتھ ملتان بھیجا تھا تاکہ وہاں انگریزوں کے
دشمن دیوان ھول راج کی بغاوت کو ختم کرایا جائے اور اسکی سرکوبی ہو جعفر خان بنوں کے ۴۰۰
قلعہ جات کے انہدام میں بھی ملک لالباز خان سے ملکر انگریز افسر نگران ایڈورڈز کی معاونت کی

تھی ان خدمات کے عوض جب انگریز فتح یاب ہوئے تو جعفر خان کو رئیس بنا دیا گیا۔ انہیں مستقل جاگیر ملی اسمال خیل کا ملک اللہ داد خان مفرور ہو چکے تھے اس کا ٹپہ ملکی بھی انہیں کو ملا گویا جعفر خان مغل خیل غوریوالہ اور اسمال خیل کا ملک بنا دونوں ٹپہ جات سے جو لگان وصول ہو تا اس کا 1/8 حصہ انہیں دیا جانے لگا۔ نار میں جعفر خان کو وسیع اراضی مفت دیدی گئی۔

جعفر خان نے ۱۸۵۸ میں وفات پائی ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سردار خان ملک بنا جو ۲۵۲۳ روپیہ سالانہ جاگیر وصول کرتا تھا اور دو ٹپہ جات غوریوالہ اسمال خیل کے ملک ہونے کے باعث مزید ۔۱۰۶۳ روپے سالانہ وصول کیا کرتا تھا سردار خان کو اعزازی ضلعدار پولیس بنا دیا گیا مگر وہ اس عہدے کو نبھا نہ سکے تھے۔ ملک جعفر خان نے لکی دروازے بنوں کے عین عقب میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی جسے ملک دمساز خان نے از سر نو تعمیر کرا کے زیبائش اور آرائش کے لحاظ سے ایک یادگار نمونہ بنا دیا ہے اس مسجد کا مدرسہ معراج العلوم کے ساتھ الحاق ہوا ہے۔ خاندان مغل خیل کا طرہ امتیاز ان کی شائستگی عادات و اطوار و خوش خلقی ہے ایک لحاظ سے یہ خاندان مردم خیز بھی ہے اور ماضی و حال میں قابل التفات افراد پیدا کئے حاجی نظیف خان صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے اعلیٰ تعلیم یافتہ شریف انسان تھے، ماسٹر عزیز خان اور ان کے بھائی مجید خان دونوں کی مہمان نوازی ضرب المثل رہی مگر یہ خاندان تعلیم نسواں کا مخالف بلکہ دشمن رہا ہے عزیز خان اور مجید خان کا اشتراک عمل باہمی محبت، مشاغل اور خصائل قابل تقلید اور قابل صد ستائش ہیں۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں۔

ایم سمیع اللہ خان ایڈووکیٹ بھی ممتاز قانون دان ہیں شریف۔ خاموش انسان ہیں خدا نے انہیں لائق۔ قابل بیٹے دئے ہیں۔ ایم محمد شمیم خان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں وہ سر خیل مغل خیل ہیں وہ جامع کمالات ہو سکتے تھے مگر حساس طبعیت کے باعث زمانے کی ناقدر شناسی کے شاکی ہوئے سیاست سے توبہ کر لی آج کل یکسوئی تنہائی کی طرف زیادہ راغب ہوئے ہیں۔

دستاویزی بیان (اکابرین مغل خیل ۱۸۷۸ء)

دستاویزی بیان مالکان بابت حالات سابقہ متعلقہ دیہہ حسن خیل جعفر خان ہو بہو نقل از دستاویزی

مضمون ۱۸۷۸ء (محافظ خانہ ہنوں)

پہلے یہ علاقہ جنگل غیر آباد افتادہ تھا عرصہ ۱۰ پشت کا گزرتا ہے کہ مسمی حسن قوم افغان اصل یوسفزئی مورث اعلیٰ ہم مالکان کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالہ ملتاہے اس رقبہ کو بلاوارث و قابض دیکھ کر قابض ہوا۔ اور نجر شگافی شروع کر دی بحیات خود واحد مالک رہا اسکے وفات کے بعد بباعث نا اتفاقی باہمی اسکے اولاد کے مسمی عمر حقیقت سے دست بردار ہو کر موضع غوریوالہ کو چلا گیا یہاں صرف اولاد اسماعیل کے قابض رہے اور وہ یہی ۵ پشت تک بالاجمال مالک رہے چھویں پشت میں اولاد بزرگ میں تقسیم بحصہ جدی ہوئے۔ اور کلی خان اولاد عمر مذکور سے اگرچہ پھر اکرکسقدر اراضی کا بلحاظ وراثت جدی مالک ہوا تھا اور اس کے اولاد بھی کوئی روز تک مالک رہے لیکن آخیر انہوں نے بسبب سقیم الحالی اپنی حقیقت کو (تنگ دستی کے باعث اراضی خود) مختلف اشخاص کے ہاتھ فروخت کر دیا جب عہد درانی کا آیا تو مسمی جعفر خان مغل خیل اولاد عمر بزرگ مزکور الصدر غوریوالہ سے اٹھ کر بازور بازور پر قابض ہو گیا (رقبہ ملک حسن خیل) اور اولاد اسماعیل سے صرف پسران زیردست قبضہ کی مالک رہے۔ باقی کل رقبہ قبضہ جعفر خان کے آگیا اس کے مرنے کے پہنچی اسکے حقیت (زمین۔ ملکیت) جو دیہات زیل یعنی غوریوالہ۔ کوٹ قلندر۔ کوٹ پشتہ۔ نار جعفر خان بالوچن خیل دایم محن خیل۔ نقشبند۔ امین خان خوجڑی اسماعیل خیل میں واقعہ تھے مخلوط ہو کر بحصہ رسم مطابق شریعت حسب زیل تقسیم ہوئے

۹ حصہ = سردار خان ۲ حصہ فیض اللہ خان و میر اکبر خان ۴ حصہ

پردل خان و غلام حسن خان ۳ حصہ

اور بھی اختلاط اراضیات دیہات متذکرہ صدر کا بوقت تقسیم باعث شکست مندرجہ بالا ہے کسی حصہ دار کو کسی گاوں میں رقبہ کم اور کسی گاوں میں زیادہ ملا اسلیے فلحال مابین مالکان اس گاوں بینا قبضہ وار عملدرآمد ہے۔ ہاں اگر اراضیات کل دیہات کو یکجا کیا جائے تو حصہ پورا ہو سکتے ہیں اور یہی سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ بموجب حکم ۶ جون ۱۸۷۶ء اجلاس صاحب مہتمم بندوبست بہادر کوٹ پشتہ و کوٹ براڑہ بطور چک داخلی شامل ہو کر واحد موضع قائم ہوا اور مسی یوسف خان بذریعہ جعفر خان تعدادی (؟) کنال اراضی مندرجہ کیوٹ نمبر ۱۸۴ پر قابض ہے کہ وہ بموجب حکم ۳۰ جولائی ۱۸۶۴ء یوسفخان بنام دوست محمد خان دعویٰ اراضی اجلاسی محمد حیات خان صاحب کلکٹر اسسٹنٹ کمشنر بہادر مالک انہیں قرار پایا اور بحساب فیصدی پچیس روپیہ حق ملکان اولاد جعفر خان کو دیتا ہے۔ اور دیگر اشخاص جس طرح مالک ہوئے جس طرح ان کے درمیان تقسیم وراثت ہوئے اس کا مفصل حال محازی میں درج ہے شاملات دیہیہ بدون راستہ وویال کے نہیں ہے۔ صورت دیہہ بھیاچارہ مکمل و تعلقداری ہے۔

دفعات دوئم بنائے موضع۔ مضمون۔ کی نقل ہو بہو۔

آبادی کلاں حسن مورث نے بنائی تھی اور نام اس کا بانی کی لحاظ سے حسن خیل مشہور ہوا ایک دفعہ یہ آبادی بوقت یورش جعفر خان برباد ہو گئی۔ پھر جعفر خان نے بنائی وہ سربراہی آبادی کوٹ برڑہ سنی خان والد جعفر خان نے آباد کیا اور چھاونی سرکار کے تعمیر وقت ویران ہو گیا اور دوسری آبادی مرمت ہوئی نام آبادی کا نام زمین پر کوٹ براڑہ معروف ہے۔ کوٹ پشہ کی آبدی تباہ کردہ جعفر خان مذکور ہے جس میں ایک بنگلہ اس کا تھا جس کے سبب سے اس آبادی کو بنگلہ جعفر خان کے نام سے پکارتے تھے جب لشکر درانیان کا اس میں فروکش ہوا پشہ نے نہایت تکلیف دی اس روز سے کوٹ پشہ کہنے لگے۔ بموجب اندراج دفعہ اول ایک موضع ہو کر بخیال کلاں آبادی حسن خیل کے بر سر موضع کا ایک نام حسن خیل جعفر خان نامزد ہوا اور آبادی سے برابر آباد ہے کہیں ویران نہیں ہوا اور آبادی اس کے ۶ جگہ باسم ذیل حسن خیل جعفر خان۔ کوٹکہ زیرین۔ کوٹکہ بالا۔ کوٹ پشہ۔ کوٹ میر دل۔ کوٹ بریڑہ واقع ہے دیہیہ کہنہ یا قلعہ ویران کوئی نہیں ہے۔

عہد درانی و سکھان میں کلنگ کا رواج تھا سو جس قدر کلنگ سوئم۔ حصہ خور یوالہ پر مقرر ہوتا تھا اس کا ساتواں حصہ ہم ملکان پر آتا تھا اس کو قبضہ وار باچھ کر کے آدا کرتے ہیں عملداری سرکار دولت مدار میں اول کچھ مدت تک بطور خام تحصیل چہارم حصہ کل پیداوار کا ملک مزروعہ سرکار کو دیتے تھے بندوبست سرسری اول میں حسب زیل جمع اس گاووں کے تشخص ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔متعدد دستخط۔۔۔۔۔۔۔مرتب کنندہ وغیرہ، وغیرہ

قبیلہ میرزعلی خیل

اس خاندان میں ملک میر ہوس خان نامور ملک گزرا ہے ان کے بعد ان کا بیٹا میر عالم خان ملک بنا۔ خالصہ دور میں بڑا نام اور اہمیت رکھتا تھا وہ سکھوں کا دشمن تھا اور انگریزوں کا مخالف۔ جب ایڈورڈز انگریز افسر بنوں کا نگران مقرر ہوا۔ بنوں کے تقریباً ملکوں نے اطاعت قبول کر کے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے سوائے چند ملکوں کے جن میں ملک امیر عالم خان بھی شامل تھا بعد میں جب دوسری بار موسم سرما میں ایڈورڈز بنوں آئے تو ملک میر عالم خان نے بھی بادل نخواستہ اطاعت قبول کر لی مگر دل و جان سے نہیں۔ وہ ہمیشہ ایڈورڈز سے کشاں کشاں رہتے تھے۔ ایڈورڈز بھی ان سے شاکی تھے ان پر الزام تھا کہ انہوں نے ۲ ہزار روپیہ اضافی مالیہ وصول کیا ہے۔ مزید ایڈورڈز کو مخبر نے اطلاع دی کہ امیر عالم خان ملک کے قلعہ کے ۵ افراد نے قسم کھائی ہے کہ وہ غازی بن کر ایڈورڈز اور کرٹ لینڈٹ کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس سلسلے میں ملک میر عالم خان کی پرسش ہوئی تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی جس پر ایڈورڈز کا شبہ یقین میں بدل گیا ایک اور موقع پر ایک سرکاری سپاہی کا قتل ہوا تھا تو سراغ رساں نے تصدیق کر دی کہ قاتلوں کے نشان پا امیر عالم خان کے قلعہ تک پائے گئے ہیں جسکی دعویداری بھی ملک امیر عالم خان پر ہوئی اور اسے تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ قاتلان کو فوری طور پر سرکار کے حوالہ کر دیا جائے ۱۸۴۸ء میں جب سکھوں نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور بنوں قلعہ بنوں میں

سکھوں نے قلعہ دار ملک فتح محمد کو قتل کر کے قلعہ پر خود قبضہ کر لیا۔ تو باغی رام سنگھ نے قلعہ کو ملک امیر عالم خان کے حوالہ کیا ملک امیر عالم خان نے اپنے بھائی میر افضل خان کو کابل بھیجا کہ وہ سردار اعظم خان کو بنوں آنے کی دعوت دیں۔ کیونکہ قلعہ خالی ہے۔ اس پر قبضہ کر لے چنانچہ سردار اعظم خان کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر بنوں آیا قلعہ پر قبضہ کر لیا بنویان پر ایک لاکھ لگان لگایا اور ابھی بمشکل ۴۰ ہزار روپیہ وصول کر چکا تھا کہ ملتان میں سکھوں کو شکست ہوئی اور قلعہ لکی بھی باغیوں سے وار گزار کرا دیا گیا۔ موقع کی نزاکت کے پیش نظر دونوں سردار اعظم خان اور ملک امیر عالم خان کابل چلے گئے اور قلعہ بنوں کو خالی چھوڑ دیا گیا۔ جس پر بعد میں میجر ٹیلر نے قبضہ کر لیا۔

جب ملک امیر عالم خان جلاوطن ہوئے تو اس کا ذریعہ معاش جو سرکار کی طرف سے مقرر تھا بشمول ملکی دونوں سے محروم ہو گیا اس کی جگہ شکر اللہ خان ٹپہ منڈان ہنجل سوکڑی اور فاطمہ خیل کا ٹپہ ملک بن گیا میر عالم خان کو بعد میں امیر دوست محمد خان والئے کابل کی سفارش پر بنوں آنے کی اجازت ملی مگر ملکی پھر بھی نہ مل سکی لہذا وہ بحالت مجبوری پھر علاقہ خوست چلا گیا اور وہیں ۱۸۶۴ء میں وفات پائی۔ شکر اللہ خان بلاشرکت غیر ٹپہ ملک بن گیا مگر وہ اپنے بیٹوں سے تنگ اور آمادہ جنگ رہتا تھا اس خاندان میں ایک اور شخص باعث توجہ تھا مگر سورئے سفید پوش ہونے کے اور ذریعہ معاش نہ تھا صالح خان کو تازی کتوں کے رکھنے کا بڑا شوق تھا تازی کتوں کے حوالہ سے صالح خان کا نام لیا جاتا تھا ایک کہاوت ہے کہ فلانے کا صالح خان کے کتوں نے پیچھا کر رکھا ہے۔

قبیلہ مرزعلی خان کی ضد ضرب المثل ہے۔ گویا شتر کینہ۔ ان کی خصوصیت بتائی جاتی ہے۔ تنبیہ کے طور کہاوت مشہور ہے کہ د میزرعلی خیل دا ایل نہ اور شاہ بزرگ خیل د پیل نہ خون سوتہ۔ یعنی میزرعلی خان کے شتر کینہ سے اور شاہ بزرگ خیل کی سازش سے خود کو بچائے رکھ۔ ایل بمعنی ضد جبکہ پیل بمعنی سازش کے ہیں۔ میرزعلی خیل شستہ کلام کے لئے مشہور ہے ایک کہاوت ہے اگر خودسر اور ضدی بیل کے سامنے کوئی میرزعلی خیل آئے تو وہ اپنے کمال کلام

ہے ضدی بیل کو بھی رام کرلے گا گویا میرزعلی خیل کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ کسی کے انکار کو اقرار میں بدل سکتا ہے اپنے کلام کی تاثیر سے پتھر کو بھی موم بنادے۔

یہ چیز وہ ہے جو پتھر کو بھی گداز کرے

یہ چیز ہے معجزہ میرزعلی خیل کو حاصل ہے قبیلہ میرزعلی خیل میں اگرچہ ہر شخص کمال وخوبی کا مالک ہے مگر چند ایک اس کان میں ہیرے ہیں اور ہیرو بھی۔

شیخ موزون صاحب۔ صاحب تقویٰ مصفا باصفا قلب وذہن کا مالک تھا۔ حال ہی میں وفات پائی ہے تحریک خلافت میں سرگرم رہے جماعت اسلامی کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر نصر اللہ خان اور عنایت اللہ خان سماجی کاموں میں حصہ لیتے رہے ہیں عنایت اللہ خان بقید حیات ہیں ملک سبحانی خان سیاسی بصیرت کے مالک ہیں حلیم الطبع۔ مرنجان مرنج طبعیت رکھتے ہیں انہوں نے خلافت تحریک۔ خدائی خدمتگار اور کانگرس میں اپنا کردار ادا کیا آج کل علیل رہتے ہیں ملک ریاض خان پیپلز پارٹی کے سرگرم رکن ہیں سیدھا سادہ پشتون طبع ہیں اس لئے بہت جلد اعتماد کرنے والے ہیں اور دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں نقیب اللہ خان اکثر آزاد امیدوار کے طور انتخاب لڑتے ہیں جب کامیاب ہو جائے تو پھر سر کڑاہی میں اور انگلیاں گھی میں رہتی ہیں زیرک اور سیاسی داو پیچ کے شناسا ہیں حال کامیاب ہے مستقبل خدا معلوم۔ ستار خان صاحب حال ہی میں محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں اسے جماعت اسلامی کی طرف سے انتخاب میں حصہ لینے کی ترغیب دی جارہی ہے وہ بھی آمادہ نظر آتے ہیں۔

ماضی قریب میں ذیل کے اشخاص قابل التفات رہے ہیں ملک حمید اللہ خان زہانت میں عدیم المثال سمجھے جاتے تھے صلاح کار انسان تھے اور اچھے باعتماد ساتھی ان کا شمار بنویان کے قائدین میں ہوتا تھا ملک نعمت اللہ خان ملک ہدایت اللہ۔ ملک عرفان اللہ (بقید حیات) ماسٹر عبدالرحیم ۔ماسٹر اطلس خان اور ڈاکٹر نظیف اللہ خان (بقید حیات ہیں) اسی حوالہ سے یہ خاندان مردم خیز رہا ہے۔ ڈاکٹر امیر محمد حیات خان اس وقت پشاور میں سکونت رکھتے ہیں زہین اور شریف انسان ہیں ڈاکٹر صاحب الحیات لیبارٹری کے مالک ہیں جو بہترین لیبارٹریوں میں شمار ہوتی ہے۔
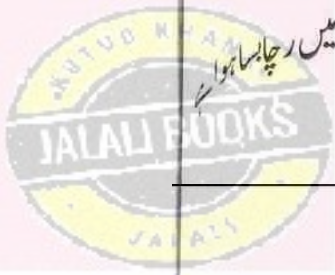
الغرض نرم دم گفتگو۔ گرم دم جستجو کی معنی و مفہوم اس خاندان کی رگ وریشہ میں رچا بسا ہوا
جو دیگر اقوام بنوں کے لئے وجہ تقلید ہے۔

بازید خان (مندا خیل سورانی)

بازید خان پسر عبد الخالق ابتدائی زندگی میں غیر معروف شخص تھا ان کا کوئی یار ہمکار اور مدد گار نہ تھا
مگر انہوں نے بہت جلد اپنی بے پناہ جرات کے باعث نام اور مقام پیدا کیا اور اس طرح اپنی سینہ
زوری اور سیہ کاری کے باعث اپنے لئے تپہ کی ملکی حاصل کر لی اس نے بے تحاشہ قتل کئے ان
کے نزدیک خون کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اسی تپہ کا نام بھی اسی کے نام سے موسوم ہوا۔ یعنی تپہ
بازید کہا جاتا ہے انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں ۱۰۰ لوگوں کو قتل کیا تھا یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ اس
نے ۱۰۰ سال کی عمر بھی پائی اس نے جب ۵۰ تک قتل کئے اور مطلوبہ تعداد پورا کیا تو اسی دن سے
حسب روایت وہ "پیاوژہ" پکارنے لگا گویا بے محابا بہادر اور قابل احترام شخصیت بقول ایڈورڈز اگر
یورپ میں کوئی ایسا ہوتا تو لوگ اسے کلمہ نفرین کہتے معاشرہ اسے مسترد کر دیتا مگر بنوں میں جو
مطعون ہونا چاہیئے تھا وہ مقبول عام ہو جاتا ہے۔ بازید خان نے میر قلم کے خاندان کا قتل عام کر
کے اس کا صفایا ہی کر دیا تھا وہ بڑا زیرک اور معاملہ فہم انسان تھا انہوں نے دریائے کرم کے بائیں
کنارے اس جگہ پر ایک قلع تعمیر کیا جہاں سے بہت ساری نہریں نکالی گئی تھیں چنانچہ جب چاہتا
نظام آب پاشی میں مخل ہو جاتا اس طرح اس نے بنوں کے بیشتر ملکوں کو اپنا طفیلی اور زیر احسان
کر رکھا تھا ملک دکس خان شاہ بزرگ خیل جو تور گوند کا سربراہ تھا اسے جب احساس ہوا تو پانی سر
سے گزر چکا تھا۔ بازید خان بہت مضبوط ہو چکا تھا افرادی قوت بھی بہت زیادہ ہو گئی تھی اب زور کا
مالک تھا۔ ادھر دکس خان کی عمر ڈھلنے کو تھی دکس خان نے اسے راہ راست پر لانے کے لئے
اس کے ساتھ قوت آزمائی کی مگر ناکام رہے اور پھر اسی حسرت کے ساتھ وفات پائی البتہ ملک
شیر مست خان جو دکس خان کے بعد تور گوند کا افسر بنا تھا اس نے ملک نامور خان فاطمہ خیل کو اپنا
ہمکار بنایا۔ دونوں نے بازید خان کو معمولی جھڑپ کے بعد زیر کیا اور اس کے قلعہ کے متصل

ایک اور قلعہ تعمیر کروایا اس طرح بازید خان کی نظام آبپاشی پر کنٹرول ختم ہوا۔
ملک بازید خان نے یکے بعد دیگرے ۸ شادیاں کیں جن سے ۲۰ بیٹے پیدا ہوئے بازید خان نے
۱۸۶۴ء میں بعمر ۱۰۰ سال وفات پائی۔ بازید خان کے شامت اعمال کا نتیجہ ان کے بیٹوں کے
انجام بد کی صورت میں ظاہر ہوا ان کے بعض بیٹوں کے نام یہ ہیں ارسلا خان۔ جان۔ میر زمان۔
سید احمد۔ اسد خان سر فراز۔ خانصوبہ نورامجد آزاد۔ خلیل تاج محمد علی محمد وغیرہ۔
ان کے بیٹوں میں سے ۱۰ بیٹے ان کی زندگی ہی میں مر گئے۔ مگر باقی جو بچے تھے ان ۱۰ بیٹوں کا بھی
حشر عبرت ناک رہا ایک کو کسی نے انتقام میں قتل کیا ایک بیٹے کو پھانسی لگی ایک کو عمر قید کی سزا
ہوئی اور ملک بدر ہوا ایک اپنی ہی بندوق سے زخمی ہو کر مر گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد خالصوبہ
ملک بنا ۱۸۷۰ء میں اس نے خود کشی کر لی اس کا سوتیلا بھائی اسد خان ملک ہوا اسے بھی دیگر
بھائیوں نے قتل کر دیا ۱۸۷۵ء اس کے بعد اسد خان کا دوسرا حقیقی بھائی خلیل خان ملک بنا وہ
۱۸۸۳ء تک زندہ رہا۔
معلوم ہوا اولاد بازید خان کا حشر عبرت انگیز رہا جو ہم سب کے لئے دعوت فکر کا سامان مہیا کرتا
ہے ملک بہادر خان اس خاندان کے سرخیل تھے جو نڈر بے باک اور سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک
تھے مگر زندگی نے وفانہ کی کینسر موزی مرض کے ہاتھوں وفات پائی اس وقت ملک ناصر خان پسر
ملک بہادر خان مرحوم بقید حیات ہیں قومی اسمبلی کے ممبر ہیں تعلیم یافتہ ہیں پاک۔ صاف
شفاف شخصیت کے مالک ہیں اچھے مقرر ہیں ملک ممتاز خان ملک دراز خان اپنے عہد کے مقبول
ترین شخصیات تھیں بڑا نام پیدا کیا تھا دونوں بے جرم گناہی میں شہید ہوئے ملک نواب خان
پاکستان مسلم لیگ کے صدر ہیں قدیم روایتی پرہ جذبہ رکھتے ہیں جو موجودہ حالات کا جواب ہے۔

نقل ہو بہو۔ دستاویزی مضمون طور کہ سورانی بمطابق ۱۸۷۸ء

سلسلہ بازید خان آف سورانی بحولہ ریکارڈ محافظ خانہ ہوں حال حصول ملکیت ہماری قوم سورانی کا جو ایک شاخ قوم کلاں بنوزئی کی ہے شجرہ نسب کلیات میں درج ہو چکا ہے حسب تقسیم برادرانہ ہوئی تو یہ رقبہ مسمی ملیو مورث ہمارے کے حصہ میں آیا۔ جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالا ملتا ہے بلاشرکت غیر اس پر قابض و متصرف ہوا انکی وفات کے بعد دو پسران مسمیان تور خان وبازید نے کل وراثت پدری کو بحصہ مساوی تقسیم کر کے بازید کے اولاد نے بازید اانپی نام پر موضع علیحدہ کر لیا ابتک اس کی اولاد وہاں مالک ہے اور مسمی طور خان (تور خان) مورث ہمارے کے حصہ میں یہ موضع آیا جب وہ مر گیا تو اس کے چار پسران ذیل اسماعیل خان لیونے کا پرہ۔ بہادر خان باقی رہے۔ ان چاروں نے ملکیت پدری کو بحصہ برابر تقسیم کر لیا پھر اسماعیل خان کی اولاد میں چار پشت تک بلا تقسیم کھاتہ بالا جمال رہا چوتھی پشت میں باند کے چار پسر ذیل عبدالخالق ۔ شادی خان ۔ خانہ زاد۔ مدت پیدا ہوئے تو ہر چہار برادران نے ملکیت پدری کو بروئے قاعدہ وراثت بانٹ لیا۔ سو ہر سہ اولاد باستثنائے شادی خان اس خاص موضع تور کا میں آباد ہوئے اور شادی خان اور میر عالم خان پسر اس کے علیحدہ آبادی بنا کر آباد ہوئے۔ جبکہ ابتک اولاد اسکی وہاں موجود اور قابض ہے اور عبدالخالق کے دو پسر ایک عباس خان دوسر لابازید خان پیدا ہوئے الاان ہر دو میں مسمی بازید خان بڑا نامی و گرامی اور بہادر آدمی تھا اس نے کسی قدر اراضی مسمی عباس خان برادر حقیقی کو برائے گزارہ دیکر باقی کل ملکیت دیہیہ مزکورہ پر دیگر اراضیات جو بازید خان نے بزور شمشیر اقوام بنوزئی وغیرہ سے حاصل کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ار سلا لاولد مر گیا۔ اور بازید خان حیات تھا اس نے اس حصہ لاولد کے ملکیت بمسمیان جان خان و میر زمان پسران کو دے دی۔ اور سید احمد نے مجملہ ۳ حصہ کے ملکیت دیہیہ ہزا سے ۳ حصہ ملکیت ازاں مسمیان اسد خان سر فراز خان برادران اولاد مسماۃ میر بیگم کو دے کر عوض اس کے موضع ککوٹ اسد خان سے لے لی اور نیم حصہ کے اراضی دیہیہ میں مسمیان خلیل خان وغیرہ پسران خلصو بہ نور احمد خان آزاد خان و جان خان وغیرہ پسران بازید خان دیں تفصیل زیل۔

جان خان و میر زمان خان وغیرہ خلیل خان وغیرہ پسران خانصوبہ خان نور محمد خان و
آزاد خان وغیرہ۔ ارسلا خان سر فراز خان۔ تاج محمد خان و علی محمد خان اور دیگر حصہ داران اولاد
بازید خان کے ملکیت و حصہ موضع کچکوٹ اسد خان و کوٹکہ بازید وغیرہ میں بروئے تقسیم ملی ہے۔
وہ وہاں قابض ہیں اور عباس خان کا صرف خواص خان ایک پسر ہے جو ملکیت پدری پر قابض ہے
باقی تفصیل حال شجرہ نسب میں ہر نام پر ایک عورت بازید خان لکھا گیا ہے اور مسمی شادی خان
امیر عالم خان پسر شادی خان حیات رہے تو کھاتہ ان کا مشترکہ ہے۔
بعد وفات ان کی تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ مسمیان سعد اللہ خان و میر خان پسران میر عالم خان آدم
خان برادر میر عالم خان نے کل ملکیت کو سوائے آبدی دیہیہ و حصہ رسمی مقرر کر کے ایک حصہ
پسران میر عالم خان اور ایک حصہ آدم خان اور نیم حصہ مسماۃ طمونکی ہمشیرہ میر عالم خان کو دے دیا
ہے اور جب مسمات مطونکی مر گئی مسمی برہ خان نے انکے گورو کفن وغیرہ میں کسی قدر روپیہ
صرف کیا اس لئے اس کا نیم حصہ برہ خان کو مذکور کے پاس بیع قطعی ہوا اور برہ خان مر گیا باعث
اولاد نہ ہونے اولاد نرینہ کے مسمات کل مانی زوجہ متوفی و مسماۃ بیبی ولولہ ہے دو دختران اسکے
نیم حصہ پدری اور نیم حصہ بیع شدہ مسماۃ طمونکی پر قابض ہیں اور مسمی خانہ زاد کی تین عورت تھے
دو عورت سے ایک ایک بیٹا تیسری سے دو بیٹی پیدا ہوئی تھیں برائے یک ونڈ چار حصہ
مساوی پر اولاد خانہ زاد منقسم کر کے قابض ہے اور مدت خان کی اولاد کا کھاتہ ابتک مشترکہ ہے
تقسیم نہیں ہوا اور مسمی لیونے مورث کا تین پشت ایک ایک بیٹا ہوتا رہا سو قابض چوتھی پشت
میں مسمی حیات کے دو پسر ایک سوعات دوسرا غلام قادر تولد ہوئے سوعات لاولد مر گیا اس کی
ملکیت پر غلام دوبرادر حقیقی قابض ہوا سو اب اس کے کا ایک غلام قادر مالک ہے۔ اور مسمی کاپر کی
اولاد سے صرف ایک عبداللہ خان حیات ہے باقی جسقدر پیدا ہوئے سب لاولد مر گئے اسلئے اسکی
کل میراثش کا عبداللہ خان مالک اور قابض ہے سوائے اس کے اور کوئی وراثت ان کا نہیں ہے اور
حال تقسیم اولاد بہادر خان کا اس طرح پر ہے کہ بعد وفات بہادر خان کے ہر چہار پسران زیل علی
کملی گل بہادر و خدری نے کل ملکیت پدری کو پھر مساوی تقسیم کے بعد جسکو عرصہ تخمیناً ۵۰ تا ۶۰

برس کا ہوا ہو گا۔ مسمی خسوری۔ مسمی علی کو مسمیان بازید خان و عباس خان و نیکم موسم و حقیت
نے قتل کر دیا تو کل ملکیت اسکی کے اول ۱۴ حصہ مقرر کر کے ایک حصہ بابت دستار یعنی
سرداری مرزا عباس خان کو دیکر باقی ۱۱ حصہ کو تین حصہ پر حسب زیل منقسم کر کے قابض
ہوئے بازید خان و عباس خان حقیت و موسم یک حصہ نیکم جس پر ان کی اولاد قابض ہے اور بازید
خان نے اپنے حصہ کی ملکیت صرف یک حصہ مسمی خالصوبہ پسر کو دی تھی سوا اسکے اولاد اور علاوہ
اقوام تورکا کے اور جس حصہ دار اقوام مختلف نے برائے بیع قطعی کسی دیگر طور پر ملکیت دیہہ ہزا
میں حاصل کر لی ہے لہذا اس کے مفصل حال حصول ملکیت کا لکھا گیا ہے اب مطابق حصص کے
ہم ملکان سے کسی کے قبضہ میں اراضی برابر نہیں ہے بہت کم و بیش ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی
نے بوجہ نادراری فروخت کر دی اور کسی نے زر خرید کر لی اور کسی نے روز مدت دراز سے قبضہ کر
لیا اس لئے پیمانہ جدی معدوم ہو چکا ہے کوئی پیمانہ ملکیت کا ہمارے گاوں میں قائم نہیں کہ جسقدر
جسکے قبضہ میں اراضی ہے اسی قدر کا وہ مالک ہے۔ اور اب رواج قبضہ کا ہے شاملات دیہہ بدون
راستہ ویال کی نہیں ہے۔ سووہ قابل تقسیم نہیں صورت بھا چارہ مکمل ہے
دستخط و مہر

وجہ تسمیہ

اول صرف ایک آبادی مسمی تور خان مورث ہماری بنائی تھی اس میں کل اولاد اسکے آباد تھے اور تور
خان نے نام گاووں اوپر نام اپنی کی موقع تورکا مشہور کیا چنانچہ اب تک آباد ہے۔ کبی ویران نہی
ہوا۔ اور آبادی اسکی جگہ پر حسب زیل ہے۔
آبادی گل احمد۔ آبادی میر عالم۔ آبادی اعظم خان۔ آبادی مائک واقعہ ہے عہد افغانی و عہد سکھان
میں معاملہ برائے کلنگ ادا ہوتا تھا یعنی ۷۵۱ حصہ (پانچ سو سترہ حصہ) کل اس تپہ بازید خان کی
بابت کلنگ مقرر تھی منجملہ ان کی ساڑھے اٹھتالیس حصہ ہم مالکان اقوام تورکا کی زمہ تھی جب
کوئی حاکم سکھان کا واسطے وصولی کلنگ سال دو سال بعد اس ملک میں آتا تھا تو تخمیناً چار ہزار روپیہ
کی کلنگ اس تپہ میں دہراتا تھا اسکو اوپر ۱۷ حصہ کی تفریق کر کے ۴۸ حصہ کا روپیہ ہم مالکان ادا

کرتے تھے سرکار دولت مدار کی ہوئی تو ابتدائی ۱۸۴۷ء سے لغایت ۱۸۵۲ء تک عمل خام ہوتا رہا بعد ابتداء خریف ۱۸۵۲ء سے جمع واسطی چار سال کی لغایت ۱۸۵۷ء تک مقرر ہوئی تو اسکو حسب مقدار اراضی جو پیمائش ہو کر ہر ایک حصہ دار کی قائم ہوئی تھی اس پر ادا کرتے رہے بعد ازاں ابتداء ۱۸۵۳ء بندبست سرسری ہوا تو جمع تورہ سابقہ بدستور رہی۔ اسکو بھی آج تک حسب حیثیت اراضی مقدار قبضہ ہر ایک حصہ دار تولب کرا کر ادا کرتے رہے ہیں اب جو ابتداء خریف ۱۸۷۷ء لغایت بندوبست ثانی مبلغ ۱۰۵۰ جمع دیہیہ ہزا کی سرکار میں تجویز ہوئی تو اسکو ہم جملہ ملاکان نے براوئے رضامندی پڑتھ سرسری تفریق کرا کے یہ ایک مالک و نام روپیہ جمع کھیوٹ کرا دیا۔ سو بمطابق اس کے ادا کریں گے۔

خاندان

دہرمہ خیل سورانی۔ نیظم خان

یہ خاندان واللہ دین غرض زئی نسل سورانی سے ہے مسمی حسن خان جو اس خاندان کا مورث اعلی ہے نے مسمات دہرمہ ملکہ سے شادی کر لی انہیں کے حوالہ سے یہ شاخ دہرمہ خیل کہلائی جاتی ہے اس خاندان میں شاہین خان پسر بابر خان عہد درانیان میں بڑا ملک ہو گزرا ہے شاہ شجاع کی طرف سے اسے ایک سند دیا گیا جس کی رو سے اسے تپہ واللہ دین سے ایک ہزار روپیہ معاف تھا (بطور انعام) شاہین خان ملک کو اپنے بھائیوں نوزنگ اور بہادر خان نے عین بروز عید قتل کر دیا اس کا خورد سال بیٹا نیظم خان جان بچا کر چلا گیا ایک روایت کے مطابق وہ بازار احمد خان میں ملک دکس خان کے ہاں آیا تھا جب بالغ ہوا تو اس نے اپنے والد کے قاتلوں سے قصاص لے لی اور وہ خود ملک بن کر تپہ دہرمہ خیل سے نصف ملکی کلاں (تپہ ملک ۹ کا انعام سرکار سے مستحق ٹھرا یہ شخص راست گو اور نیک سیرت انسان تھا ان کا ایک بیٹا عبد الصمد خان تھا۔ وہ فارسی زبان کا عالم تھا اور باپ کا صحیح جان نشین ثابت ہوا۔ ملک نظیم خان نے بازار احمد خان کی تقلید میں گاووں کے متصل دو کانیں آباد کروائیں جسے نظیم بازار کہلانے لگا۔ جیسے کہ بازار احمد خان نام بازار رکھا گیا تھا یا مشہور ہوا تھا۔ ماضی میں ایک وفد راجہ رنجیت سنگھ سے ملنے کے لئے لاہور بلایا گیا تھا اس وفد

میں ملک نظیم خان بھی شامل تھا اس سے معلوم ہوا کہ مالکان کلاں میں ان کا شمار ہوتا تھا یہ خاندان اس وقت قحط الرجال کا شکار ہے اگرچہ پھر بھی سرزمین سورانی ایک لحاظ سے اب بھی مردم خیز رہا ہے اور زرخیز بھی۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ بنوں کی امامت اب سورانیوں کو تعویض کی گئی ہے کیونکہ سورانیوں کے باسیوں میں باہمی اتحاد پایا جاتا ہے اور مقابلتاً اس علاقے میں سماجی برائیاں کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔

علاقہ سورانی کے سیاسی افق پر ایک اور خاندان نمودار ہوا ہے جس کی قیادت فی الحال اکرم خان درانی کر رہے ہیں۔ وہ کئی بار صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں ان کے چچا حاجی سعد اللہ خان بھی صوبائی اسمبلی کے ممبر تھے آج کل ممبر و محراب کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

اس خاندان میں گلنواز خان خلیفہ خاص نام اور مقام رکھتے تھے زندگی بھر انگریزوں کے خلاف مصروف جہاد رہے وہ فقیر آف ایپی کے معتمد خاص تھے وہ حاجی سعد اللہ خان کے والد ماجد اور اکرم خان درانی کے دادا تھے۔

ایڈورڈز اور بنوں

سکھا شاہی نظام ناقص اور باعث تباہی رہا ان کے ظالمانہ اور ناقص انتظام کے باعث رعایا بنوں آمادہ بغاوت ہو جاتی تھی یہاں تک کہ یہاں کوئی آئین کوئی قانون نہ تھا مزید بنوں مرکز سے دور تھا ہر اہلکار جو کرنا چاہتا کرتا تھا کوئی باز پرس نہ تھی سپاہی سے لیکر سائیس تک ساری فوج خود مختار ہوتی وہ رعایا کو مال غنیمت سمجھتے تھے۔ قتل و قتال ان کا مشغلہ تھا جبر و جبروت ان کا شیوہ تھا قتل عام ان کا رواج عام تھا دیہات کے دیہات جلائے جاتے تھے۔ معمولی تاخیر کو تعزیر تصور ہوتا تھی جتنا جبر کرے ظلم کرے زیادتی کرے مباح اور جائز ہے مقامی باسیوں کے پاس بغاوت اور راہ فرار دو راستے باقی تھے سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد حکام کو احساس ہو چلا تھا کہ بنوں کو زیر کر نا لگان وصول کرنا آسان کام نہیں سکھ سپاہ کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ رنجیت سنگھ مر چکا تھا۔ رنجیت

بچے کا نابالغ بیٹا لارڈ ہاڈنگ کے قدموں پر گرا اور معافی کا خواستگار ہوا اسے معاف کر کے تخت نشین کرا دیا گیا مگر ساتھ ان کی رہبری اور معاونت کے لئے کونسل آف ریجنسی تشکیل دے دی گئی جسے بعد میں خالصہ دربار کا نام دیا گیا۔ اس خالصہ دربار کا نگران اعلیٰ سر ہنری لارنس بنا جسے ریزیڈنٹ کہا جانے لگا اس دربار نے لاہور میں امن امان قائم کیا بنوں کے لئے پہلے نکلسن کو مقرر کیا تھا مگر ناگزیر وجوہ کی بنا پر قرعہ فال ایڈورڈز کے نام نکل آیا۔ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ ایڈورڈز کے ساتھ ایک سکھ سردار شمشیر سنگھ کو روانہ کیا گیا جو سکھ سپاہ کا کمان کرتا تھا۔ ایڈورڈز سکھ فوج کے ہمراہ بغیر کسی مزاحمت کے ۱۵ مارچ ۱۸۴۷ء کو بنوں پہنچے یہاں انکی ملاقات سوان خان وزیر کے ساتھ ہوئی انہوں نے اسے ۲۸ سال پہلے کا لکھا ہوا خط دیا جو ایک انگریز غیر ملکی سیاح نے ساون خان کی پذیرائی اور مہمان نوازی کے سپاس میں لکھا تھا ایڈورڈز اس خط سے خوش ہوا پہلی نظر میں وہ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے پہلی ملاقات مستحکم دوستی کی تمہید بنی۔ یہاں بنوں کے دیگر اہم ملکوں سے بھی ملاقات ہوئی یہ جھنڈو خیل ہے گویا رعایا اور ملکوں نے مطیع ہونے کا عندیہ دیا۔ بنوں پر سہ سالہ لگان واجب الادا تھا جو دو لاکھ روپیہ بنتا تھا ایڈورڈز نے بنوں کا سرسری سروے کیا وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ بنوں کا ہر گاؤں پناہ رکھتا ہے ہر گاوں کے ارد گرد دیو ہیکل فصیل ایستادہ ہے جنہیں گرانا لابدی ہے اپنے خیال اور منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سوان خان وزیر کا مشورہ طلب کیا گیا انہوں نے لالباز خان کا نام دیا لالباز خان کو ہم خیال اور ہم نوا بنایا گیا ملک جعفر خان کو بھی ہمکار پایا۔ ایڈورڈز نے بصد دقت ۵۰ ہزار روپیہ مالیہ وصول کیا اور ماہ مئی میں شدت گرمی اور دیگر ضروریات کے باعث ایڈورڈز واپس چلے گئے۔ ان کے دائرہ اختیار میں ڈیرہ اسماعیل خان بنوں لکی مروت۔ عیسیٰ خیل ٹانک۔ کلاچی درہند چودھوان۔ گڑنگ اور ڈیرہ فتح خان شامل تھے یہ علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہیں دریا کے مشرق کچی بھی شامل تھا۔ جب دوسری بار ایڈورڈز اسی سال موسم خزاں یعنی دسمبر ۱۸۴۷ء کو بنوں آیا تو اس کے ہمراہ فوج بھی تھی منصوبے کے مطابق اس ذیلی فوج کی کمان کارٹ لینڈٹ نے کرنا تھی ایڈورڈز حسب ذیل فوج کے ساتھ روانہ ہوا ے پلٹون پیدل فوج

ایک رجمنٹ رسالہ ۲ ہزار سوار کشادہ تین توپ خانہ ۸۰ زمبورہ۔
فوج کی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ فوج کے بیشتر سپاہ بیماری کے باعث اور دیگر مصروفیات کیوجہ
سے شرکت کرنے سے قاصر رہے بہر حال دو اطراف سے فوجوں کو روانہ ہونا تھا جو دو دستوں پر
منقسم ہو۔ ایک دستہ پشاور سے دوسرا دریائے سندھ کے کنارے عیسیٰ خیل سے صلاح یہ ٹھہری
کہ ایسے تاریخوں سے یہ دونوں دستے روانہ ہوں کہ بنوں کے متصل کرک کے مقام باہم ملے
پشاور کے دستے میں ۳ پلٹون پیدل فوج۔ ایک رجمنٹ رسالہ۔ ایک توپ خانہ۔ ایک ہزار کشادہ
سوار زیر کمان سردار خواجہ محمد خان ولد سردار سلطان محمد خان بارکزئی ہو۔ یہ دستہ میجر ٹیلر کی زیر
نگرانی تھا دوسرے دستے کے ساتھ خود ایڈورڈز تھا جسکی کمان جنرل کورٹ لینڈت کر رہے تھے
۔ عیسیٰ خیل کے راستے یکم تاریخ دسمبر ۱۸۴۷ء کو قلعہ لکی پہنچ کر فوج کی گنتی لی گئی۔ توبارہ
سو بیس (۱۲۲۰) پیدل سپاہ اور تین سو چونتیس (۳۳۴) سوار کشادہ قابل ملازمت بیماری سے
بچے ہوئے شمار میں آئے اس کے علاوہ دو اچھی حالت میں توپ خانہ جنرل صاحب کے ساتھ تھا
ٹٹی اچن خیل کے راستے کوچ کرتا ہوا مقررہ مقام پر یہ دونوں دستے ۸ دسمبر ء کو ملے اور ۹
دسمبر کل فوج بمقام جھنڈو خیل پہنچی کرنل ایڈورڈز نے یہاں سرسری حکم پیمائش اراضیات بنوں
صادر کیا۔ ۱۱ دسمبر جنرل ٹیلر پشاور واپس ہوا اب دونوں دستوں کی کمان کرنل کورٹ لینڈت
کرنے لگے اسی تاریخ شب کو اسے اطلاع ملی کہ سوان خان وزیر سپر کئی ملک کلاں وزیر احمد زئی
سکنہ تھل نواح بنوں نے پیمائش اراضی کرانے اور ادائے کلنگ پر معترض ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم
نے کبھی بھی کسی بادشاہ کو کوئی کلنگ نہیں دیا اب یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم کلنگ ادا کریں اس
کے جواب میں ایڈورڈز نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا افہام و تفہیم کے بعد سوان خان وزیر
قائل ہوئے جھنڈو خیل سے ۱۳ دسمبر کو کوچ کر کے ممش خیل میں خیمہ زن ہوئے ۱۴، ۱۵
تاریخ علاقے کا سروے کر دیا گیا تا کہ مجوزہ شاہی قلعہ کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب کیا جائے
اس طرح کو ٹکہ بریڑا کے قریب جگہ پسند کی گئی جسکی بنیاد ۱۸ دسمبر ۱۸۴۷ء کو رکھی گئی۔ یہ جگہ
دریائے کرم سے جنوب میں چند سو گز کے فاصلہ پر ہے جبکہ نالہ کچکوٹ کے بھی قریب ہے اس

مجوزہ قلعہ کے ارد گرد چوڑی اور گہری خندق ہو گی جسے بوقت ضرورت پانی سے بھرا جا سکے اس مجوزہ قلعہ کا نام دلیپ گڑھ رکھا گیا یہ قلعہ توپ و تفنگ ۔ گولا بارود کے اثر سے محفوظ ہو گا۔ کیونکہ بنوں کی مٹی آہنی صلاحیت رکھتی ہے یہ قلعہ فوجیوں سے بنوانا تھا۔ شہر بنوں کی بنیاد ۲ جنوری ۱۸۴۸ء کو رکھدی گئی اس کا نام دلیپ نگر رکھا گیا تھا جو اب صرف شہر کہلاتا ہے بنوں میں بیک وقت فی الحال دو شہر زندہ ہیں ایک بازار راحمد خان یا پرانا بازار دکس بازار اور دوسرا نیا شہر۔

انہدام قلعہ جات اور ہم

ایڈورڈز نے محسوس کیا کہ بنوں میں ۴۰۰ قلعہ جات کی موجودگی میں بنوں والوں سے مالیہ وصول کرنا کارے مشکل ہے لہذا ان قلعہ جات کو خود بنویان کے ہاتھوں سے مسمار کرانا چاہئے بنویان کی باہمی بد اعتمادی اور نا چاقی کی وجہ سے ایڈورڈز اپنے منصوبے میں کامیاب ہوا اور قلیل عرصے کے اندر سارے قلعہ جات زمین بوس کرائے گئے۔

کرنل ایڈورڈز نے یہاں فوجی، سیاسی دونوں حکمت عملیوں سے کام لیا حرص اور حرب زر اور زور دونوں کا بے محابا استعمال ہوا۔ یہ دونوں حربے کامیاب رہے ملکوں کو ترغیب اور تحریص دی گئی۔ وہ سرنگوں ہوئے ایڈورڈز بنوں کے قلعہ جات مسمار کرانے اور شاہی قلعہ کو ایستادہ کرنے سے جب فارغ ہوا تو وہ ڈیرہ اسماعیل خان کے دورے پر نکلا اور وہاں سے ملتان کی طرف روانہ ہوا کیونکہ وہاں بغاوت ہو چکی تھی اسی دوران میجر ٹیلر نے نہایت آسانی کے ساتھ بنویان سے واجبات وصول کیئے۔ اور اس طرح بنوں والوں کو طوق غلامی پہنے کے لئے تیار کیا بمطابق سرسری بندوبست اراضی ان کا 1/4 حصہ عام کاشتکاروں پر اور مذہبی پیشواؤں اور سید زادوں پر 1/6 حصہ لگان مقرر ہوا مولراج نے ملتان میں بغاوت کر رکھی تھی میجر ٹیلر بھی ملتان روانہ ہوئے ان کے ساتھ بعض ملکان صاحبان بھی ملتان گئے جن میں لال باز خان، پسر جعفر خان اور خود جعفر خان شامل تھے بنوں کا قلعہ فتح خان ٹوانہ کے سپرد کیا گیا ملر ادھر بھی سکھ سپاہ نے

بغاوت کر دی بعض بنوی ملکان فتح خان ٹوانہ کی امداد کے لئے پہنچ گئے۔ مگر باغی غالب آئے۔ اور
فتح خان ٹوانہ کو قتل کر دیا گیا قلعہ پر رام سنگھ باغی نے قبضہ کر لیا جسے بعد میں میر عالم خان مرز علی
خیل منڈان کے حوالہ کر کے خود لکی کی طرف بڑھے میر عالم خان نے اپنے بھائی میر افضل خان
کو ملک خوست روانہ کیا تا کہ محمد اعظم خان پسر دوست محمد خان والی کابل کو بنوں آنے پر آمادہ
کرے محمد اعظم خان نے بنوں آکر قلعہ پر قبضہ کر لیا مگر جب باغی سکھ سپاہ کو لکی میں شکست
ہوئی تو اعظم خان گھبرا کر افغانستان واپس چلا گیا جو کچھ لگان وصول کیا تھا اسے مال غنیمت جانا
میر عالم خان بھی خوست چلا گیا بعد میں میر عالم خان خوست ہی میں فوت ہوئے ملتان میں
بغاوت ناکام ہوئی مولراج گرفتار ہوا ملک لال باز خان جو گجرات میں قیدی تھے انگریزوں نے
اسے رہا کر دیا۔ لکی قلعہ پر جب میجر ٹیلر نے حملہ کیا تو رام سنگھ قلعہ چھوڑ چکے تھے میجر ٹیلر کی
مدد حکیم خان بینا خیل نے کی اس طرح قلعہ باغیوں سے خالی کرا لیا گیا۔ ٹیلر صاحب کی حکم پر ڈی
آئی خان سے غلام حسن خان علی زئی کو بنوں بھیج دیا گیا۔ تا کہ وہ بنوں کا چارج سنبھال لے اور خود
ٹیلر صاحب کوہاٹ چلے گئے بعد میں بنوں آکر بنوں کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ سکھوں کی یہ بغاوت
اور جنگ سکھوں کی دوسری جنگ سے موسوم ہے جو سکھوں کے لئے خاتمہ کا پیغام ثابت ہوئی
بنوں سے سکھوں کا جنازہ اٹھ گیا۔ ۱۸۴۹ء تمام پنجاب معہ مضافات ضبط ہو کر سرکار انگریز کی
تحویل میں آیا بنوں بھی براہ راست سرکار انگریزی کے عملداری میں آیا۔ اور اب دوسرا دور شروع
ہوا بظاہر امن و سکون بحال ہوا مگر غلامی کی ریت ڈالدی گئی۔ فطرت کی تعزیریں بھی بڑی سخت
ہوا کرتی ہیں بنویان پر اپنی شامت اعمال کے باعث پہلے سکھا شاہی مسلط کر دی گئی تا کہ احساس
گناہ کے طور انہیں درس عبرت ملے مگر جب بنویان احساس زیاں سے عاری نکلے اور پھر بھی نہ
سنبھل سکے تو ان کے گلے میں طوق غلامی ڈالدی گئی گلو خلاصی کے لئے بنویان کو دیر تک اور دور
تک جدوجہد کرنا پڑی اس دوران بہتوں کو شہید کر دیا گیا ان کے گھر جلا دئے گئے انہیں بزور
نامرد اور خواجہ سرا بنانے کی ترکیبیں اور تدبیریں استعمال کی گئیں۔ انہیں زدو کوب کیا گیا جیلوں
میں بند کر دیا گیا ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اور مد مقابل انگریز کی بہی خواہوں کو نار اور

لنڈیڈاک بن مفت زمینیں ملیں انہیں خطابات دیے گئے جاگیریں دی گئیں انہیں شاباشی ملی اور جو مجاہد تھے انہیں شیطان صفت بتایا گیا۔ ان تمام حربوں کے باوجود جب آزادی کا یہ قافلہ یہ کاروان یہ سیلاب رواں دواں رہا۔ آخر کار سرکار دولت مدار جھک گئی قربانی بسیار آخر رنگ لائی پاکستان وجود میں آیا۔ یہ سال ۱۹۴۷ء کا ہے موجودہ پاکستان شہداء وطن کی خون کی ارزانی کے صلہ میں ملا ہے یہ طویل صبر آزما جدوجہد اور بے محابا قربانیوں کا نتیجہ ہے اسے محض خواب وخیال کا ثمرہ نہ سمجھئے۔ یہ ایک حقیقت ہے قربانی رائگاں نہیں جاتی پاکستان کو سستا اور ارزاں نہ سمجھا جائے پاکستان کو ان لوگوں کی اولاد کے ہاتھوں تباہ نہ ہونے دیا جائے جن کے آباواجداد انگریزوں کے آلہ کار اور کاسہ بردار رہے ہیں۔

وہ کل کے غم وعیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود آفروز جگر سوز نہیں ہے

اقبال

"بڑے بڑے دیہات"

بنوں میں چند بڑے بڑے دیہات موضع غوریوالہ۔ نورڑ۔ جنڈوخیل۔ دہرمہ خیل۔ کوٹی سادات۔ ککی۔ اور ہوید بڑے بڑے دیہات ہیں۔ بازار احمد خان کو قصبہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

پیر کنڑائی۔ (وجہ تسمیہ)

بنوں کا دوسرا نام پیر کنڑائی بھی ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب منگل اور ہنی قبائل نے اپنے وطیرہ عمل سے اپنے روحانی پیرو مرشد شیخ شاہ محمد روحانی کو ناراض اور بیزار کر دیا اور انہیں عشر دینے سے بھی محروم کر دیا تو وہ علاقہ شوال جا کر بنویان کے جد اعلی۔ شیتک سے ملاقات کی شیتک افغان الاصل تھا وہ پہلے سے وزیر قبیلہ سے پریشان حال تھا اس پیرو مرشد نے شیتک کو

ترغیب دلائی کہ وہ بنوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر سکتے ہیں کیونکہ قبیلہ ہنی و منگل میں بڑی ناچاقی۔ بے اتفاقی اور بے دینی پائی جاتی ہے چنانچہ اولاد شیتک کیوی اور سوری کے ہمراہ شاہ نیک بین پسر شاہ محمد روحانی بنوں کی طرف روانہ ہوئے شاہ نیک بین کی حکمت عملی اور پیر شاہ محمد روحانی کی ترغیب کے باعث بنوں بغیر کشت و خون کے اولاد شیتک کے قبضہ میں آیا اولاد شیتک کے مابین سر زمین بنوں کو شاہ نیک بین نے تقسیم کیا جس پر سارے فریق خوش اور راضی تھے بنویان نے اولاد شیخ شاہ محمد روحانی کو عشر دینا قبول کیا اور یہ سلسلہ بہادر شاہ پسر اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک جاری رہا چنانچہ اس حوالہ سے کہ بنوں اولاد شیتک کو تحفہ و ارمغان کے طور پیر کی برکت سے ملا ہے اس لئے بنوں خاص کو پیر کنڑائی بھی کہا جاتا ہے بنوں پیر صاحب کی دین تصور کیا جاتا ہے۔ گویا بنوں کے حصول میں پیر صاحب کی رعنائی خیال شامل تھی۔ پیر محمد روحانی کے طفیل اب بھی بنویان پیروں۔ فقیروں اور مذہبی پیشواوں کے زیر اثر ہیں اور یہاں مستورات میں نہایت سختی کے ساتھ پردے کی پابندی کی جاتی ہے۔

مجاہد اعظم جناب غازی دلاسہ خان مرحوم

غازی دلاسہ خان بنوں کے بطل بے بہا اور بے بدل مجاہد اعظم تھے دلاسہ خان ۱۷۷۷ء کے لگ بھگ مسمی خٹک خان کے ہاں داود شاہ کشر میں پیدا ہوئے۔ داود شاہ دلاسہ خان کا جد امجد تھا جس کا کرسی نامہ یوں ہے۔

دلاسہ خان ولد خٹک خان پسر عالم خان پسر غازی خان۔ داود شاہ ولد خوازک ولد پک ولد سورانی ولد شیتک۔ سورانی یا سوریانی شیتک کا دوسرا بیٹا تھا کشر کا اصلی نام احمد خان تھا جبکہ مشر کا نام میر فوج تھا آج بھی تپہ داود شاہ ۲ ناموں میں منقسم ہے کشر (چھوٹا) داود شاہ مشر (بڑا) داود شاہ۔ دلاسہ خان کی چار بیویاں تھیں پہلی بیوی وزیرے سے دو لڑکے پیدا ہوئے خوجی اور معادیہ۔
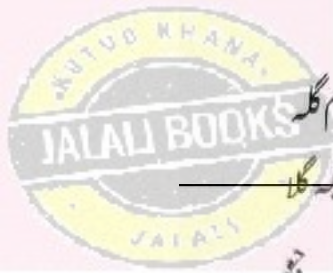
بھی ایک بیٹا بتایا جاتا ہے شاید یہ دوسری بیوی سے ہو کشر (احمد خان) کے ایک بیٹے کا نام گلہ تھا جس کے ساتھ غازی دلاسہ خان کا سلسلہ نسب ملتا ہے اس حوالہ سے دلاسہ خان کا قبیلہ گلا خیل کہلاتا ہے ان کے گاؤں کا نام بھی گلہ خیل مشہور ہے۔

ایڈورڈز جو بنوں کا نگران اعلیٰ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ ۱۸۴۷ء میں مقرر ہوا تھا اس نے دلاسہ خان کا جو سراپا کھینچا ہے انہیں کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔

جب میں پہلی بار مارچ ۱۸۴۷ء میں بنوں وارد ہوا تو جنڈو خیل کے مقام پر تقریباً سارے ملک اظہار اطاعت کے طور پر حاضر ہوئے تھے سوائے دلاسہ خان کے دلاسہ خان مطیع نہ ہوا یہ واحد ملک تھا جو توجہ خاص کا مستحق تھا وہ تپہ داود شاہ کے 1/4 حصہ کا مالک تھا۔ مگر ان کی جرات کردار کی پختگی اور قہرمانہ مزاج کے طفیل سب ملکوں سے ممتاز تھا وہ اپنے ہم سروں اور ہم عصروں پر حاوی تھا دلاسہ خان سکھ سپاہ اور سکھ سرداروں کا خوف ناک دشمن تھا وہ سکھوں کے لئے خوف کی علامت اور موت کا پیغام تھا ایک دفعہ تارا چند نے آٹھ ہزار سپاہ معہ ۱۲ توپیں دلاسہ خان کے گاؤں پر حملہ کیا تھا مگر وہ دلاسہ خان کے قلعہ کو تسخیر نہ کر سکا تھا دلاسہ خان نے ان کے ۲۰۰ سکھ سپاہ کو ہلاک کیا اور ۵۰۰ سپاہیوں کو زخمی کر دیا یہ لڑائی دست بدست ہوئی تھی ایک اور موقع پر جب سوچیت سنگھ نے ان کے قلعہ پر حملہ کیا سوچیت سنگھ خود بھی ایک بہادر سکھ سردار تھا ان کے پاس دس ہزار منظم فوج تھی گولہ بارود توپ و تفنگ سے لیس فوج تھی جبکہ دلاسہ خان کے ساتھ غیر منظم غیر تربیت یافتہ قلیل تعداد میں چند سر فروش تھے دلاسہ خان اپنے خام قلعہ میں محصور تھے جب ساتھیوں نے دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ گیا ہے تو انہوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ کھسکنے لگے سوچیت سنگھ بھی اسی حکمت عملی پر عمل پیرا تھا مگر دلاسہ خان نے اب تن تنہا رات کی تاریکی میں چند سر فروشوں کے ہمراہ قلعہ سے باہر آئے سکھ سپاہ کے صفوں کو چیرتا ہوا صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور علاقہ داوڑ چلا گیا۔ دلاسہ خان عمر بھر سکھ سپاہ کے خلاف جنگ کرتا رہا ان کے ہوتے ہوئے کبھی بھی سکھ سپاہ خوف کے بغیر بنوں میں داخل نہ ہوئے۔ اور ہر بار یادگار مقابلہ میں لاشیں چھوڑ کر احساس نامرادی اور حسرت اور نفرت

کے ساتھ واپس چلے جاتے سکھ دلاسہ خان سے ڈرتے تھے اور نفرت کرتے تھے ایڈورڈز مزید بتاتے ہیں میں پہلی بار جب پہلی مہم پر بنوں آیا۔ تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی سکھوں کو بھی تعجب ہوا کہ کیسے دلاسہ خان ایک غیر مسلم۔ اجنبی انگریز کے زبانی بلاوے پر اعتبار کر کے وہ کیمپ کے اندر آیا (یاد رہے ایڈورڈز نے انہیں بلا بھیجا تھا) اور دلاسہ خان ان کے بلاوے پر نہایت وقار کے ساتھ اپنے ۶۰ سواروں کے ہمراہ کیمپ میں داخل ہوا۔ دلاسہ خان بغیر کسی تمہید کے بولا بہت سارے سکھ سرداروں اور سپاہ کی موجودگی میں وہ "صاحب" پر اعتبار کر سکتا ہے کہ "صاحب" صاحب کتاب ہے اور میں آیا ہوں دلاسہ خان کی عمر اس وقت ۷۰ سال کی ہوگی سفید بال بوڑھا دشمن لیکن باوقار شخصیت چمکدار آنکھیں گھنی بھویں۔ اب بھی آنکھوں میں جذبہ ولولہ اور ہم ہمہ۔ تپش اور حرارت باقی تھی۔ وہ تفخرانہ انداز میں اندر آیا ۵۰ یا ۶۰ سواروں کے ساتھ میں خوش ہوا کہ وہ سکھ سرداروں اور سکھ سپاہ کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ خیمہ کے پردے کے اوٹ سے جھانک جھانک کر دلاسہ خان کو یوں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے جیسے شیر پنجرے سے باہر آیا ہو۔ گویا خیمہ کے اندر بھی یہ لوگ دلاسہ خان سے ہراساں تھے۔ ایڈورڈز بتاتے ہیں اب تک ان کے بارے میں دشمنوں کی زبانی جو کچھ سنا تھا وہ میرے لئے اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر جب بالمشافہ ملاقات ہوئی تو مجھ پر ان کی اصل اہمیت واضح ہو گئی۔ سکھ سردار بھی ان کی جرات مندی کے قائل تھے انہوں نے کہا کہ دلاسہ خان ایک عظیم انسان ہیں دیگر ملکوں کے پاس صرف افرادی قوت ہے مگر ان کے پاس عزت اور غیرت بھی ہے دلاسہ خان کو میں نے اپنے پاس بطور مہمان رکھا پورا ایک مہینہ میرے پاس رہا ایک دن ہماری فوج آگے کوچ کر کے جب دلاسہ خان کا قلعہ قریب آیا تو شمشیر سنگھ جو میرا اہم رقاب تھا اسے دلاسہ خان کا قلعہ دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی یہ قلعہ سکھ سپاہ کا قتل گاہ مشہور تھا۔ شمشیر سنگھ کے ساتھ ان کا محافظ دستہ بھی گاؤں میں داخل ہوا۔ وہ گھوڑے سے نہیں اترا دلاسہ خان نے اسے اپنی توہین سمجھا جس سے گاؤں کی بے ادبی ہوئی۔ دلاسہ خان کو دکھ پہنچا اور رنج بھی وہ رنجیدہ خاطر ہوئے اس وقت اگر بوڑھے دلاسہ خان کے پاس کوئی اسلحہ ہوتا تو معاملہ دگرگوں ہو سکتا تھا۔ دلاسہ

خان دل برداشتہ ہو کر ہمیں چھوڑ کر ایک بار پر علاقہ غیر چلا گیا اب دلاسہ خان مفرور ہوا اور میں اسے واپس نہ بلا سکا۔ دلاسہ خان کو شبہ تھا کہ سکھ سردار نے ان کے گاوں کی جو توہین اور تذلیل کی ہے اس میں میرا بھی عندیہ شامل تھا دلاسہ خان کو کافی دکھ پہنچا تھا اب وہ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کریں گے۔ میں نے ان کا اعتماد کھو دیا دلاسہ خان نے مجھے سخت خط لکھا اب اگر دلاسہ خان میرے ہاتھ لگے میں اسے زندہ نگل لوں۔ میں کئی ماہ بعد دوبارہ بنوں آیا اس بوڑھے دلاسہ خان سے یک گونہ ہمدردی پیدا ہوئی تھی ان کی حب الوطنی کے باعث مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ ایسے بوڑھے بہادر کو مزید پردیس میں بنوں بدر دیکھوں اور مجبور۔ بے سہارا بے بس۔ بے کس دیار غیر میں پادوں جبکہ اس کی زندگی کے چند سانسیں باقی ہیں میں نے انہیں ۹ دسمبر ۱۸۴۷ء کو ایک خط لکھا اور بتایا کہ اگر وہ خوف جان کی وجہ سے بنوں نہیں آنا چاہتے تو میں ان کی زندگی کی ضمانت دیتا ہوں میں ماضی کی تلخیاں نافرمانیاں سب درگزر کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔اس خط کو پا کر دلاسہ خان بنوں آنے پر رضامند ہوئے مگر اس عظیم انسان کے بہت سارے دشمن تھے ان میں ان کے لئے حسد تھی انہیں دلاسہ خان کی عزت افزای اور پذیرائی پسند نہ تھی دلاسہ خان ان کے فریب میں آئے وہ نہ آئے بعد میں انہوں نے بہتیرا کوششیں کیں کہ بنوں پر لشکر کشی کرے مگر وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دلاسہ خان کو میرے بعد میجر ٹیلر نے بنوں آنے کی اجازت دے دی۔ اسوقت دلاسہ خان صاحب فراش ہو چکے تھے علیل اور کمزور تھے اب بنوں کے جملہ قلعہ جات مسمار ہو چکے تھے بنوں تسخیر ہو چکا تھا بنویان غلام بن گئے تھے آزادی جس کی خاطر وہ زندگی بھر لڑتے رہے تھے سلب ہو گئی تھی بنوں کا یہ نظارہ یقیناً دلاسہ خان کے لئے روح فرسا ہوگا۔ میجر ٹیلر کے بقول کہ دلاسہ خان کے لئے سب سے دردناک سزا بنوں کا موجودہ نظارہ ہے۔ دلاسہ خان اس نظارہ کی تاب نہ لا سکے وہ فوت ہوئے ایک نگینہ تھا جو ٹوٹ گیا۔

؎ مرگ مجنون پہ عقل گم ہے میر
کس دیوانے نے موت پائی ہے

سردار ساون خان۔ وزیروں کا محسن اعظم

سردار ساون خان کا تعلق وزیری قوم شاخ احمد زئیذ ذیلی شاخ سپر کی سے ہے وہ مسمی وزیر کی پانچویں پشت میں سپر کی پیدا ہوا جنکی اولاد کی بہت سی شاخیں اور خیل ہیں قرع باغوان خیل میں مسمی عالم خان سے ملکی چلی وہ اس خاندان کے سرگروہ یعنی ملک تھے اس کے لئے اپنی قوم کی طرف سے کچھ ذریعہ معاش مقرر نہ تھا پادشاہاں رحاکمان سابقہ کے ساتھ رابطہ نہ ہونے کے باعث ان سے فیض یا مالی معاونت بھی حاصل نہ کر سکے تھے۔ سنا ہے کہ یہ دلیر شخص یعنی عالم خان بلند خیل اور درہ ٹوچی کی گزرگاہ میں سر درد ہوتا تھا اور کاروانوں اور دیگر راہگیروں کے لئے خطرہ کا باعث رہتا تھا اس لئے شہنشاہ اورنگ زیب کے بیٹے بہادر شاہ نے اسے راستے سے ہٹانے کے لئے زہر دلوادی۔ بعد وفات عالم خان کے اس کا کوئی لائق بیٹا نہ تھا جو اس کا جانشین ہوتا توان کا سوتیلا بھائی زمانی ملک ہوا۔ جسے اتمان زئی کے ایک شاخ توری خیل نے قتل کر دیا توان کا برادر زادہ ملتان ملک بنا جو نہایت سادہ لوح تھا وہ بھی دریائے کرم کے کنارے جب اپنے ریوڑ کو پانی پلانے لے گیا تو وہاں ممہ خیل مروت کے چند مستورات نے اسے مار ڈالا تب اس کا بیٹا ساون خان ملک ہوا یہ شخص بڑا دلیر۔ صاحب عزم اور راست گو تھا انہوں نے اپنی دلیری اپنی شستہ عادات کی بنا پر اپنی قوم میں خاص مقام پیدا کیا اور قبیلہ احمد زئی وزیروں کا ملک کلاں بنا تھا اور عنان اختیار کا مالک ہوا وہ جب جہاں چاہتا جمع لشکر کر سکتا تھا چنانچہ دوبار لشکر جمع کر کے بنگشوں پر حملہ کیا۔ اور تیسری بار قوم مروت کے ساتھ بمقام لکی لڑائی کی ۱۸۲۳ء میں جب ولیم مور کرافٹ سفید فام سیاح اس ملک میں آیا تو اس شخص کی انہوں نے خوب خاطر مدارت کی تھی مور کرافٹ نے ملک ساون خان کو ایک توصیفی خط دے دیا تھا جو اب بھی اس خاندان میں محفوظ ہے ۱۸۴۷ء میں جب سر ہربرٹ ایڈورڈز بنوں کا نگران اعلیٰ مقرر ہوا تو ساون خان نے اطاعت شعاری کے طور حاضر ہوا۔ قوم وزیری کو اطاعت شعاری کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اسے کرسی نشین

(چوکی نشین) کر کے دسمبر ۱۸۴۷ء میں جملہ قوم وزیری کا وزیر کا خطاب دیا گیا جب ملتان کی
بغاوت فرو ہوئی تو پانچ پارچہ معہ دستارہ طلائی عطا ہوئی اور مبلغ ۶۰۰ روپیہ سالانہ وظیفہ تاحیات
دے دیا گیا سوان خان ۱۸۵۳ء میں فوت ہوئے اور حسب وصیت گمبتی پہاڑ کے دامن
میں دفن کئے گئے ان کے بعد نجیب خان ان کا جانشین ہوا یہ ان کا بڑا بیٹا تھا مانی خان خان بہادر ان
کا دوسرا بھائی تھا وہ ذہین۔ نیک سیرت اور بردبار انسان تھے خان بہادر غازی مرجان خان
نصر اللہ خان ایڈووکیٹ اور اب فرید اللہ خان قابل التفات شخصیت ہیں۔

سردار ساون خان بطور محسن اعظم

ساون خان پہلی بار ایڈورڈز کے ساتھ جب ملا تو ان کی مسحور کن شخصیت نے ایڈورڈز کو بہت
متاثر کیا۔ ساون خان کے بارے میں ان کے ذہن کی سیمائی پردوں پر ایسے نقوش ابھرے کہ وہ
ساون خان کو نظر انداز نہ کر سکے انہوں نے ساون خان کی ضیافت کی یہ جتانے کے لئے کہ
مستقبل میں انکی دوستی پکی اور فیض رساں ثابت ہو ایڈورڈز کی رائے میں اس گنوار سردار
میں سوائے چند خامیوں کے بہت ساری خوبیاں تھیں یہ خامیاں اس وحشی قوم کا خاصا ہوا کرتی
ہیں ساون خان نے کبھی بھی میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کیا ایڈورڈز نے انہیں مضبوط
قوم کا مضبوط انسان کہا ایک دوسرے موقع پر جب ایڈورڈز تھل میں تنہا اور سردار ساون خان
کے رحم وکرم پر تھا کہتا ہے کہ ان کی موجودگی نے ہمیں حفاظت اور امن کا احساس دلایا ہم نے
احساس تحفظ کے ساتھ یقیناً سمجھا کہ گویا ہم لاہور کے شاہی قلعہ میں محفوظ ہیں ورنہ صورت
حال بڑی گھمبیر تھی وہ سردار ساون خان کا یوں سراپا بیان کرتا ہے۔ اس کا گلا شیر جیسا ہے دست و
بازو لمبے اور مضبوط ہیں ان کے پنجے برفانی ریچھ جیسے پنجے ہیں قوی ہیکل۔ مضبوط۔ فربہ، دراز
قد۔ بوڑھا مگر جوانوں سے زیادہ مضبوط۔ الوداعی ملاقات میں ساون خان نے انہیں اپنی مضبوط
بانہوں میں اس طرح دبوچا کہ ایڈورڈز کی پسلیاں تڑخنے لگیں جبلہ نودان کی چیخ نکلنے والی تھی کہ

ساون خان نے انہیں چھوڑ دیا ساون خان بوڑھا ہو چکا تھا جبکہ ایڈورڈز ۲۵ سال کا بلند قامت
رکھنے والا نوجوان تھا مگر وہ خود کو ان کے مقابلہ میں بونا محسوس کرنے لگا تھا۔
ساون خان کے بارے میں ایڈورڈز بتاتے ہیں کہ وہ برفانی پہاڑوں کا باشندہ کبھی بھی سکھوں کی
پذیرائی کے لئے پہاڑ سے نیچے نہیں اترا جبکہ کابل کے حکمرانوں نے بھی ان سے کوئی تعرض نہ
رکھا تھا۔ ایک بار انہوں نے مور کرافٹ سیاح کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ ایڈورڈز کو پیش کیا جو ۱۶
اپریل ۱۸۲۴ء کا لکھا ہوا تھا اس بارے میں ایڈورڈز اپنے تاثرات کو نہ چھپا سکے وہ کہتے ہیں اس
سے ساون خان کی مہمانداری اور شائستگی اطوار کا ثبوت ملتا ہے اس رقعہ کو ۲۴ سال تک محفوظ
رکھا گیا دور اندیش اس دن تک اس لئے بقیہ حیات رہا کہ وہ یہ دیکھ لے کہ سفید فاموں کی فوج
اس سیاح کے نقش پا پر قدم رنجہ ہو جہاں ان کے پیش رو نے ماضی میں چھوڑے ہیں اس شخص
نے پوستین زیب تن کیا تھا جیب سے وہی خط نکالا یہ جتانے کے لئے کہ وہ انگریز کا بھی خواہ مہمان
نواز، شائستہ فطرت۔ بردبار اور وسیع النظر ہے۔ یہ بات واقعی قابل توجہ ہے کہ انہوں نے ایک
بے بس بے کس تنہا مسافر سیاح کی سیوا کی اس کے طفیل اب ساون خان کو ایک مضبوط فوج اور
احسان شناس سفید فام شخص (ایڈورڈز) کی پشت پناہی حاصل ہو گی۔ میں نے ساون خان کی
خوب پذیرائی کی ان کی ذات و صفات میں دلچسپی دکھائی جس انگریز سیاح نے انہیں تحریر دی
تھی اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ ہم بھی اپنی طرف سے اس احسان کا بدلہ خوب چکا دیں گے
اس خط کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مقبرے سے عطر کی بند شیشی ملے جسے کھول کر آس پاس کے
ماحول اور مشام جان کو معطر کر دے گویا عہد رفتہ نے ایک بار پھر آواز دی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ
اس خط نے اپنا اثر نفوذ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مرحوم کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے
لئے میں نے ساون خان کی ضیافت کی دعوت کے بعد ان کے خیمے میں ۱۰۰ روپیہ بھجوا دیا۔۔۔۔
میں نے زندگی سے یہ سبق سیکھ لیا ہے کہ انسان کی فطرت سیاہ فام اور سفید فام کی بندش سے
بے نیاز ہوتی ہے یہ اس سے بہتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے قاری کو معلوم ہو کہ میں
نے ایک وحشی غیر مہذب انسان ساون خان پر اعتماد کیا جس کا وہ بجا طور پر حقدار تھا اگر میں ان پر

اندھا اعتماد نہ کرتا تو نقصان میں رہتا ایڈورڈز اس بات کے قائل تھے کہ ساون خان نے ہر آزمائش میں اور تکلیف میں ان کا ساتھ دیا وہ مخلص ثابت ہوئے۔

ساون خان کی دوستی میں رنگ و نسل اور مذہب کبھی بھی حائل نہ ہوئی وہ اپنے دوست کے دشمن کو دشمن ہی خیال کرتا تھا اسے اپنے ندیم دوست سے بوئے دوست آتی تھی ایڈورڈز کہتے ہیں الوداعی ملاقات کے لئے جب ساون خان جنڈو خیل آئے اور بنویان کو میرے قریب دیکھا تو آتے ہی بیساختہ پکار اٹھے میں نے پوچھا کیا بات ہے جواب میں کہا کہ تم نے ان شر پسندوں کو اپنے پاس اتنے قریب آنے دیا ہے؟ خدا تم کو ان کے شر سے بچائے!

۲۹ فروری ۱۸۴۸ء منگلوار ہے آج ساون خان کو خلعت فاخرہ پیش ہونا ہے ایڈورڈز کے مطابق وہ اپنے خیر خواہ وفادار اور مخلص دوست سے الوداعی ملاقات اور کلمات کہیں گے الوداعی ملاقات میں بنویان کے ملکوں نے اپنے ذاتی عرض داشتیں پیش کیں جبکہ ساون خان اپنی دوستی کا صلہ ذات کے لئے نہیں اپنی قوم کے لئے وقف کرتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ایڈورڈز بہت کچھ کرنے پر قادر تھا اور آمادہ بھی مگر ساون خان کو قوم کا غم کھائے جا رہا ہے ایڈورڈز بیان کرتے ہیں کہ ملک ساون نے نئے صاحب کے بارے میں اپنی فکر مندی ظاہر کر دی میں نے انہیں تسلی دی کہ نئے صاحب بڑے جہاندیدہ انسان ہیں ان سے آپ ہر قسم کی رعایت کی امید کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ لوگ ان سے روایتی تعاون کیا کریں جب وہ مطمئن ہوئے تو جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے ایک بار پھر وزیریوں کے بارے میں طویل اور دلچسپ گفتگو کی مجھے ان کو سمجھانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں حکام ان وزیریوں کو زمین سے بیدخل نہ کر دیں میں نے بتا دیا یہ ناممکن ہے اور غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا ملک ساون خان نے ایک بار پھر کہا کہ وزیر قوم بہت سادہ اور کم فہم ہیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اشارہ اور کنایہ سے اس اقرار نامے کے بارے میں کہنا چاہتا ہے جو ہمارے اور وزیریوں کے درمیان طے پایا تھا کہ یہ قابل عمل نہیں میں نے جواب میں کہا کہ وزیر لوگ اپنے وعدے کا پاس رکھیں گے اور مالیہ دیں گے پھر بھی اگر وہ باہمی فائدہ کو نظر انداز کرنا چاہتے ہوں تو میں بھی برابر کا سلوک کروں گا اگر رعاعت دے سکتا ہوں تو

واپس بھی لے سکتا ہوں۔ آخیر یہ بوڑھا شخص یہ کہے بغیر نہ رہ سکا اور دل کی بات کہہ ڈالی کہ کتنا اچھا ہو کہ وزیروں پر بجائے 1/4 حصہ لگان کے 1/6 کے حساب سے لگان وصول کیا جائے میں نے فوراً بات کاٹتے ہوئے کہا نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا انصاف کے منافی کوئی کام نہیں ہوگا یہ بنویان کی حق تلفی ہوگی صریحاً حق تلفی آخیر وزیروں سے کس خوشی میں کم لگان لیا جائے۔

ساون خان اور اڈورڈز نے الوداعی ملاقات اور مکالمے سے ساون خان کی عظمت اور قدر قیمت کا اندازہ ہو سکے گا وہ وزیروں کا بہی خواہ بطل جلیل اور رہبر اعظم تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شمی زاد ایک مثالی نسوانی کردار

جنوری ۲۵، ۱۸۴۸ء کو ایک سادھو بابا او تم سنگھ نامی جاسوس نے دیوان نامی ہندو جو بازار احمد خان کا تھا کے ذریعہ گور مکھی زبان میں ایڈورڈز کے خبر گیری کے لئے خط لکھا جس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آج سے ۴ دن بعد بنوں کو آزاد کرنے کے لئے بنوں پر عام لشکر کشی ہونے والی ہے۔ جس میں داوڑ۔ وزیر۔ محسود اور خوست کے افغان قبائل حصہ لیں گے۔ منصوبہ کے مطابق محسودوں کی تعداد ۱۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہوگی توری خیل وزیر ۸ ہزار جبکہ داوڑ ۱۰ ہزار کی تعداد حصہ لے گی۔ یہ بھی طے پا گیا ہے کہ داوڑ قبیلہ اس بات کی قسم اٹھائیں گے کہ وزیروں کو واپسی کا راستہ دیا جائے گا محسودوں کو مال غنیمت میں 2/3 حصہ جبکہ وزیروں اور داوڑ قبیلوں کو 1/3 حصہ ملے گا اس عام یورش میں ذیل کے ملک حصہ لیں گے۔

۱) محسود.......... نصرتی جنگی خان گلائی۔ سدھ۔

۲) توری خیل وزیر۔۔۔۔۔۔۔۔ بنی خان۔ کتی

۳) مدا خیل وزیر۔۔۔۔۔۔ جنگی خان۔ زلی خان

۴) محمد خیل داوڑ۔۔۔۔۔۔۔ شمی زاد (خاتون ملک)

شمی زاد خاتون ملک تھی اس نسوانی کردار کے زیر اثر داوڑ کے چند قبائل تھے وہ مردانہ لباس پہنتی تھی وہ ہمیشہ مسلح رہتی تھی زرہ بکتر اور خود استعمال کرتی تھی اس کا قبیلہ داوڑ سے تعلق تھا مد خیل قبیلہ وادی داوڑ کا سر خیل ہوتا ہے اور اس قبیلہ کا ملک تمام داوڑ کا ملک کلاں ہوتا ہے چنانچہ ملک شمی زاد بڑی اثر رسوخ کی مالک تھی۔ وہ بڑی بہادر اور مجاہد خاتون تھی اپنی بہادری پاکدامنی اور پختہ کردار کے باعث بڑا نام پایا تھا وہ فاتح قلعہ لکی مشہور تھی وہ علاقے کی مقبول ترین شخصیت تھی جب لکی پر حملہ ہوا تھا تو یہ حملہ اسکی قیادت میں ہوا تھا اور قلعہ کو دشمن سے خالی کروایا۔ جراءت اور شجاعت کے بہت سارے محیر العقول واقعات اس سے منسوب ہیں۔ جب ایڈورڈز کو پہلی بار اطلاع ملی کہ داوڑ کی طرف سے بنوں پر حملہ متوقع ہے جس میں وزیرستان کے تقریباً سارے قبائل حصہ لے رہے ہیں اور دلاسہ خان کا بیٹا اس حملہ میں فعال کردار ادا کرنے والے ہیں علاقہ خوست سے بھی علما گئے ہیں کہ وہ قبائل کو جہاد کرنے پر آمادہ کریں گے۔ تو ایڈورڈز نے لاہور سرکار کو مزید کمک بھیجنے کو کہا جس پر جنرل لارنس نے فوری عمل کیا یہ دشمن کے لئے نازک مرحلہ تھا۔

ایڈورڈز نے اپنے سارے حربے استعمال کئے انہوں نے اپنے کارندے اور جاسوس علاقہ داوڑ میں بھیجے نظام الدین خبر کار نے اپنے ہاتھ سے دونوں سید زادے زوار شاہ اور غریب شاہ والئے کانی گرم کو جعلی خط لکھا اور ظاہر کیا کہ گویا یہ خط ملک جعفر خان اور ملک شیر مست خان جنڈو خیل کی طرف سے ہے۔ اس نے ان سید زادوں تک رسائی حاصل کی جو اس وقت وادی داوڑ میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اور سیاہ و سفید کے مالک تھے ان سے صورت حال اس طرح معلوم کی گئی مزید ملک ساون خان کی وساطت سے ایڈورڈز نے ان سید برادرز کو خط لکھا اگر انہوں نے اپنے مریدوں کو باز نہ رکھا تو ان کی زمینی جائداد جو ٹانک میں ہے بحق سرکار ضبط کی جائے گی۔

جاسوسوں کے ذریعے یہ افواہ پھیلائی گئی کہ صاحب نے وزیروں کو ۳ہزار روپیہ رشوت دی ہے
تاکہ وہ عین وقت میں شرکت سے انکار کریں نیز یہ بھی افواہ پھیلائی گئی کہ صاحب کا دلاسہ خان
کے ساتھ بھی رابطہ قائم ہو چکا ہے ان سید زادوں کو بدنام کرنے کے لئے افواہ سے کام لیا گیا
حرص۔ حرب اور کذب کے حربے کارگر ثابت ہوئے وادی میں بداعتمادی اور نفاق پیدا ہوا اور
دلاسہ خان کی یہ آخری کوشش اور شمی زاد خاتون ملک کا یہ منصوبہ ناکامی پر ختم ہوا۔

؎ وائے ناکامی متاع کاروان جاتا رہا

ثقافت

معنی اور مفہوم

لفظ ثقافت کی جامع اور واضح تعریف اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے یہ اپنے مفہوم اور معنی
میں کافی وسیع ہے اس لفظ کا مفہوم بظاہر آسان اور عام فہم دکھائی دیتا ہے ۔ مگر جب اس لفظ کی
تشریح کا مرحلہ آجائے تو لفظ مساعدت نہیں دیتے یہ باطنی تجربہ اظہار کا متمنی تو ہوتا ہے مگر
متحمل نہیں ہوتا اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ثقافت ایک خواب پریشان اور خیال خام ہے۔
کہ جسکی کوئی تعبیر اور مفہوم ہی نہیں ۔ میں اپنے قارئین کو فلسفیانہ اور عالمانہ تشریح کی بھول
بھلیوں میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میری یہ کوشش ہوگی کہ لفظ ثقافت کی تعریف اور تشریح سادہ اور
آسان لفظوں میں بیان کروں گویا جو کچھ ثقافت کے بارے میں اب تک میں سمجھ چکا ہوں وہی
کچھ آپ کے سامنے رکھدوں۔

ثقافت بڑی پہلو دار شئے ہے اس کے خارجی مظاہر اور باطنی عوامل ہوتے ہیں اس کے گوناگوں
کیفیتوں اور صلاحیتوں کو سمجھنے کے لئے اسے بہت سے زاویوں سے دیکھنا چاہیے۔ بالخصوص جب
ہم اپنی ثقافتی اقدار اور ثقافتی سرمایہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

لفظ ثقافت کا ہم معنی لفظ کلچر بتایا جاتا ہے کلچر انگریزی لفظ ہے جو CULTVATE سے مشتق

ہے۔ اس لفظ سے AGRICULTURE نکلا ہے جو کاشت کے مفہوم میں آتا ہے۔ جس سے نباتاتی نگاہ داشت اور اور پرادخت مراد ہے۔ اسی طرح انسانی اذہان وطباع کو تربیت وپرداخت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی برکت اور طفیل سے عمدہ اوصاف ترتیب پاتے ہیں گویا کسی حد تک لفظ کلچر ثقافت کا ہم معنی ہو سکتا ہے۔ مزید کہوں۔ ثقافت عربی لغت میں ثقافہ سے مشتق ہے۔ ثقافہ ایک آلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے کسی نیزہ یا تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے گویا ان کا ٹیڑھا پن یا کجی کو درست کیا جاتا ہے۔ یہی کام ثقافت سے بھی لیا جاتا ہے۔ اس حوالہ سے سوچا جائے تو ثقافت کا وجود فرد طبقہ اور معاشرہ کا مرہون منت ہوتا ہے جبکہ خود ثقافت انسانی احوال کی اصلاح کا ایک زریعہ بھی ہے خواہ فرد کی صورت میں ہو یا افراد جس طرح فرد معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے تو معاشرہ بھی فرد پر اپنا سایہ اور اثر مرتب کرتا رہتا ہے باہمی اثر و نفوذ کا یہ سلسلہ اور رشتہ ازل تا ابد قائم رہتا ہے میں نے جو کچھ اوپر سطور میں بیان کیا مزید وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں ثقافت کو آئینہ سمجھئے۔ آئینہ میں فرد اور معاشرہ اپنے خدو خال کا عکس پاتا ہے تماشہ کرتا ہے اگر کہیں نقص اور کجی نظر آئے تو نوک پلک کو درست بھی کر لیتا ہے گویا آئینہ کا دوہرا کام ہوا دکھانا اور درست کرنا یہی کام ثقافت کا بھی ہے۔ ثقافت فرد اور معاشرہ کی جملہ کاوشوں کوششوں۔ تخلیقات۔ رجحانات میلانات۔ مکانات۔ خوراک۔ پوشاک۔ عادات و اطوار۔ تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہے اس لئے ثقافت بنی نوع انسانی کی جملہ تخلیقات کا امین بھی ہے اور اصلاح احوال کا ذریعہ بھی ایک ماہر لسانیات فلوبیر کے مطابق دنیا میں کسی لفظ کا مترادف نہیں ہوا کرتا جیسا کوئی انسان شکل وصورت میں دوسرے انسان کی طرح ہو بہو نہیں ہوتا۔ اگر ہو بھی تو خصائل اور دیگر ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک انسان دوسرے انسان کی طرح ہو بہو نہیں ہو سکتا۔ نظر اور نظریہ سوچ اور دیگر احوال ذہنی کے لحاظ سے ایکدوسرے سے یقیناً مختلف ہوں گے اس طرح دنیا میں جتنے بھی الفاظ کے مترادفات بتائے جاتے ہیں یہ فریب نظر اور فریب ذہن کی تخلیقات ہیں مثلاً لفظ عدل وانصاف کو لیجئے۔ لفظ غیرت کو لیجئے۔ روشنی۔ اجالا۔ جرات۔ بہادری۔ یہ سب الفاظ ایک دوسرے کے مترادف بتائے جاتے ہیں مگر

حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ مترادف الفاظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ مگر ہر ایک کی جداگانہ حیثیت برقرار رہتی ہے اور رہیگی غور فکر سوچ وچار کے بعد ان مترادف الفاظ میں جو لطیف فرق پڑتا ہے وہ سمجھ میں آجاتا ہے جسے ذوق سلیم ہی محسوس کر سکتا ہے اس طرح ہم اپنے معمولات میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کرتے آئے ہیں۔ جو لفظ ثقافت کے ساتھ رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہ الفاظ ثقافت کے مترادف نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً دستور۔ رواج۔ رسم۔ تہذیب۔ اور تمدن وغیرہ وغیرہ۔ آئیے اس مختصر سی نشست میں ان الفاظ پر ثقافت کے حوالہ سے بحث کریں کیونکہ ان سب کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اس باہمی تعلق کے سمجھنے سے ثقافت کے معنی متعین ہو سکتے ہیں۔

تہذیب و ثقافت

تہذیب نفس انسانی کی ایسی تربیت اور نشو نما کو کہتے ہیں جس کے واسطے سے انسان میں اعلیٰ صفات اور اخلاقی اقدار پیدا ہو سکیں لیکن ثقافت محض ان صفات کے اظہار کا نام ہے گویا تہذیب انسان کا باطن ہے۔ اور ثقافت ظاہر۔ یا تہذیب کو اگر جسم تصور کیا جائے تو ثقافت اس جسم کا لباس ہے جسم کی خوبصورتی کا دارومدار صحت۔ موزونی قدو قامت اور تناسب اعضاء پر ہوتا ہے لیکن اس موزونی قدو قامت اور تناسب اعضا کو نمایاں کرنے اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے میں لباس کو بہت دخل ہے

ثقافت کے مدارج

جس طرح انسانی زندگی کے مختلف مدارج ہوتے ہیں اس طرح ثقافت کے بھی مدارج ہیں مثلاً متمدن۔ نیم متمدن اور غیر متمدن۔

ہم تمدن اور ثقافت کی واضح تعریف کئے بغیر بھی کسی معاشرے۔ قوم کے آداب زندگی کا مطالعہ کر کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوم یا معاشرہ ثقافت کے کونسے مقام پر ہے ہم بعض اقوام کی اعلیٰ

صفات اور خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ان اقوام کو اعلیٰ تمدن کا حامل قرار دیتے ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اقوام یا معاشروں میں تہذیب و تمدن کا تدریجی ارتقا بھی ہوتا رہا ہے اور ان پر انقلابات بھی آتے رہے ہیں۔ وحشی قوم بڑھتے بڑھتے تہذیب اور شائستگی کے اعلیٰ مقام پر پہنچی ہے اور شائستہ قوم گرتے گرتے وحشت اور بربریت کی تہہ کو جا لگی اس بحث سے معلوم ہوا کہ تمدن یا ثقافت زندگی بسر کرنے کے انداز و آداب کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

ثقافت کے مظاہر

ثقافت کے تین مظاہر ہوتے ہیں (۱) فرد (۲) طبقہ (۳) پورا معاشرہ یا قوم جب ہم کسی معاشرے کے ثقافتی سرمایہ یا ثقافتی ورثہ سے بحث کریں گے تو سب سے پہلے فرد کے کمالات کا بھی مطالعہ کریں گے معاشرے میں کبھی کبھی ایسے عظیم انسان بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا اثر تمام معاشرے پر پڑتا ہے ایسے افراد کے ذاتی کمالات کا مطالعہ کر کے ہمیں پورے معاشرے کی صلاحیتوں کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ہر فن میں ترقی کا جائزہ لینے کے لئے اس فن کی کسی نمائندہ شخصیت لی تلاش کریں تاکہ معاشرے میں متعلقہ فن کے بارے میں کوئی رائے قائم ہو سکے۔

لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کوئی فرد خواہ کتنا ہی جامع کمالات کیوں نہ ہو ثقافت کا مظہر کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ ثقافت ایک فن کے اظہار کا نام نہیں۔ بلکہ انسان کی جملہ سرگرمیوں کے اظہار کو ہی ثقافت کہا جاتا ہے اس لئے مختلف شعبوں میں نمایاں مقام رکھنے والے افراد ثقافت کے مظہر ہوتے ہیں۔ جو معاشرے کی نمائندہ شخصیتیں ہوتی ہیں اور معاشرے کی عکاس ہوتی ہیں معاشرے پر دیرپا نقوش چھوڑتی ہیں اس لیے ایسے افراد کا مطالعہ ان کے شعبہ اور فن کے حوالہ سے بہت ضروری ہے۔

میری اس بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ ثقافت ایک پہلو دار چیز ہے اور اس کے مظاہر و عوامل کی

گوناگوں کیفیتوں کو سمجھنے کے لئے اسے بہت سے زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص جب ہم خود اپنی ثقافتی اقدار ثقافتی سرمایہ یا ثقافتی ورثہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

آیئے چند ایک ثقافتی ورثہ کا ذکر کریں۔

ثقافتی ورثے

(مسجد)

مسجد مسلمانوں کا ثقافتی ورثہ ہے جب حضور ﷺ نے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو ھجرت فرمائی تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر عمل میں لائی گئی چنانچہ مسجد کی اہمیت مسلم ہے جہاں مسلمان نہ صرف نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں بلکہ اطاعت الٰہی و رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اطاعت امیرو اخوت باہمی اور مساوات کا عملی درس بھی ملتا ہے گویا مسجد میں آکر بندہ و آقا۔ محتاج و غنی۔ ایازو محمود۔ کا امتیاز مٹ جاتا ہے مسجد قومی و ملی یکجہتی کا بہترین زریعہ ہوتا ہے۔

ماضی میں بنوں کی ہر بستی بلند و بالا حصار میں محصور ہوتی تھی جو دفاعی اغراض کے لئے ضروری بھی تھا مگر نقصان یہ ہوا کہ ہر بستی کی اپنی مسجد اور اپنا قبلہ ہوا کرتا تھا اور صرف اس مسجد میں متعلقہ بستی کے بالغ مسلمان افراد ہی نماز ادا کرنے کے روادار ہوتے تھے جس سے قومی یک جہتی پر کاری ضرب لگی۔

طویل غلامی کے باعث ضمیر اور مزاج اتنا بدل چکا کہ اب تو ہر بستی میں کئی ایک مساجد ہوا کرتے ہیں اور قومی یک جہتی اور اتحاد کا شیرازہ بری طرح سے بکھر چکا ہے اور قوم منتشر ہو چکی ہے۔ اب ہم آزاد ہوئے ہیں تو چاہئے کہ ہمارے رویوں میں انقلابی تبدیلی آجائے اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کو ایک ہی وحدت میں ضم کرلیں اور کم از کم ایک بستی میں ایک ہی مسجد اور ایک ہی امام ہو۔

(چوک، حجرہ، ڈیرہ)

چوک سماجی مرکز ہوا کرتا ہے۔ چوک کے دو حصے ہوتے ہیں (۱) چوک (۲) حجرہ چوک مقابلتاً وسیع جگہ پر محیط ہوتا ہے اسکی چاردیواری نہیں ہوتی ہر بستی میں چوک کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ غمی و شادی دونوں موقعوں پر چوک کا استعمال ہوتا ہے خاص طور پر نماز جنازہ چوک ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ فاتحہ خوانی بھی چوک میں سرانجام پاتی ہے ماضی میں دوران فاتحہ خوانی بہت بڑا چلم جسے حقہ کہتے ہیں گردش میں رہتا تھا۔ اور لوگ حقہ کا کش لگاتے تھے چوک کے بیچوں بیچ تمباکو بھرا چنگیر میز پر رکھا جاتا تھا یہ بد عادت اب متروک ہو چکی ہے ورنہ ماضی میں فاتحہ خوانی کو زینت بخشنے کے لئے چلم کا ہونا لابدی ہوتا تھا۔ اب حقہ چوک سے ناپید ہو چکا ہے شاید لوگ کفایت شعار بن گئے ہیں یا با شعور۔

چوک کا دوسرا حصہ مسقوف ہوتا ہے یعنی محصور جگہ پر سقف ہوتا ہے یہ ایک وسیع و عریض اطاق ہوتا ہے جس کا دروازہ کوتاہ ہوتا ہے اسے حجرہ کہتے ہیں بعض لوگ اسے ڈیرا بھی پکارتے ہیں۔ موسم گرما میں چوک کا استعمال ہوتا ہے جبکہ زمستان اور بارش کے وقت حجرہ استمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی غمی اور شادی میں استعمال ہوتا ہے دونوں جگھوں کی سماجی اہمیت مسلم ہے۔ چوک باہمی اخوت یگانگت اشتراک عمل پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے زمستان میں گاوں کے باسی چوک میں آگ جلاتے ہیں تپش حاصل کرتے ہیں۔ اکثر ناکتخدا جوان، گبرو حجرہ ہی میں رات بسر کرتے تھے ماضی میں بعض اوقات گشتی موسیقار یا سازندہ آدم و درخانئ کا منظوم قصہ ترنم کے ساتھ سناتا تھا داستان گو ساری رات کوئی قصہ کہانی سناتا اور لوگ محظوظ ہوتے رات بھر یہ محفل اور شغل جاری رہتا صبح ہوتی تو لوگ حسب رضا کچھ نہ کچھ نقد و جنس کی صورت میں انہیں ادا کر دیتے تھے۔

اب ریڈیو ٹیلی ویژن اور وی۔ سی۔ آر نے ان محفلوں کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے بعض اوقات محفل موسیقی کا بھی اہتمام ہوتا تھا گویئے بعض قادرالکلام شعراء کا کلام سناتے یہ کلام بعض لوگوں کو

بھی زبانی ازبر ہو جاتا تھا۔ بزم موسیقی بھی چوک کا اہم عنصر ہوتا تھا چوک میں بھاری بھرکم چارپائیاں ہوتی تھیں ہر چوک کی صفائی کے لئے ایک جاروب کش بھی مقرر ہوتا تھا مگر اب یہ چیزیں عنقا ہو چکی ہیں چوک کا احاطہ محدود ہونے لگا ہے کونے کھدروں میں نئے نئے بیٹھک بن گئے ہیں اب اجتماعیت محدود ہو کر رہ گئی ہے ماضی کی یادیں خواب دکھائی دے رہی ہیں انفرادیت کی گرم بازاری ہے ہر انسان انفرادیت کے خول میں محصور ہو چکا ہے۔

(پردے کارواج)

بنویان میں پردے کارواج بہت سخت پایا جاتا ہے خاتون خانہ گھر سے باہر نکلنے کی روادار نہیں ہوتی بوقت ضرورت اگر نکلے بھی تو بھاری بھرکم طویل و عریض چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح ڈھانپ لیتی ہے درون خانہ خواتین امور خانہ داری نبھاتی ہیں جبکہ بیرون خانہ مرد حضرات سارے کام کاج انجام دیتے ہیں افغان معاشرہ میں پردے کا ایسا سخت رواج شاید کسی اور معاشرے میں ملے بنویان اس لحاظ سے سفید فام آقاوں کے نزدیک ماضی میں موردالزام گردانے جاتے تھے گویا بنویان کی یہ خوبی ان کے نزدیک خامی تصور کی جاتی تھی اب تو خواتین میں برقعہ پہننے کارواج ہونے لگا ہے۔

(قبرستان)

ہر دیہات کے ساتھ ملحقہ زمین قبرستان کے لئے مختص ہوتی ہے اور اگر یہ قطعہ اراضی برلب سڑک ہو تو اور بھی پسند خاطر سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح بہترین زرعی اراضی اور کمرشل زمین قبرستان کی نذر کی جاتی ہے ورنہ وزیر قبائل میں غیر آباد بنجر زمین اور پتھریلی زمین قبرستان کے لئے موزوں سمجھی جاتی ہے۔ قبیلہ داوڑ بھی بنویان کی تقلید کر رہے ہیں۔ بنویان میں دیگر افغان معاشرہ کی طرح غمی خوشی، تجہیز و تکفین اشتراک عمل سے ہی انجام پاتی ہے۔ اگر کوئی کسی وجہ سے شرکت سے معذور رہے تو اس پر ناغہ یعنی جرمانہ لگایا جاتا ہے۔ ہر گاوں میں

ایک معتبر یامشر ہوتا ہے جو اکثر سفید ریش معمر شخص ہوتا ہے گاوں کا ملک بھی اس مشر کی پشت پناہی کرتا ہے۔ قبرستان کے لئے عموماً کوئی مخیّر شخص زمین کو وقف کر دیتا ہے۔ مگر اب صورت حال تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے اور غریب بے زمین عوام پر زمین تنگ ہو رہی ہے ایک وقت آنے والا ہے کہ ایسے لوگ اپنے مردے کو دفنانے کے لئے پریشان ہوں گے۔ اور مردے کو وبال جان گردانیں گے۔ گویا مردہ بدست زندہ نہیں۔ بردوش زندہ ہوگا۔

(اسقاط)

بنوں میں یہ رسم پائی جاتی ہے میں نے یہ رواج کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ تجہیز و تدفین کے بعد بلا امتیاز شریک غم حاضرین کے مابین نقد رقم تقسیم کی جاتی ہے خواہ میت نے اس کے لئے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ خواہ امیر ہو یا غریب۔ برادری میں ناک کٹوانے سے بچنے کے لئے میت کے ورثاء کے لئے یہ لمحہ بڑا صبر آزما اور دقت طلب ہوتا ہے ابھی آدمی مرا نہیں گھر کے دوسرے دروازے سے میت کے رشتہ دار اسقاط کی بندوبست میں نکل پڑے۔ یہاں تک بعض اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے۔ یا زمین رہن کی جاتی ہے مگر اسقاط کا انتظام ضروری ہوتا ہے۔ اس عادت بد کے خلاف بعض گوشوں سے صدائیں اٹھ رہی ہیں۔ مگر فی الحال صدا با صحرا ہی ہے۔ اسقاط میں پہلے بتاشے پھر گڑ اور اب کشمش تقسیم ہونے لگی ہے نقد اس کے سوا ہے۔ جس سے چھوٹے بچوں میں گداگری کی عادت بھی پڑ جاتی ہے۔ موجودہ اسقاط کی بہت ساری قباحتیں بھی ہیں مگر ہمارے علماء چپ سادھے ہوے ہیں شاید اس میں خود غرضی کا عنصر شامل ہے۔

ہر روز روز عید است

بنوں کے باسی ویسے بھی زندہ دل واقع ہوئے ہیں مگر حال ہی میں ایک قابل توجہ رسم چل نکلی ہے۔ دیکھو تو چند منچلے ڈھول کی تاپ پر ناچتے ہوئے شہر کی طرف رواں دواں نظر آتے ہیں بعض اوقات ٹریفک کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ ماضی میں ایسا ہوتا ہوگا۔ مگر طاوس ورباب کا یہ معاملہ اور عمل دیہات کی چار دیواری تک محدود ہوتا تھا اور وہ بھی شادی بیاہ کے موقعوں پر مگر اب یہ عمل وبائی شکل اختیار کر گیا ہے یاد رہے قوموں کی عروج وزوال کا تخمینہ وہاں کے افراد کے روز شب کے مشاغل ہی سے لگایا جاتا ہے بقول اقبال۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاوس و رباب اخر

بنوں سرزمین رزم وبزم

سرزمین بنوں نہ صرف زرخیز ہے بلکہ مردم خیز بھی ماضی وحال میں اس سرزمین بنوں نے مشاہیر رزم وبزم پیدا کئے ہیں جو وجہ افتخار ہو سکتے ہیں جنہوں نے ہر دور کی فرعون سامانیوں کا شدت سے مقابلہ کیا خواہ وہ بیرونی حملہ آوروں کا یلغار ہو سکھا شاہی اور انگریزوں کے جبر و جبروت کا دور ہو تحریک آزادی کی خاطر بڑی بڑی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا ہے قربانی کی دہلیز پر شہید ہوئے مگر جنگ آزادی کی تحریک کو زندہ رکھا۔ بنوں کے باسیوں نے ہر جبر ہر ظلم وستم۔ قید وبند کے مرحلوں اور صعوبتوں کو قبول کیا جس کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا ویسے تو ساری قوم اس جہاد آزادی میں شریک رہی مگر بنویان نے صف اول میں جگہ پائی تھی۔ وہ صرف شریک رہے بلکہ شریک شورش محفل ہوئے تاریخ گواہ ہے کہ زندہ دلان بنوں کی جتنی زیادہ تعداد تحریک آزادی میں پس دیوار زنداں چلی تھی ماضی میں پورا صوبہ سرحد بھی اس تعداد کا حساب وجواب پیش نہیں کر سکا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں انگریز بہادر نے دیگر قوموں

قبیلوں میں تمغات القابات تقسیم کیے ہیں اور خان بہادر خان صاحب۔ رئیس۔ نواب جیسے اور خطابات دئے گئے وہاں بنوں والوں کو ان خطابات سے سوائے چند ایک مثتسنیات کے محروم رکھا گیا ہے مگر محرومیت کی یہ تاریخ ہم سب کے لئے وجہ افتخار اور وجہ اطمینان ہے

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم آیاز

دیکھتی ہے حلقہ گردن میں ساز دلبری

اور سر شرم سے جھک گیا۔

دیار غیر سے تعلق رکھنے والے ایک مبصر نے پوچھا کہ وہ اکثر و بیشتر بنوں میں ہر طبقہ ہر عمر کے بعض افراد کو یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی ہے کہ وہ وقفے وقفے اپنے منہ میں کچھ ڈالتا رہتا ہے اور پھر وقفے وقفے تھوکنے بھی لگتا ہے پھر اسی لمحہ اپنے آزار بند کو دائیں ہاتھ میں پکڑ کر بایاں ہاتھ بقدر تام نیچے کر دیتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی شے کھلا رہا ہے گاہے گاہے وہ اندر کی طرف جھانکتا بھی ہے یہ سلسلہ دور اور دیر تک جاری رہتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص مسلسل اپنا راستہ بھی طے کر رہا ہوتا ہے بعض اوقات اسی دوران کسی واقف کار سے دعا سلام بھی ہو جاتی ہے بقول مبصر انہوں نے راہ چلتے راہگیر سفید پوش۔ سفید ریش باریش۔ بھولے بھالے شخص کو بھی اس مشت ستم یا مشق ستم میں مشغول پایا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ معاملہ کیا ہے ماجرا کیا ہے۔ یہ سن کر میرا سر شرم سے جھک گیا میں نے خموشی سے جواب دیا گویا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ اس ستم ظریفی میں ہماری اکثریت ید طولیٰ رکھتی ہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

چند ثقافتی مراکز اور ثقافتی سرگرمیاں

مین چوک امیخ ء چوک ک ادتڑے منڈئیبی

بنوں شہر میں موجودہ مین چوک ماضی میں سماجی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا یہ وہ جگہ ہے
اور ماضی قریب میں انڈیا نیشنل کانگرس کا جھنڈا بھی اسی جگہ
ایستادہ تھا یہ ایک وسیع اور عریض جگہ پر پھیلا ہوا ہے جہاں اب بھی جلسے جلوس ہوا کرتے ہیں
جہاں پاکستانی جھنڈا لہرا رہا ہے۔
اگرچہ اس وقت قبضہ مخالفانہ کے باعث یہ کشادہ جگہ محدود ہو کر رہ گئی ہے اس میں ہزاروں
بندے سمائے جا سکتے ہیں ماضی میں ہر جمعرات کو عصر کے بعد میلہ لگتا تھا اور خاص طور پر بنوں
کے گبرو جوان اپنے اپنے کرتب اور کمالات کا مظاہرہ کرتے تھے یہاں وزن برداری کے لئے
سنگ گراں ہوتے تھے اور ایک دوسرے کی قوت بازو آزمانے کے لئے کھڑے مقابلے
بھی کرتے تھے اس طرح باری باری سے ایک دوسرے کو اپنے بانہوں میں پکڑ کر زور سے دباتے
قوت بازو میں جو سبقت رکھتا تھا مد مقابل کی چیخ نکل جاتی ایسا بھی بارہا ہوا کہ کھڑے مد
مقابل کا سانس پھول جاتا۔ سانس رک جاتا اور وہ بیہوش ہو کر گر جاتا مقابلہ کا یہ سلسلہ ہر گاؤں
میں ہر روز جاری رہتا مگر ہفتہ میں ایک بار نامور پہلوان ضلعی سطح پر ایک دوسرے کے مقابل
ہوتے اس حوالہ سے بعض پہلوان بڑے نامور بن جاتے۔ اور سارا بنوں اس کے حق میں رطب
اللسان ہوتا علاقہ ممش خیل میں ایک شخص شوغلہ حاجی گل محمد شاہ نامی پہلوان گزرا ہے اس کے
حجرہ میں اب بھی بہت بڑا پتھر پڑا ہے جس پر وہ مشق اور پریکٹس کیا کرتا تھا۔ یہ پتھر اتنا وزنی اور
بھاری ہے کہ کم از کم ۵ مضبوط جوان اسے ہلا بھی نہیں سکیں گے۔ یہ پتھر میں نے بچشم خود دیکھا
ہے انسان اسے دیکھ کر ورطہ حیرت میں آجاتا ہے۔ مگر اس بارے میں چشم دید گواہ سننے میں آتے
ہیں۔ خود میں نے کئی بزرگوں سے سنا کہ یہ ایک حقیقت تھی وقت کے ساتھ ساتھ انداز
بدل گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسی چوک میں ایام عید میں انڈے لڑائے جانے لگے۔ یہ
بنوں میں مقبول شغل ہے مین چوک اب جلسہ و جلوس کے لئے وقف ہے۔ البتہ یہاں طاؤس و

رباب کی محفلیں بھی سجائی جاتی ہیں۔ اور پھولوں کے ہار بھی بچھے جاتے ہیں۔
نوجوان معدوم۔ قوت مفقود۔ یہ محض داستان پارینہ رہ گئے ہیں جو دلوں کو بھانے کے لئے
اور بہلانے کے لئے کافی ہیں۔

؎ زمانے کے انداز بدل گئے
نیا راگ ہے ساز بدل گئے .

بنویان کے خاص مردانہ مشاغل

کشتی۔ کبڈی۔ انیڈا۔ رسہ کشی اور وزن برداری

بنوں خاص کئی حصوں میں تقسیم ہے۔ (۱) عیسکی (۲) سورانی (۳) میریان (۴) منڈان
(۵) داود شاہ

علاقائی سطح پر ان کے مقابلے کئے جاتے ہیں اس مد میں بعض نامور اشخاص کے نام زبان زد خاص و عام ہیں مثلاً پہلوانی یعنی کشتی میں میر گل شاہ آف بازار احمد خان عدیم المثال پہلوان گزرے ہیں ویسے ہر گاوں بستی میں اکھاڑے ہوتے تھے بازار احمد خان جو ضلع بنوں کا پایہ تخت سمجھا جاتا تھا یہاں بہت مشہور اکھاڑا ہوتا تھا اور ہندوپاک سے نامی گرامی پہلوان مقابلہ کے لئے آتے تھے خاص طور پر سکھ فن پہلوانی میں مشہور تھے وہ بھی اس اکھاڑے کا رخ کرتے تھے بازار احمد خان میں پیر علی باز پہلوان یکتائے روزگار تھے جسامت متوسط تھی مگر بہت بڑے بڑے گرانڈیل دیو ہیکل پہلوانوں کو آنکھ جھپکنے میں پچھاڑ دیتا تھا خدا نے اسے بے مثل قوت اور غضب کی پھرتی عطا کی تھی وہ پینل ہائی سکول میں فیزیکل انسٹرکٹر ہوا کرتے تھے۔

راقم الحروف کو کسی بزرگ شخص نے ایک چشم دید واقعہ سنایا انہوں نے بتایا کہ بنوں شہر کے قرب وجوار میں بڑے بڑے پھاٹک ہوتے تھے جو شام ۵ بجے بند ہو جاتے تھے ایک شام پیر علی باز اس شخص کے ہمراہ بنوں شہر سے گاوں بازار احمد خان آرہا تھا دیکھا پھاٹک بند ہے اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر چھلانگ لگائی اور اسے پار کر دیا پھاٹک کا گیٹ کافی اونچا تھا اوپر خاردار جنگلا بھی

تھا جو انسانی قوت دسترس سے باہر تھا لیکن پیر صاحب تو مافوق افطرت قوت رکھتے تھے یاد رہے

پیر علی باز صاحب موجودہ سابق ممبر قومی اسمبلی پیر عباس شاہ کے چچا اور پیر اختر علی شاہ

ایڈووکیٹ مرحوم کے والد ماجد تھے تیر پہلوان بھی شہ زوری کے لئے شہرت رکھتے تھے یہ بیتا

خیل کے باسی تھے ---------- شمشیر زنی کے حوالہ سے مشہور تھے اور کوئی بھی ان

کے مقابلے میں آنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ علاقہ سورانی میں تیر زنی یعنی شمشیر زنی میں بازید

خان لاثانی تھا۔ کہتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی میں ۱۰۰ اشخاص کی زندگیاں گل کر دی تھیں

قوت بازو کا مالک تھا اور کرتب شمشیر زنی میں کمال رکھتا تھا اس طرح بازار احمد خان میں ممدی نامور

شخص گزرا ہے اس کے نام سے ایک چوک بھی منسوب ہے جسے ممدی چوک کہا جاتا ہے یہ چوک

بازار احمد خان کے شمالی حصہ میں واقع ہے ماضی میں علاقہ سورانی کی طرف سے اکثر ڈاکہ زنی اسی

طرف سے ہوا کرتی تھی مگر ہر بار ممدی کی وجہ سے ان عناصر کا حملہ روک لیا جاتا تھا ممدی جو

تلوار استعمال کرتا تھا اس کا نام اوچتنی تھا یعنی مد مقابل کی دسترس سے باہر ممدی اعوان قبیلہ

سے تعلق رکھتا تھا۔ ممدی شمشیر زنی میں نام اور خاص مقام رکھتا تھا وہ اپنی تلوار اوچتنی اور اپنے

قوت بازو اور دلاوری کے بل بوتے پر صفوں کو الٹ پلٹ کر رکھدیتا تھا وہ اپنے مقابل کی تعداد اور

افرادی قوت کو اہمیت نہیں دیتا تھا اور نہ خیال میں لاتا تھا۔

بنوں میں تلوار۔ لور۔ خنجر۔ پیش قبض مقبول ہتھیار ہوتے تھے محض ذی حیثیت ملکوں کے پاس

بندوقیں بھی ہوتی تھیں جنہیں جزیل کہا جاتا تھا اس سے کم تر درجے کی بندوق بھی ہوتی تھی

جسے لکڑ سینی ٹوپک کہا جاتا تھا مکڑ سین نکلسن کا بگڑا ہوا نام ہے نکلسن سن ۱۸۵۴ء میں بنوں کا ڈپٹی

کمشنر ہو گزرا ہے ماضی میں بعض لوہار تلوار سازی میں بہت مشہور ہوتے تھے۔ حیات افغانی کے

مطابق ایک آہنگر لعلائی شمشیر سازی میں بڑا نام رکھتا تھا اس نے اٹھارہویں صدی کے وسط میں

وفات پائی موجوہ دور میں ان سرگرمیوں کا نعم البدل ہاکی فٹ بال اور کرکٹ اور کبڈی رہ گئی

ہیں۔

ہاکی کے میدان میں بنوں نے بڑے بڑے مشہور کھلاڑی پیدا کئے ہیں۔ جو بین الاقوامی شہرت

رکھتے ہیں ماضی میں ہاکی کے دو نامور ٹیمیں موجود تھیں۔وزیری ٹیم اور جنٹل مین۔
والہ مصنف سیفی صاحب ۔ عزیز الرحمٰن بنوائی، حبیب خان سوکڑی، خدا بخش تیر بابو بنوسٹی
اور ہیچ کرامائی بیلی کلہ نے خان الیون مردان ہاکی ٹیم میں شمولیت کر کے آل انڈیا ہاکی ٹورنمنٹ
کان پور جیت لیا تھا۔وزیری ہاکی کلب نے سرگودھا روز کپ، کوہاٹی ہاکی کپ اور انڈیا گولڈ کپ
مقابلے جیت لئے۔
وزیری کلب اور جنٹلمین کلب حریف کلب ہوا کرتے تھے ۱۹۳۶ء میں انڈین ملٹری پلٹن نمبر
۲۰ جس میں آل انڈیا ٹیم کی اکثریت تھی وزیری ٹیم کے ساتھ بنوں میں مقابلہ ہوا وزیری کلب
کے مد مقابل ٹیم کا کپتان دنیا کا عظیم ترین اور تیز ترین فارورڈ دھیان چند تھا۔ وزیری ٹیم
میں ماسٹر عزیز الرحمٰن، افضل خان کالوبا، اسلم خان گنڈا پور کرامائی، احمد نواز خان معروف خانی
ماسٹر۔ماسٹر میر زمان شاہ، اور عبد الزاق شامل تھے اس طرح نواب حمید اللہ خان ہاکی ٹورنمنٹ
بھوپال میں منعقد ہوئی۔ ہندوستان بھر کے ۴۲ چیدہ چیدہ ٹیموں نے حصہ لیا۔بنوں کی ٹیم نے یہ
مقابلہ بھی جیتا تھا اور ہندوستان بھر میں بنوں کا نام ہاکی کے حوالہ سے مشہور ہوا۔
۱۹۴۶ء میں محمد یعقوب خان بنوسٹی آل انڈیا ہاکی ٹیم میں منتخب ہوئے محمد یعقوب خان نے ہاکی
کی دنیا میں اپنا خاص مقام اور نام پیدا کیا ۱۹۴۸ء میں بریگیڈیر حمیدی گنڈا پور جو محمد افضل خان کا
لوبابا کے بھتیجے ہیں لندن اولمپک گیمز میں شرکت کی۔ ۱۹۵۶ء میں ملبورن اولپک گیمز میں پاکستانی
ٹیم کے کپتان تھے مگر بد قسمتی سے فائنل میں ایک گول سے شکست کھائی ۱۹۶۰ء میں دوبارہ
کپتان بنے اور روم اولمپک گیمز میں فائنل میں ہندوستانی ہاکی ٹیم کو ہرا دیا اور ہندوستان کی ۳۲
سالہ بالادستی ختم کر دی۔ ۱۹۶۸ء ہی میں میکسیکو اولپک گیمز میں انہوں نے دینا کا سابقہ ریکارڈ
توڑ کر دنیا کا ٹاپ سکورر بن گئے گولڈ میڈل بھی حاصل کیا گویا ٹیم کو جتوایا اس طرح امان اللہ خان
ہاکی ٹیم میں لئے گئے ۱۹۷۴ء میں سعید خان بنوں کے باسی بھی قومی ٹیم میں لیے گئے۔ اسی
سال پاکستان نے ایشیائی کپ جیت لیا۔ ناصر خان جونیر قومی ہاکی ٹیم میں منتخب ہوئے۔ ناصر خان
اس وقت قومی اسمبلی کے ممبر ہیں فرحت خان بنوی قومی ہاکی ٹیم میں منتخب ہوئے ہیں۔ ناصر

خان ہوی قومی ہاکی ٹیم میں منتخب ہوئے ہیں۔ قاضی محب نے بے شمار انٹرنیشنل میچوں میں پاکستان قومی ٹیم کی نمائندگی کی انہوں نے ۳ بار قومی ہاکی ٹیم کی قیادت کی۔ ۱۹۹ میں کینسر کے موذی مرض سے وفات پائی۔ علاقہ سوکڑی نے فٹ بال کے عظیم کھلاڑی پیدا کئے فٹبال میں اکبر جان کی عظمت مسلم ہے انڈیا ٹیم میں منتخب ہوئے تھے۔ اور بین الاقوامی شہرت پائی حبیب خان بھی فٹ بال کے عظیم کھلاڑی تھے محمد ہاشم خان پسر اکبر خان مرحوم نے فٹبال میں نام پیدا کیا علاقہ سوکڑی اس لحاظ سے بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے اس علاقے نے متعدد نامور فٹبال کھلاڑی گزرے ہیں۔

اینڈا و کبڈی

صوبہ سرحد کے جنوبی اضلاع میں اینڈا مردانہ کھیلوں میں سب سے زیادہ مقبول اور مشہور کھیل ہے لوگ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ اس کھیل کے لئے بڑا وسیع اور عریض کشادہ ہموار میدان چاہئے ماضی میں ہر علاقے میں یہ سہولت حاصل تھی مگر اب قلت جاہ ہے اب تو قبر کے لئے بدقت زمین ملے تو غنیمت ہے البتہ پولو گراونڈ جو ملٹری کی ملکیت ہے اینڈا کے لئے موزوں ہے مگر اب ملٹری والے بھی چشمک سے پیش آتے ہیں بقول کسے ہم انہیں سارا ملک بھی دینے کو تیار رہتے ہیں مگر یہ لوگ ہمیں غیر تصور کرتے ہیں ایک قطعہ بھی وہ بھی عارضی طور پر مستعار دینے کے روادار نہیں بہر حال داستان ماضی بیان کرنے دیں

ماضی میں اس میدان میں بڑے بڑے نامی گرامی اینڈا کے مشاق گزرے ہیں۔ اینڈا ایک ایسا فن و کرتب ہے جس میں جسمانی قوت اور تیزی و تندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ماضی بعید میں پہلوان میر گل شاہ شیخ حقنواز شاہ بزرگ خیل نامور کھلاڑی تھے۔ پہلوان میر گلشاہ کے بارے میں راقم الحروف کو ایک معمر شخص نے اپنا چشم دید واقعہ سنایا کہ ایک بار ملک میر عباس خان (بوزکی) رئیس بازار احمد خان کے ساتھ میر گلشاہ نے یہ شرط باندھ لی کہ ان کا گھوڑا دوڑ میں ان سے سبقت

لے جائے تو وہ آئندہ کے لئے اینڈا کرنے سے دست بردار ہو جائے گا یاد رہے ملک میر عباس خان اپنے وقت کا اچھا شہسوار اور بہترین گھوڑا پالنے کے لئے مشہور تھا۔ چنانچہ میر گلشاہ یہ بازی جیت گیا تھا ان کے بارے میں اور بھی روایات ہیں جنہیں سن کر یقین نہیں آتا۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ حقیقت میں مافوق الفطرت انسان تھا خوجڑی (خوزڑی) کا علاقہ بھی اس مد میں بڑا مردم خیز رہا ہے میں کن کن کا شمار کروں وقت مختصر اور جگہ کم ہے صرف اتنا کہوں کہ اینڈا بھی سر زمین ہوں سے عنقا ہوتا جارہا ہے صرف یاد ماضی سے دل بہلانا کافی ہے۔

اینڈا کیسے کھیلا جاتا ہے۔

اس کھیل میں تین افراد شریک مقابلہ ہوتے ہیں ایک کا مقابلہ دو سے ہوتا ہے ایک آدمی چند گز کے فاصلے پر دوڑ لگاتا ہے۔ جبکہ مد مقابل کے دو افراد اسے پکڑنے گرانے کی تگ و دو میں ہوتے ہیں۔ دوران دویدن اگر یہ پہلا شخص اپنے مد مقابل کھلاڑیوں کو ۳ بار ہاتھ لگانے میں کامیاب ہوا تو وہ کامیاب گردانا جاتا ہے اگر وہ ایسا نہ کر سکے یا اسے پکڑ کر گرا دیا جائے تو شکست ہوتی ہے اس طرح دوسری بار مد مقابل میں سے ایک کھلاڑی دوڑ لگائے گا۔ جبکہ مد مقابل کے دو افراد پکڑانے کی کوشش کرتے ہیں اس کھیل میں ہر کھلاڑی ۳ بار اپنے مد مقابل کا مقابلہ کرتا ہے۔ جیت اور ہار کا ہر مرحلہ شمار کیا جاتا ہے اور پھر جس پارٹی کا مجموعی سکور زیادہ ہو وہی پارٹی کامیاب قرار دیتی ہے یہ منظر بڑا دلچسپ ہوتا ہے ڈھول کی تاپ پر کھلاڑی اپنا کرتب۔ ہنر۔ تیزی اور قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں عوام اور بھی خواہوں کا جوش وولولہ دیدنی ہوتا ہے۔

کبڈی

کبڈی کے لئے مقابلتاً میدان کم وسیع ہوتا ہے یہ کھیل تقریباً سارے پاکستان میں کھیلا جاتا ہے۔ اولمپک مقابلوں مین بھی شمار کیا جانے لگا ہے ہوں میں ماضی قریب میں بازار احمد خان کبڈی کے لئے مردم خیز رہا ہے۔ بازار احمد خان کی بڑی مضبوط ٹیم ہوا کرتی تھی۔ اس کے مقابلے کے لئے

سارا ہوں مجتمع ہو کر مقابلہ کے لئے ٹیم کو منتخب کیا جاتا تھا مگر ہر بار جیت بازار احمد خان کی ہوئی باہر سے بھی اس ٹیم کے مقابلے کے لئے کھلاڑی لائے جاتے تھے مگر پھر بھی بازار احمد خان کو شکست دینا آسان کام نہ تھا۔ بازار احمد خان کی کبڈی ٹیم میں ذیل افراد نامور کھلاڑی تھے۔

گل پائدار شاہ (گل) یہ پہلوان میر گل شاہ کا پوتا تھا۔ داود جان نے حال میں وفات پائی۔ سئید شاہ مرحوم۔ دور مرجان قصاب (دوری ۹ عبدلا حکیم (لول) مستری نور علی گل۔ چوکیدار نور لائی۔ محمد روشان خان نیازی۔ عبدالاکبر (باغڑ) ملک حمید اللہ خان شاہ بزرگ خیل ۔ قاضی لطف اللہ ایڈووکیٹ۔ نور علی شاہ اور پاشم (بنوسٹی)

نوٹ۔۔۔۔ گل پائدار شاہ۔ سعید شاہ۔ نور علیشاہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے داود جان نور علی گل اور محمد روشان بھی ایک ہی خاندان کے فرد تھے جبکہ یہ دونوں خاندان بھی رشتہ دار تھے۔ کبڈی میں سب سے زیادہ نامور کھلاڑی قصاب نامی شخص گزرا ہے اس کا اپنا نام خدا بخش تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے قصاب تھا۔ راقم الحروف نے خود اسے دیکھا تھا مگر اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ ان کا ایک بیٹا ہاکی کا بہترین کھلاڑی تھا قصاب قد و قامت کے لحاظ سے متوسط شخص تھا۔ مگر تیزی و تندی اور طاقت نا قابل یقین حد تک بہت زیادہ تھی۔ کبڈی میں وہ لاثانی کھلاڑی تھے۔ اور کبڈی میں ضرب المثل بن چکے تھے۔ اب بھی لوگوں کے حافظہ سے محو نہیں ہوئے ہیں۔

جوڑہ (صلحنامہ)

جوڑہ بنویان کی ثقافتی ورثہ کا ایک حصہ ہے جب کبھی کسی گروہ طبقہ یا افراد کے مابین وجہ جنگ و جدل یا تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو علاقے کے سفید ریش بزرگ بارسوخ ملکان بیچ میں آکر وجہ نزاع کو رفع دفع کیا جاتا تھا یہ ایک اچھی روایت اور صحت مند رواج ہے مگر اب یہ روایت پیشہ ورانہ صورت اختیار کر گئی ہے۔ ثالثان اب اجرت لینے لگے ہیں اجرت بھی اتنی وزنی ہوتی ہے کہ اگر فریق ثانی یا فریقین دونوں غریب ہوں تو یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے اس بدعت کی دوسری قباحت یہ

ہے کہ بعض ثالثان روزانہ اجرت کی حرص میں معاملہ کو طول دیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں ہر نشت پر اجرت ملتی ہے مزید ان کا ایک CODE لفظ بھی ہے کہتے ہیں ثالثان کا منہ کھلواو یعنی زبردست ضیافت کا انتظام کرو یہ ضیافت بھی کارے دادر ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا مزید بعض ثالثان اپنے ہمراہ غیر متعلقہ ساتھیوں کو بھی لاتے ہیں جنہیں وہ اپنی بولی میں سخائی کہتے ہیں۔ گویا گاؤ سالہ۔ یہ لفظ خود کتنا مضحکہ خیز اور توہین آمیز ہے۔ مگر ثالثان حرص زر کے لئے اس لفظ کو بھی برداشت کر لیتے ہیں کیونکہ سخائی کو بھی نقد کی صورت میں کچھ ملتا ہے۔ اس روایت کا سب سے مکروہ پہلو یہ ہے کہ بعض نامی گرامی ثالثان رشوت بھی لیتے ہیں جو کوئی اس فن میں جتنا مشاق ہو اسکی خدمت مستعار لی جاتی ہے مد مقابل بے بس ہوتا ہے اسکی ثالثی قبول کرنی پڑتی ہے۔ مگر ساتھ یہ اجازت بھی ہوتی ہے کہ وہ بھی اس کا ثانی ڈھونڈ لے۔ جبکہ بعض اوقات مشکل سے ایسا شخص دستیاب ہوتا ہے چنانچہ فیصلہ شاطر اور مشاق ثالث جیت جاتا ہے۔

بنوں میں یہ مردانہ کھیلیں کیوں ہوتی تھیں

بنوں میں اینڈا کبڈی اور رسہ کشی کیوں؟ جواب سیدھا سادھا اور آسان ہے اس کے متعدد وجوہ ہیں اوقات فرصت زیادہ ہوں خوراک خالص اور تکلف سے پاک ہو دودھ ستا بلحہ آسانی کے ساتھ مفت دستیاب ہو ملیریا جیسی موزی بیماریوں سے محفوظ ہو اخلاق اور کردار احسن اور پاکیزہ ہو ذہن اسلامی ہو تو یہ سب امور ملکر انسان کی صحت پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ جب قلب و ذہن صاف و شفاف ہو تو ذہن انسانی قدرتی طور پر خود نمائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے صحت مند مقابلے یعنی مردانہ کھیلیں قوت نمائی اور خود نمائی کا بہترین ذریعہ ہوتی ہیں۔ ان باہمی مقابلوں کے طفیل بعض افراد جسمانی قوت کا بے مثال مظاہرہ کر کے معاشرے میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ ماضی میں ایسے افراد کو احتراماً شوغلی کے نام سے پکارا جاتا تھا ہر

گاوں میں اکھاڑا ہوتا تھا اور وہاں کے نوجوان باسی مد مقابل کے ساتھ زور آزمائی کرتا تھا اور داد و ستائش حاصل کرتا ہر نامی پہلوان شاگردوں کا ایک غول رکھتا تھا اس طرح پہلوان نمایاں مقام حاصل کر کے لاثانی ہو جاتا تو اسے پیاوڑایا شوغلا کہا جاتا تھا علاقہ ممش خیل کا ساکن شوغلی حاجی گل کا نام اب بھی ہر چھوٹے بڑے۔ عوام و خواص کی زبان پر لیا جاتا ہے وہ وزن برداری میں یکتائے روزگار تھا اب بھی ان کے گاوں میں وہ سنگ گراں شہادت کے لئے پڑا ہے مجال ہے کہ ۵ جوان اس بھاری پتھر کو ہلا بھی سکے مگر یہ اس مافوق القوت انسان کا معمول تھا کہ وہ ہر روز ہجوم کی موجودگی میں اس پتھر کو سینہ تک اٹھاتا تھا اس طرح زمین انسانی ضروریات سے وافر تھی ہر علاقے میں غیر آباد وسیع و عریض قطعہ زمین موجود تھا جسے اینڈا کیلئے استعمال کیا جا سکتا تھا وقت کے ساتھ ساتھ آبادی بڑھتی گئی اور زمین تنگ ہوتی گئی اب اس سہولت سے بنوں کے باسی محروم ہوئے جس کا اثر بتدریج کھیلوں پر زوال کی صورت میں پڑا۔

لیکن اب تو تنگی، مہنگائی، بیروزگاری، آبادی، بیماری و دشمنی، اور افراط و تفریط نے عوام کی زندگی اجیرن کر دی ہے یہاں تک کہ زیست کی امید بھی عنقا ہوتی جا رہی ہے جانے نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے؟

ماضی میں تر گل درابینہ۔ برلاش تائی امبور (ممش خیل) ترخوبہ و خلیفہ بیحہ دوا (سورانی) وررا غزائی وزیر اینڈا کے لئے مشہور میدان ہوا کرتے تھے

زندگی مشکل موت آساں

بنوں کے باسی اس حقیقت کے شناسا تھے۔ کہ زندگی کو بھرپور انداز سے گزارہ جائے اور اسکی حفاظت صحت مند سرگرمیوں کی طفیل سے ہی ہو سکتی ہے۔

کتنی مشکل زندگی ہے کسقدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مثال نسیم ارزان ہے موت

ماضی میں چند ایک مشہور کھلاڑی گل اختر زرگر خیل۔ تیر خان پہلوان بیتا خیل۔ میر گل شاہ

پہلوان بازار احمد خان۔ آن ملک بیتا خیل۔ شیخ حقنواز شاہ بزرگخیل۔ بہادر نواز کی۔ شتی حاجی گل تمری خیل۔ گیڈڑوال (عنایت اللہ خان مروت) وغیرہ

ادب و فن

وادی بنوں اگر ایک لحاظ سے بہتات آب کے باعث بڑی زرخیز ہے تو انسانی ذہنی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل شخصیتوں کے طفیل مردم خیز بھی ہے اس سرزمین بنون ے ماضی میں مشاہیر رزم و بزم پیدا کیے۔

چونکہ یہ مختصر اور دور افتادہ وادی اپنی جغرافیائی محل وقوع کے باعث جنگ و جدل کی آماجگاہ رہا ہے۔ مزید افغانستان اور ہندوستان کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے دونوں حکومتوں کی سیاسی وادبی تحریکات کی فیوض سے محروم رہی اور رسل ورسائل اور ابلاغ عامہ کی کمی کی وجہ سے غیر معروف اور پسماندہ بھی رہی ہے۔ ہر دور حکومتوں کے اثرات سے یا تو بالکل آزاد رہی یا پھر نیم آزاد ۔مگر ان نامساعد حالات کے باوجود بعض شخصیتیں بین الاقوامی شہرت کی حامل گزری ہیں۔ اور علم و فن اور ادب کے شعبہ میں نام پیدا کیا۔ نمونے کے طور پر ایک گمنام۔ ناخواندہ بندر شاہ (بہادر شاہ) نامی شاعر کا ذکر کرتا ہوں وہ بازار احمد خان کا باسی ایک ناخواندہ لوہار تھا۔ وہ بڑا پر گو شاعر تھا۔ ان کے کلام میں بلا کی تاثیر پائی جاتی تھی۔ جب ان کا ایک بیٹا جوانی میں لقمہ اجل ہوا۔ توانہوں نے مرحوم کے حق میں ایک مرثیہ کہا تھا۔ کلام میں ایسی تاثیر اور سوز تھا کہ پتھر کو بھی گداز کر دیتا تھا۔ جو سنتا۔ روئے بغیر نہ رہتا مرحوم بندر شاہ کا ایک شعر آج بھی میرے ذہن کی سیمیائی پردوں پر محفوظ ہے۔ شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہے۔ آو کچھ راز و نیاز ہو۔ محبوب رسوائی کے خوف سے ------جواب ملتا ہے۔ ہمارے سوال و جواب کسی حرف سمت وصوت کا مرہون منت نہیں۔ کسی کنایہ اور اشارہ کا محتاج نہیں۔ کراما کاتبین تک سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ اور کتنا خوب کہتے ہیں۔

ےپوئی بہ پہ رموز چہ تہ کراماًکا تبین نہ شی
عاشق و معشوق چہ کوی راز پہ نیم نگاہ سرہ

ترجمہ۔بے حرف وصوت کلام کراماًکا تبین کی سمجھ سے بالاتر ہے۔کیونکہ عاشق و معشوق اپنی نیم وانگاہوں سے دل کی بات ایک دوسرے تک منتقل کردیتے ہیں۔ان چند لفظوں میں ماحول۔حالات۔کیفیات اور قلبی جذبات کی خوب عکاسی کی گئی ہے۔بڑامحاکانی شعر ہے۔اس میں روح معانی کاایجاز کے ساتھ اعجاز دکھایا گیاہے۔

افسوس کا مقام ہے ان کا ساراکلام زمانہ برد ہو چکاان کا ایک بیٹا جمال الدین بڑا قادرالکلام شاعر گزرا ہے۔اس کے علاوہ بہت سارے شعراء قعر گمنامی میں گم ہوئے۔

ادبی ٹولنہ

طاہر کلاچوی۔آثار نیازی۔اسد قریشی تینوں صاحب دیوان اور صاحب طرز شعراء تھے۔اتحاد ثلاثہ کے طور انہوں نے ادبی ٹولنہ کو تشکیل دی جس کے بہت سارے نامی گرامی شعراء رکن تھے۔بعضوں کے نام حافظہ کی بنیاد پر پیش کرتا ہوں جو اس انجمن کی مشاعروں میں اکثر شریک محفل ہوتے تھے۔استاد پیر غلام ویٰسین شاعر۔جمال الدین خان۔بہادر خان۔اصغر علی شاہ اصغر۔شریف خان نورنگ وال۔قاری حضرت گل۔دلباز خان۔قاضی حنیف اللہ روشان نیازی نگار۔خان میر نازداوڑ۔عمل خان سیاح۔مجذوب سورانی۔دلسوز۔حیران خٹک۔مطیع اللہ قریشی۔عبدالرحیم مجذوب۔صبح صادق۔عقاب خٹک۔درد۔تور شاہجہان خٹک۔عبدالحمید کامل نازک رشید دہقان۔مولوی بہادر خان۔اسلم خان مروت۔همراز۔سرور جان۔غلام غفار۔سیال۔عبداللہ شاہ لوہار۔سائل۔اسد قریشی۔آثار نیازی۔طاہر کلاچوی اور حمزہ شنواری وغیرہ اس گلدستہ ادب اور شعرو سخن کے مختلف النوع پھول تھے۔ اسد قریشی نے اکثر شعراء کا احاطہ نمونہ کلام کے ساتھ اسویلی گلونہ۔کے نام سے کتاب شائع کر کے کیا۔جس کا حرف اول راقم الحروف نے لکھاہے۔طاہر کاچوی کا پشتو دیوان (وِمینے غیگ) کے نام ے

شائع ہو چکا ہے۔ آثار نیازی بیقرار ہ مینہ کے خالق ہیں۔ طاہر کلاچوی دامن الفت کے مصنف ہیں۔ یہ اردو کا مجموعہ کلام ہے۔ نمونہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎ وہ آہیں جو ہلا سکتی ہیں قلب ما در فطرت
اگر سینے میں وہ آہیں اٹک جائیں تو کیا ہو گا
وہ آنسوؤں جنہیں بحر بیکراں ہونا بھی آتا ہے
اگر دامان مژ گاں سے ڈھلک جائیں تو کیا ہو گا
جنہیں سمجھے تھے میر کارواں اے کارواں والو
یہ منزل سے اگر پہلے بھٹک جائیں تو کیا ہو گا
جنہیں ہم انتہائے سادگی سے گل سمجھ بیٹھے
یہی گل خار بن کر گر کھٹک جائیں تو کیا ہو گا

محبوب حقیقی کی بے نیازی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

؎ واخو تہ چہ دھر چاغیگ کے اوسے
گنی نہ دستہ لانیقہ دھر چاغیگ

فیضان عام کا تقاضا ہے۔ ورنہ ایسے بھی لوگ ہیں جو لطف عمیم کے سزاوار نہیں ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

؎ دانستہ پڑا دام محبت میں ہوں طاہر
ورنہ در ہستی میں پڑے کام بہت ہیں

طاہر کلاچوی مرحوم کے کلام میں جذبات کی رنگینی اور خیالات کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ بڑے بے باک صاف گو شاعر کی طرح مخاطب ہیں۔

؎ کس سے انصاف کی امید کروں اے طاہر
آہ منصف ہے وہی جس پہ ہے دعویٰ مرا

طاہر کلاچوی مشاہدہ حق کی گفتگو کرتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

چہ ہلال ئے ځلق بولی ډاوبزئی دِ کوم جانان دے
دَروپی دِ پیسو ستوروپہ سادہ گریوان دِ چادر دے

طاہر کلاچوی کے ذوق نظر نے ہلال کو محبوب حقیقی کا زیور سمجھا۔ اور آسمان میں بکھرے ہوئے ستاروں کو محبوب حق کے چادر پر ٹکے ہوئے روپے دیکھا۔ اس چادر میں محبوب حق نے خود کو ڈھانپ رکھا ہے۔ آثار نیازی کا حال میں ایک نیا کلام مجموعہ "بیمگڑے دنیا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے اس تبصرہ میں اکثر مرحومین شعراء کا تذکرہ کیا ہے تاکہ وہ محروم وفا نہ رہے۔ زندوں کا تذکرہ مستقبل میں ہوتا رہے گا۔ ایک بار اسی ادبی ٹولے کی سرپرستی میں یوم ترویج پشتو منایا گیا۔ جس کے محرک دلباز خان داود شاہ مرحوم اور سرخیل محفل رشید تھے۔ یہ ۱۹۷۱ء کا واقعہ ہے اس محفل کے مہمان خصوصی ارباب خلیل صاحب تھے ان دنوں وہ صوبہ سرحد کے گورنر تھے راقم الحروف نے زبان پشتو کی اہمیت جتاتے ہوئے کہا کہ زبان پشتو ہماری پہچان صرف زبان کی حد تک نہیں ہے بلکہ پشتو ہماری غیرت اور ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے زبان پشتو اور ہماری ملی غیرت لازم و ملزوم ہیں یہ حیثیت اور یہ صلاحیت صرف اور صرف پشتو زبان کو حاصل ہے۔ ہم نے اسے غیرت اور ایمان سمجھا ہے۔ اگر کہا جائے کہ فلاں میں اردو نہیں ہے یا سندھی نہیں ہے یا گویا بلوچی نہیں ہے تو مفہوم صاف واضح ہے مگر یہ کہا جائے فلاں میں پشتو نہیں ہے تو سمجھا جائے گا کہ فلاں غیرت سے عاری ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ پشتو زبان میں زندہ رہنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے کاش ہم اس نکتہ کو سمجھ سکیں۔

ارباب خلیل صاحب میرے اس خیال اور اظہار حق سے جھوم اٹھے تھے اور اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے بڑے خوش بھی ہوئے تھے۔

میں نے اسی محفل میں ارباب صاحب سے گزارش کی تھی کہ ۵۰ سال گزرنے کو ہیں۔ قاضی فضل قادر شہید کو رہا کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کا مدفن آج بھی جیل میں ہے۔ میرا روئے سخن ان کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کرنے کے بارے میں تھا۔ مگر۔۔۔۔۔۔ میری حسرت آہ بن گئی۔

حمزہ شنواری۔ ایوب صابر۔ منتظر بھٹی اکثر نامی شعراء ہوں ادبی ٹولنہ کی سرپرستی میں منعقدہ
مشاعروں میں ذوق شوق سے حصہ لیتے رہے تھے۔ اسد قریشی طاہر کلاچوی اور آثار نیازی جب
اس بزم و محفل سے اٹھے تو یہ محفل بکھر گئی۔ ان کے ساتھ ادبی ٹولنہ بھی دفن ہوا البتہ ان
کے کلام کے کچھ حصے ایم اے کورس میں شامل ہیں۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

پنیڈا

یہ بھی ہمارے ثقافتی ورثہ کا اہم حصہ ہے یہ رواج شاید دیگر افغان قبائلوں میں کم ہی دیکھنے میں آیا
ہے سوائے کلاچی جو ضلع ڈی آئی خان کی ایک تحصیل ہے جہاں گنڈہ پور افغان قبیلہ
بستا ہے۔ پنڈے کو یہوں کے مقامی بولی میں صیبت (صحبت) کہتے ہیں۔ صحبت سے مراد ہم خیال
ہم نوالہ۔ ہم پیالہ چند جگری دوستوں کا ایک ہی بڑے برتن تھال میں اکٹھا کھانا ہوتا ہے ہوتا یوں
ہے کہ چند جگری ہم عمر دوست باہمی مشورہ کے طور بحصہ مساوی چندہ جمع کرتے ہیں اسی رقم
میں سے ایک مرغا۔ گویا مہا مرغ خرید کر ذبح کر لیا جاتا ہے اس میں خوب مرچ مصالحہ اور روغن
ڈالدیا جاتا ہے یہ سب دوست اپنے اپنے شعبہ میں معروف ہو جاتے ہیں کوئی پانی بھرتا ہے کوئی
جگہ صاف کرتا ہے کوئی آگ جلاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے دوست خود ہی سالن تیار کرتے
ہیں گاتے ہیں گپ شپ لگاتے ہیں ایک دوسرے کو محظوظ کرنے کے لئے لطائف اور غرائب
سناتے ہیں شکوے شکایات کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چوک کا یہ منظر بڑا دلآویز ہوتا ہے۔ اور بھلا
معلوم ہوتا ہے اسی ہنسی مذاق و گپ شپ کے دوران سالن تیار ہو جاتا ہے بعض اوقات شریک
محفل دوست کا گھر کافی مسافت پر ہوتا ہے تو بھی ضروری ہے کہ اپنے ہی گھر سے پکایا ہوا بڑا نان
لائے ورنہ رواج کی خلاف ورزی شمار کی جاتی ہے حصہ کی رقم نہ بھی دی جائے یہ اتنا ضروری

نہیں مگر اپنا اپنا نان لانا امر لازمی ہے۔ جب یہ مرحلہ سر ہو جائے تو سارے دوست حلقہ میں بیٹھ کر لائے ہوئے نان کو کشتہ کیا جاتا ہے اسی نان کشتہ کو بڑے تھال میں انڈیل دیا جاتا ہے اس پر اوپر سے سالن ڈالدیا جاتا ہے سالن اور کشتہ کو خوب آپس میں شیر و شکر کیا جاتا ہے اس پینڈے کو عربی لغت میں سرید کہتے ہیں۔ شاید عرب میں بھی یہ رواج ہو۔ دوران کھانا بعض دوست ایک دوسرے کہ منہ میں نوالہ بنا کر بھی دیتے ہیں جس میں ازراہ الفت گوشت بھی رکھا جاتا ہے مگر اس فعل میں کچھ قباحتیں بھی ہوتی ہیں بعض اوقات نوالہ حجم میں بڑا ہوتا ہے تو حلق میں پھنس بھی جاتا ہے اور اگر نوالہ کے بیچ میں کوئی ہڈی ہو تو معاملہ اور بھی دگرگوں ہو جاتا ہے حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ کسی غیر نے دوستوں کی اس محفل میں کسی یار غار کو خرید لیا اور نوالہ میں زہر دیدی گئی خیر معاشرہ مہذب ہو چکا ہے یہ فعل اب متروک ہو چکا ہے چوک اور حجرہ کی محفلیں اور رونقیں بھی بکھر چکی کیونکہ حجرہ کی جگہ بیٹھک نے لے لی اجتماعیت پر انفرادیت چھا گئی ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

فن پہلوانی

بازار احمد خان ویسے ضلع ہنگو کا مرکزی قصبہ کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر مردانہ کھیلوں اور بین الاقوامی شہرت کے حامل پہلوانوں کا بھی گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ ذیل کے پہلوان خاص نام اور مقام رکھتے تھے :۔

امیر گل شاہ پہلوان اور اس کے دو بھتیجے محمد شاہ پہلوان اور جمال شاہ پہلوان، میر صدام اور میر جان دونوں بھائی تھے۔ محبت پہلوان علی باز پہلوان خانائی حاجی گل، محمد خان المعروف متانی حاجی گل۔

چغہ

جب کسی گاوں بستی یا کسی بھی جگہ کسی فرد کو زدوکوب کیا جائے یا قتل کیا جائے یا اغوا ہو

جائے۔ توایسی صورت میں ازراہ انسانی ہمدردی متعلقہ دیہات یاآس پاس کے مقامی لوگ اس زیادتی کواجتماعی معاملہ تصور کرتے ہیں ماضی میں متعلقہ دیہات کو خبر گیری لے لئے ڈھول بجایا جاتا تھا مگر اب دیگر ذرایع سے کام لیا جاتا ہے اور دستگیری کے لئے سب لوگ اپنی اجتماعی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ اور مجرم کو پکڑ لیا جاتا ہے اسکی سرزنش کی جاتی ہے اور اب تو قانون کی عملداری ہے تو مجرم کو قانون کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ رواج مدتوں سے قائم ہے اور اب بھی قائم ودائم ہے۔

حال ہی میں ایک بنوی نہم کے طالب علم ہارون الرشید کو ایک باوردی کانسٹیبل (سپاہی ۹ نے دن دھاڑے قتل کر دیا اس معصوم طالب علم کے حق میں سارا بنوں سر ناپا احتجاج بنا عوام نے اشتعال میں آکر حکومتی اداروں اور عمارات کو کافی نقصان پہنچایا جو رد عمل کا فطری نتیجہ ہوا کرتا ہے سپاہی کو پھانسی ہوئی ہے کیس اب بھی زیر کار ہے مگر بعض افراد کو مختف دفعات کے تحت گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جو درجنوں پر محیط ہے حکومت وقت کو چاہیے کہ اس واقعہ کو خطرے کی ایک گھنٹی تصور کیا جائے اور پولیس کی اصلاح احوال کے ذرائع تلاش کئے جائیں کیونکہ پولیس اور پبلک کے درمیان فاصلے بڑھ چکے ہیں باہمی افہام و تفہیم کے لئے کچھ صورت نکال لی جائے۔ معاملہ عارضی طور پر سلجھ گیا ہے مگر آئندہ کے لئے بھی لائحہ عمل مرتب کرنا چاہئے ۔ یہ تاریخی واقعہ ماہ رمضان ۲۸ دسمبر ۱۹۹۸ کو پیش آیا تھا قاتل سپاہی سید رسول تھا۔

ٹینگہ

جو کام رفاہ عامہ یا مفاد عامہ سے تعلق رکھتا ہے اسے اجتماعی کوشش اور اشتراک عمل کے ذریعہ سرانجام دیا جاتا ہے یہ عمل بنوں میں قدیم سے رائج ہے یہ اپنی مدد آپ کی بہترین مثال ہوتی ہے مگر حکومت کے بعض اداروں کے قیام سے یہ جذبہ سرد مہری سے دوچار ہونے لگا ہے ایوب خان سابقہ صدر پاکستان نے اے ڈی بی ڈی (ADBD) کو وضع کر کے اسکے وسیلے سے حکومتی خرچ پر پل کے راستے پانی کی ٹینکی اور گلی وغیرہ کی تعمیر اور مرمت کا کام ہونے لگا جس سے

اشتراک عمل کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا اور عوام طفیلی بن گئی ہے میں ذاتی طور پر اس روش کے خلاف ہوں اب تو مسجدیں بھی عرب کے شیوخ تعمیر کروانے لگے ہیں جس سے ہمارا مزہبی جذبہ بھی بری طرح سے متاثر ہونے لگا ہے اور جس کی وجہ سے ہنویان دینی اور مزہبی فریضہ سے بھی سر تابی کرنے لگے ہیں اور عوام کو انفرادی اور اجتماعی ثواب سے محروم کیا جارہا ہے۔ میں چاہتا ہوں عوام خود احساس زمہ داری نبھائے۔ خاص طور پر مذہبی اور قومی امور کے سلسلے میں لیکن محسوس کرتا ہوں کہ بعض خفیہ ہاتھ مسلمانوں کو بالعموم اور افغان معاشرہ کو بالخصوص بے حس اور طفیلی بنانے کی سازش میں مصروف کار ہیں۔

ٹیگہ اس مجمع کو کہا جاتا تھا جو کسی ویال کی مرمت۔ صفائی۔ مسجد و چوک کی مرمت میں متعلقہ گاوں کی اجتماعی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی ہر مرد بالغ کی حاضری ضروری ہوتی تھی۔ اب بھی یہ سلسلہ بعض امور میں جاری ہے مگر بعض حوالوں سے متاثر ہوئی ہے آئندہ معلوم نہیں کیا صورت حال ہو گی کیونکہ جب ہر کام کے لئے عوام حکومت کی طرف دیکھنے لگے تو جذبہ خدمت اپنے پاوں پر خو کھڑا ہونے کی بجائے طفیلی زندگی اختیار کرنے جیسے مضر اثرات سرایت کر جاتے ہیں اور یہ قومی زوال کے اثار ہوتے ہیں

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کی بے زری سے نہیں

شہ شپئی اشب شہود

یہ ہنوں کا خاص ثقافتی حصہ ہے۔ ویسے عیدین سے ایک رات قبل بڑا الاو تیار کیا جاتا ہے مگر خاص طور پر آگ روشن کرنے کی یہ رسم عید الفطر کی رات کو انجام دیا جاتا ہے۔ شہ شپئی بمعنی بہترین اور مبارک رات کے ہیں یہ رواج شاید ہنوں [illegible] جاتا ہے [illegible] الاو کے

عید سے پہلے مہینہ بھر لڑکے اور لڑکیاں ایندھن جمع کرتی ہیں رمضان کا پورا مہینہ اسی تگ ودو میں گزر جاتا ہے چھوٹے بچے اپنے اپنے گھروں سے روز کچھ نہ کچھ لکڑیاں ایندھن لاتے ہیں اور اس عمل میں بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ یہاں تک جب والدین یا گاؤں کے لوگ معترض ہوتے ہیں تو چوری چھپے لکڑیاں ایندھن اوپلے جمع کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے بعض بچے گروہ میں بعض افراد کے پاس گھروں میں جاکر چندہ بھی جمع کرتے ہیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کا چھتہ اور یہ الاو آس پاس کے دیگر الاوں کے مقابلے میں بڑا اور نمایاں ہو آخری شب یعنی شب عید کو اس چھتہ کو روشن کیا جاتا ہے اسے آگ دکھا کر روشن کیا جاتا ہے سارا چھتہ آتش گیر ہو جاتا ہے جوں جوں چھتے سے شعلے اوپر اٹھتے ہیں بچے خوشی سے پھولے نہیں سماتے ان کے دل بلیاں اچھلتے ہیں لڑکے اس الاو کا طواف کرتے ہیں خوشی سے پھدکتے اور کھودتے ہیں ناچتے ہیں شور مچاتے ہیں یہ سلسلہ رات بھر چلتا ہے اور خدا خدا کر کے صبح کاذب کو یہ شوروغل ختم جاتا ہے یہ رسم قدیم سے چلی آرہی ہے گاوں کے بڑے بوڑھے بھی برابر لڑکوں کو ترغیب دلاتے ہیں تاکہ شہ شپئی کے لئے زیادہ سے زیادہ ایندھن جمع کر کے اپنے ہم چشموں سے بازی لے سکیں۔

سنتی (ختنہ)

لڑکپن کے آغاز سے پہلے مردانہ بچے کا ختنہ کروانا ضروری ہوتا ہے مگر دیہاتوں میں یہ رسم مقامی حجاموں سے کرائی جاتی ہے ختنہ کا اپریشن ایک نازک مرحلہ ہوتا ہے جس سے بعض اوقات بچے کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے مگر جہل کی حکمرانی کے باعث ختنہ کو ایک معمول اور معمولی کاروائی سمجھی جاتی ہے لوگ بچے کو دیسی چوکی۔ کرسی۔ چارپائی پر بٹھا کر اسکی توجہ کسی اور طرف مبذول کرائی جاتی ہے اور پھر یکبارگی اس کے عضو تناسل کا معمولی حصہ کاٹ لیا جاتا ہے بعض اوقات بچے کی مداخلت سے معاملہ دگرگوں بھی ہو جاتا ہے اور بچہ جان بچا کر بھاگ جاتا ہے پھر اسے زبردستی پکڑ کر دوبارہ عمل جراحی کے لئے بٹھایا جاتا ہے یہ بڑا جان جوکھوں اور جان لیوا

مرحلہ ہوتا ہے عمل جراحی کے بعد زخم سے خون بسیار کو مزید ضائع اور بہ جانے سے روکنے کے
لئے زخم پر راکھ ڈالا جاتا ہے۔ اور بس یہی اس کا آخری علاج ہے پھر دن میں کئی بار زخم پر تیل یا
گرم دیسی گھی ڈالا جاتا ہے اگر زخم خراب ہو جائے تب جا کر بعض لوگوں کے اصرار پر بچے کو کسی
معالج کے پاس لایا جاتا ہے۔ ورنہ گھر ہی میں۔۔۔ ہاں۔۔۔ مگر جو والدین تعلیم یافتہ ہوتے ہیں وہ
بچوں کا ختنہ ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر سے کراتے ہیں۔ بچے کو نشہ دلا کر بغیر کسی تکلیف کے ختنہ
کرلیا جاتا ہے۔ جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حجام کے ہاتھ میں برکت و دعا ہوتی ہے معلوم نہیں
یہ برکت یا یہ دعا کس غیبی قوت کا کرشمہ ہے۔

مسجد کے تالاب

تالاب بنویان کی ثقافتی ورثہ کی قدیم نشانی ہے اب تو خیر سے ہر مسجد کے ساتھ ایک ملحقہ ٹینکی
نظر آنے لگی ہے مگر حوض اور تالاب اب بھی بعض مساجد کے ملحقہ حصہ میں پائے جاتے ہیں۔
پانی کا رنگ و بو بدل بھی جائے تو بھی اسے دعا و برکت سمجھا جاتا ہے اسی حوض میں استنجا بھی کرتے
ہیں نہاتے ہیں صابن کا میلا پانی برابر حوض میں جا کر جمع ہوتا رہتا ہے کچھ عرصے بعد حوض کا پانی
اپنا رنگ۔ ذائقہ اتنا بدل دیتا ہے کہ اب یہ قابل استعمال نہیں رہتا مگر پھر بھی بعض لوگ اسے
مجبوری کے طور پر نہیں بلکہ دعا اور تبرک کے طور استعمال کرتے ہی کہا جاتا ہے اس میں دعا
شامل ہے معلوم نہیں کس کی دعا شامل حال ہے۔ مسجد کا یہ حوض جسے حوض کوثر خیال کیا جاتا
ہے اکثر بیماریوں کی آماجگاہ ہوتا ہے منہ کی بیشتر بیماریاں اسی پانی کی برکت سے پیدا ہوتی ہیں منہ
سے بدبو آنے لگتی ہے دانت وقت سے پہلے اکھڑ جاتے ہیں۔ بینائی چلی جاتی ہے مگر ہم ہیں اور آب
حوض جسے اکثر دیہاتی لوگ دعا اور برکت سمجھتے ہیں۔ یہی حوض مچھروں کی بہترین افزائش گاہ
بھی ہوتا ہے۔

خندق

اکثر بڑے اور قدیم دیہات کے ارد گرد بڑی بڑی کشادہ وسیع و عریض خندقیں ہوتی ہیں جن میں برسات کے موسم میں بارش کا پانی جمع ہو کر کھڑا رہتا ہے اب تو ہر گھر میں ٹیوب ویلوں کا پانی پائپوں کے ذریعہ پہنچ چکا ہے تالاب اور ندی نالے کا پانی کم استعمال ہونے لگا ہے مگر اضافی پانی ہر گھر سے باہر آکر اس گڑھے یا خندق میں جمع ہو جاتا ہے جس مے بدبو پیدا ہوتی ہے اور مچھروں کی افزائش کا بہترین گڑھ بن گیا ہے۔ دیہاتیوں کو چاہیئے ان کی فصیلیں جب منہدم ہو چکی ہیں زمانہ روبہ ترقی ہے معاشرہ مہذب ہوا چاہتا ہے اب یہ خندقیں بھی غائب ہو جانی چاہیے۔ اور ان کے بھرانے کا کوئی سبیل نکال دیا جائے تاکہ بنوں کے باسیوں کی صحت عامہ پر مثبت اثرات مرتب ہوں تعجب ہے کہ ڈسٹرکٹ کونسل کا شعبہ صحت عامہ اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتا۔

توہم پرستی

توہم پرستی ہر قوم ہر نسل اور ہر مذہب میں کسی حد تک پائی جاتی ہے مگر فرق یہ ہے ماضی میں توہم پرستی زیادہ تھی اور ہر انسان کے اعصاب پر سوار تھی کیونکہ یہ جہل کی پیداوار ہوتی ہے مگر اب انسان جہل کی تاریکی سے نکل کر علم کی روشنی سے ہم کنار ہو چکا ہے جس سے توہم پرستی کی جڑ کٹ چکی۔ مگر اب بھی جہاں جہاں جہل کی فراوانی ہے وہاں توہم پرستی کی حکمرانی ہے افغان معاشرہ کی اکثریت اب بھی جہالت میں ٹامک ٹوئیاں لے رہی ہے اس حوالہ سے بنوں بھی توہم پرستی کا ماضی میں شکار رہا۔ اور اب بھی توہم پرستی کے اثرات ہر شعبہ حیات میں پائے جاتے ہیں ۔ توہم پرستی کے باب میں ایڈورڈز جو بنوں کا نگران اعلیٰ رہا ہے ۸۔۱۸۴۷ء کا تبصرہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کا تبصرہ صفحہ ۲۷ پر دنیا بھر میں بنویان جیسا توہم پرست اور خالص اجڈ جاہل لوگ کہیں نہیں ملیں گے۔ ان کے نزدیک جتنا غلیظ اور میلا شخص ہو وہی ولی کہلائے اور خدارسیدہ بزرگ۔ کوئی فقیر پھٹے پرانے کپڑے پہنے نیم برہنہ ہو

خوب فربہ ہو مجذوب ہو فاطر العقل ہو ان کے نزدیک ولی اور صاحب کشف و کرامات ہوتا ہے
جو کوئی بنویان کے سامنے بے معنی مہمل الفاظ کہے جو ان کی سمجھ میں نہ آئے وہ ان کے نزدیک
الہامی کلام گردانا جاتا ہے اس طرح ہر بک بک کہنے والا بھونڈا اور مکار شعبدہ باز۔ لیکچرباز
عطائی اور فریبی شخص صاحب ولایت سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کا بظاہر شریف آدمی پرلے درجے
کا بد معاش مکار اور منافق ہوتا ہے وہ خود کو جنت کا ٹھیکدار گردانتا ہے۔ بنویان ایسے اشخاص کے
شکار ہوتے ہیں ان کے سامنے بے بس اور بے حس ہوتے ہیں اور انہیں کے رحم و کرم پر ہوتے
ہیں جہاں لاش ہو وہاں گدھ پائے ہی جاتے ہیں۔ یہ لوگ آس پاس قرب و جوار کے بنجر اور خشک
پہاڈوں سے اتر کر اس شاداب آباد وادی میں آباد ہو چکے ہیں انہیں سامان آسائش حاصل ہے۔ اور
خوب مزے لوٹ رہے ہیں۔ اس طبقے کے پاس دو حربے ہیں۔ ایک عینک دوسری تسبیح۔ یہ ان
کے لئے زر بکتری ہیں اور اوزار حرب بھی یہ لوگ حکمی تعویز گنڈے کرتے ہیں۔ جس کی اجرت
حسب ارشاد ہوتی ہے۔ جو جی میں آئے کہلائے فوراً پورا ہو ان تسبیح۔ عینک اور مکارانہ نگاہ ان کا
سامان مدافعت ہے۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والا (ولی) بنویان کے لئے سینٹ پیٹر ہوتا ہے۔
جس کے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی ہے اگر کوئی نام نہاد سید زادہ فقیر ناراض ہو تو سمجھو خدا کی
طرف سے لعنت کا سزاوار ہو چکا اور عذاب الہی کا حقدار ہوا۔
بنویان دشمن کی گولی اور تلوار سے اتنے خائف نہیں ہوتے جتنے کہ وہ ان کی بد دعا سے۔ بنویان
خون ناحق کو سرخ پانی سمجھتے ہیں وہ خون ارزان کے خوگر ہیں۔ سر گردن سے اڑا دینا ان کے
نزدیک مباح ہے۔ ایک کھیل ہے تماشہ ہے جرات اظہار کا زریعہ ہے یہ فقیر سادھو لوگ ہمیشہ
تلوار بکف ہوتے ہیں جو بھی اس کے حکم سے سرتابی کرے اس کے حق میں بد دعا دیتے ہیں۔
پھر تو وہ جان و جہان سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کا مدعا پورا نہ کیا جائے تو وہ مسول (جس سے
سوال کیا گیا) کے چوکھٹ پر تھوکے گا جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب پیغمبر خدا نے اس
کی روح پر سیاہ دھبہ لگا گیا ہے گویا دونوں جہان میں ذلیل و خوار رہے گا ایسا بارہا ہوا کہ کسی نام نہاد
پیر فقیر کو کسی بنوی کی زمین پسند آگئی وہ اس زمین کے درپے ہوا بنوی بیچارا اپنے اس قطعہ اراضی

سے دست بردار ہونے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔
ہر ہوی ان نام نہاد پیروں فقیروں کے سامنے سرنگوں اور دوزانو ہوتا ہے ان کے ہر فرمائش کو بے چوں وچارا تسلیم کیا جاتا ہے معاملہ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ کابل کے کمزور حکمران ہویان سے لگان کی وصولی کے لئے ایسے ولیوں کی خدمات حاصل کرتے رہے ہیں توہم پرستی کی لعنت ہندو میں وزیر ہویان کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ توہم پرستی کے حوالہ سے ڈاکٹر پینل ایک واقعہ بتاتے ہیں۔ کہ وزیر کے کسی قبیلہ سے ان کا گزر ہوا اس قبیلہ کے بعض افراد نے چند لحہ پہلے ایک نیک سیرت بزرگ کو ناکردہ گناہ کے باعث شہید کر دیا تھا ڈاکٹر کے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کو بھی دیگر قبائل کی طرح ایک زیارت گاہ کی تلاشش تھی چنانچہ زیارت گاہ کی غرض سے ایک بے گناہ کی جان لے لی گئی مردہ پرستی اور قبر پرستی کی مختلف شکلیں ہیں جو شرک کے مترادف ہیں راقم الحروف کو ایک بیر کا درخت معلوم ہے جہاں لوگ ملیریا بخار سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس بیر کا درخت سے رجوع کرتے تھے۔ وہاں خشک روئی کا ٹکڑا اور سلگا ہوا اوپلہ بھی رکھ دیتے پھر منہ موڑے بغیر بیمار واپس گاوں کو مراجعت کرتا۔ گویا ملیریا سے گلو خلاصی کا یہ ایک زریعہ تھا۔ اب تو خیر سے وہ درخت آگ سلگانے سے خشک ہو گیا ہے۔ اور پھر جل کر راکھ ہوا۔ ایسے بہت سے زیارت گاہیں ہیں جو بعض بیماریوں کے لئے ایکسپرٹ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہمارے علما کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ شرک کی یہ مختلف شکلیں مسجد و محراب کے زیعہ عوام کو بتائیں اور انہیں ترک کروائیں۔ زمانہ حال میں اس بدعت نے مضبوط ادارے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ بعض سجادہ نشین خدا تک رسائی کے لئے خود کو ایک زریعہ سمجھتے ہیں اور ہر علم اور روشنی کی مخالفت کرتے ہیں بعض سجادہ نشین تو تبلیغ تک کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اگر زہن و قلب میں اسلام کا صحیح اثر اور تصور نفوز کر جائے تو پھر خدا اور بندے کے درمیان حائل رکاوٹیں اور پردے مٹ جاتے ہیں ہٹ جاتے ہیں اور کٹ جاتے ہیں۔

بقول اقبال۔ اسلام کو ہم نے خود ہی اپنی کم فہمی اور کج فہمی کے باعث طفیلی اور عسابیت کا ہم رکاب وہم رنگ بنادیا ہے۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے نکال لو

سگ گزیدہ

یہ ایک بیماری ہے جو باولے کتے کے کاٹے سے لاحق ہو جاتی ہے ہائڈروفوبیا یونانی لفظ کی ترکیب ہے ہائیڈرو۔ یعنی پانی اور فوبیا۔ خوف کو کہتے ہیں بقول غالب۔ جیسے سگ گزیدہ انسان پانی سے ڈرتا ہے اس طرح میں انسانوں سے خائف ہوں۔ کہ میں بھی تو مردم گزیدہ ہوں گویا انسان کا ڈسا ہوا ہوں۔ باولے کتے کے کاٹے کا علاج ہمارے ہاں بلا تمیز علم و جہل تعویز اور دم درود میں مضمر ہے۔ اس دم درود کے لئے کامل معالج مندوری کلہ کے سید زادے بتائے جاتے ہیں وہ خشک روئی کو دم کر کے مریض کو کھلا دیتے ہیں۔ مریض کو اس خاندان کے کسی بزرگ کے پاوں تلے گزارا جاتا ہے۔ مزید مریض کو ۴۰ دن تک تنگ و تاریک کمرے میں بند کیا جاتا ہے جو کسی عقوبت خانہ سے کم نہیں ہوتا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں مریض کو کسی کوزے کے ذریعہ پانی پلایا جاتا ہے کوزہ آج کل نایاب شے بن گئی ہے کیونکہ کوزہ کا استعمال اب تقریباً متروک ہو چکا ہے۔ اس کے بدلے بدنی اور دیگر ظروف نے لے لی ہے۔ جس میں پانی نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ ستم مشق چالیس دن تک رہتا ہے اگر کسی طور مریض کو ہائیڈروفوبیا لاحق ہو جائے تو کہا جاتا ہے احتیاط میں فرق آچکا ہوگا یا مریض کا عقیدہ خراب تھا ورنہ ان کا دم درود تیر بہدف ہوتا ہے بہت کم لوگ ہسپتال سے رجوع کرتے ہیں ہسپتالوں میں اس بیماری سے بچنے کے لئے جو ویکسین یعنی اینٹی ریبیز زدستیاب ہیں ان سے بہت کم لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ پڑھے

کچھ لوگ بھی ہسپتال جانے سے کتراتے ہیں اگر جائیں گے بھی تو مندوری جانا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا دم درود پر یقین زیادہ ہے اور دوائی پر کم۔ توہم پرستی کا اگر کوئی علاج ہے تو تعلیم کی فراوانی اور اسلام سے لگاؤ اور قربت ہے۔

مار گزیدہ

بنوں کی بیشتر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ جہاں کثرت آب کی وجہ سے زرعی اراضی کے علاوہ خودرو جھاڑی بوٹیاں کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جہاں وحوش۔ چرند پرند۔ کیڑے مکوڑے سانپ۔ بچھو کی عملداری ہے۔ خاص طور پر بنوں میں سانپ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جن میں بعض نہایت زہریلے ہوتے ہیں بعض کم زہریلے ہوتے ہیں۔ اور بعض غیر زہریلے۔ رات کے وقت جب مزارعین اپنے کھیتوں کی سیرابی کرتے ہیں۔ تو ان سانپوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ جن کے ڈسنے سے اکثر مار گزیدہ ہسپتال کا رخ ہی نہیں کرتا۔ ورنہ آج کل اینٹی وینس انجکشن ملتے ہیں جو تیر بہدف ہوتے ہیں گویا تریاق کا کام دیتے ہیں اور یہ مقولہ بنویان کاشتکاروں پر صادق آتا ہے کہ

چوں تریاق از عراق آوردہ شود

مار گزیدہ و مردہ شود

بنویان ہسپتالوں سے دور بھاگتے ہیں ان کا عقیدہ (سپیرا یعنی پاڑی گر) پر زیادہ ہوتا ہے جو انسانی جسم سے سانپ کا زہر عمل کشید کے ذریعے کھینچ لیتا ہے۔ ان کے پاس دارو کی بجائے دم درود ہوتا ہے وہ اس فن کشید زہر کاری میں بڑے ماہر اور کامل سمجھے جاتے ہیں اگر خدانخواستہ کوئی مار گزیدہ دم درود کے باوجود دم توڑ جائے تو اس کے لئے دم کرنے والے کے پاس بہت سارے حیلے بہانے ہوتے ہیں یعنی مریض کو تاخیر کے بعد دم کے لئے لایا گیا یا دم کرنے میں تاخیر

ہوئی ہے یا سانپ خطرناک حد تک زہریلا تھا۔ جو دم درود سے رام نہ ہو سکا۔ گویا سانپ مسلمان نہ تھا یہ تو نرا کافر نکلا بعض اوقات اسے جن پروت کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے گویا۔ خوئے بدرا بہانے بسیار والا معاملہ ہوتا ہے اس فعل جہل کو ایک واقعہ سے شاید سمجھا سکوں حال ہی میں ایک بار بھوں ہسپتال میں ایک سانپ گزیدہ مریض کو لایا گیا مریض بالکل بے دم بے حس اور بیہوش تھا۔ ڈاکٹروں نے فوراً متعلقہ علاج شروع کیا اسے اینٹی وینس انجکشن لگادی کچھ زہریلا خون نکالا گیا اور اسکی جگہ تازہ خون داخل کیا گیا ابھی یہ علاج مکمل نہیں ہوا تھا مریض ہوش میں آیا۔ اور ڈاکٹر لوگ خوش ہوئے کہ ان کا علاج اپنا اثر دکھانے لگا ہے۔ ابھی تھوڑی مقدار میں تازہ خون داخل ہونا باقی تھا کہ اسی اثناء مریض کے ورثاء بمع ایک ماہر سپیرا اندر داخل ہوئے سپیرا نے آتے ہی کہا کہ یہ سرکاری انگریزی اور کافرانہ علاج فوراً منقطع کیا جائے ورنہ میں تو گیا ڈاکٹروں کی اصرار کے باوجود مریض کو اس سپیرا کے حوالہ کیا گیا مریض کو اپنے گاؤں لے جایا گیا جہاں اس کا دیسی طریقے سے علاج شروع ہوا اور زہر کشید کا عمل بھی جاری ہوا دم درود اس کے سوارات گئے مریض پر پھر غنودگی طاری ہو گئی چند لمحے بعد مریض خالق حقیقی سے جاملا اسے دوبارہ ہسپتال لایا گیا ماہر سپیرا روپوش ہوا۔ ڈاکٹروں نے مریض کو مردہ بتادیا واقعی اب وہ تاریخ کا حصہ بن چکا تھا۔ کہا جانے لگا مریض کی مدت حیات ختم ہو چکی تھی خدا کی مرضی ورنہ سپیرا تو اپنے وقت کا لقمان ثانی تھا یہ ڈاکٹر لوگ بھی عجب مخلوق ہیں۔ کیا وہ ہماری زندگی کے ضامن ہیں۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔ اس میں سپیرا کا کیا قصور۔

عجائبات بازار احمد خان

بازار احمد خان کی چند اہم خصوصیات۔

ماضی بعید میں بازار احمد خان کو مرکزی حیثیت حاصل تھی یہ قصبہ بھوں کا پایہ تخت سمجھا جاتا تھا یہاں ہر جمعہ کو میلہ لگتا تھا بھوں بھر سے اور دیگر پڑوس قبائل سے کافی لوگ خرید و فروخت کے لئے یہاں آتے تھے۔ یہاں بہت ساری دوکانیں تھیں جن کے مالک ہندو بنیئے ہوتے تھے۔

سلطان ہاتھ میں ترازو پکڑنے سے کتراتے تھے اور اسے اپنی شان یعنی غیرت کے منافی سمجھتے تھے۔ بازار احمد خان کو ان دنوں صرف بازار کہا جاتا تھا۔ جب شہر بنوں تعمیر ہوا یعنی فروری ۱۸۴۸ء تو بازار احمد خان کی حیثیت کسی قدر متاثر ہوئی اور اسے کم بازار کہا جانے لگا مگر پھر بھی بعض حوالوں سے بازار احمد خان کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

بنویان کے وار کونسل war council کا مشیر خاص قاضی قسیم تھا جو بازار احمد خان کا باسی تھا یہ تمام بنویان کی طرف سے ترجمان بھی تھا بازار احمد خان میں تین یا چار مزارات اور دھرم شالے تھے جو ہندوؤں کی مذہبی سرگرمیوں کے لئے مخصوص تھیں۔ یہاں بازار احمد خان میں ہندوؤں کا ایک تیر تھ یعنی استھان بھی تھا جسے مقامی آبادی (جوگی) کہتے تھے اس کے کھنڈرات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ضلع بھر سے تمام ہندو اسکی زیارت کے لئے ہر اتوار کو اس تیر تھ میں جمع ہو جاتے تھے اس تیر تھ کا مذہبی پیشوا جوگی کہلاتا تھا۔ سنا ہے وہ زندگی بھر شادی نہ کرتا اور اسے بڑے احترام اور اکرام سے دیکھا جاتا تھا۔

۲۔ تور گوند کی سرداری بازار احمد خان کو حاصل تھی اس گوند کا سرگروہ ملک دکش خان شاہ بزرگ خیل تھا جبکہ سپین گند کا سردار سینی خان مغل خیل ہوا کرتا تھا۔ ایک زمانے میں دونوں گوندوں کی سرداری ملک دکس خان کو ملی اور خوزڑی (خوجڑی) کے مقام پر نواب ڈیرہ کے فوجوں کو تاریخی شکست دیدی گئی تھی اس جنگ کا سالار اعظم بھی ملک دکس خان تھا۔ آئندہ کے لئے کسی بھی نواب کو بنوں سے خراج وصول کرنے کی ہمت نہ ہوئی ملک دکس خان نے ایڈورڈز کی آمد سے ذرا قبل وفات پائی اور ان کی جگہ ملک دکس خانکی وفات کے بعد تور گوند کا سردار ملک درب خان بنا مگر ایڈورڈز کے ایک فرمان کے بموجب ملک کا تعلق عوام کی بجائے حکومت وقت سے جوڑا گیا اور اس طرح ملکوں کو عوام کی پشت پناہی اور حمایت سے محروم کر دیا گیا۔ ملک درب خان کی اولاد میں نمائندہ شخص ملک دمساز خان تھے جبکہ لال باز خان کی اولاد میں ملک تاج علی خان تھے بنویان میں صرف لال باز خان کی اولاد کو خان بہادری کا خطاب ملا تھا جو بازار احمد خان کے باسی تھے۔

برڑھ کا درخت

یہ عظیم الجثہ درخت ہے اپنے قامت وقدامت کے اعتبار سے باعث توجہ ہے اس کا سایہ پھیلا ہوا اور بہت گھنا ہے ماضی میں یہ درخت طاؤس مرغوں کا محبوب آماجگاہ رہا ہے اب بھی ہزاروں پرندوں کا مسکن و ملجا ہے اس کے علاوہ بڑے بڑے دیو قامت پیپل کے درخت بھی ہیں ایک پیپل کو جنوزے پیپل اور دوسرے کو لگڑ خیل پیتل کہتے ہیں اپنی عظمت اور قامت میں بے مثل ہیں۔

کیم

یہ قد آدم کے برابر عظیم الجثہ باز نسل کا گدھ نما پرندہ ہوتا تھا جسے پالتو بنایا گیا تھا۔ لوگوں سے مانوس ہو چکا تھا آزاد پرندہ تھا خاص اور مقررہ اوقات میں اچانک فضائے بسیط سے گویا عرش سے فرش پر نشین ہو جاتا اپنے ہم انیس اور ہم جلیس نشئی انسان دوستوں کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو جاتا اور روز مقررہ وقت پر بھنگ پیتا تھا۔ پھر مقررہ حصہ کا گوشت مقامی قصاب کے ذریعے اسے مہیا کیا جاتا تھا اور پھر اڑ جاتا یہ اس کا معمول تھا وہ کبھی بھی مردار کا گوشت نہیں کھاتا تھا۔ ایک دن خان ملنگ نے اس پرندے کو بوسیدہ لاش کو نوچتے ہوئے دیکھا تو مضطرب ہوا لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا دیکھئے قیامت کی نشانی ہے آج کیم بھی حرام گوشت کھاتے ہوئے دیکھا گیا اب ہر کس و ناکس حرام خور بن چکا ہے۔ خان ملنگ نے اسے تازہ گوشت کھلانا بند کر دیا اور کیم بھی روٹھ گیا

؎ وہ جو روٹھے یوں منانا چاہئے　　زندگی سے روٹھ جانا چاہئے

خدا مغفرت کرے عجب آزاد پرندہ تھا کچھ عرصہ بعد خان ملنگ بھی مرحوم ہوئے۔

مقبرہ اخوند شیر محمد بنوی

ہر شب جمعرات مرجع خلایق رہتا ہے اندرون اور بیرون ہون اس کی زیارت پر بطور تبرک عوام و خواص حاضری دیتے ہیں۔ خوند شیر محمد بنوی بہت بڑے جید عالم دین فقیہہ اور قاضی وقت تھے وہ اپنے وقت کے مفتی اعظم تصور کئے جاتے تھے متعدد قلمی نسخے ان کی طرف منسوب ہیں ان کی ایک زاتی چارپائی اب بھی بطور تقدس خانوادہ پروفیسر ہدایت اللہ خان سابق ناظم تعلیمات کے پاس محفوظ ہے جس پر کوئی بھی سونے کا روادار نہیں اخون شیر محمد بنوی کا جد امجد مفقود مخبر ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ سید زادہ ہیں ہدایہ جو فقہ کی مستند کتاب ہے اس پر انہوں نے حواشی لکھی تھی۔ ان کا کرسی نامہ محکمہ مال کے ریکارڈ میں محفوظ ہے ان کی اولاد میں نمائیندہ شخصیتیں مندرجہ زیل ہیں۔

عالی حضرت سید کبیر شاہ۔ سید خمار شاہ میر سعید جی۔ پیر علی باز شاہ پیر اختر علی شاہ ایڈکیٹ۔ سید علیشاہ کنٹرکرو۔ پیر سید عباس شاہ سابق سینٹر۔ س بقہ ممبر قومی اسمبلی جو بقید حیات ہیں۔ آج کل سیاسی الجھنوں سے کھیل رہے ہیں گویا دو چار ہیں۔

مقبرہ خلیل نیکہ

خلیل نیکہ میاں خیل نسل افغان سے تعلق رکھتے ہیں میاں خیل بی بی ماتو زوجہ شاہ حسین کے حوالہ سے پانچویں پشت سے ہیں۔ یہ خدار سیدہ بزرگ گزرے ہیں ان کا ادیرہ مرجع خلائق رہتاہے یہاں جمعرات کی شب کو شب برات کا سماں رہاتا ہے۔ یہاں بلند وبالا شیشم کے درخت ایستادہ ہیں مگر سب خشک کسی کو کیا مجال کہ ان خشک درختوں سے کوئی ٹہنی تک کاٹ لے۔ اس خاندان میں نمائندہ شخصیتیں ماسٹر نور ولی جان بڑے زہین اور مدبر انسان تھے حال ہی میں وفات پائی ان کا ایک بھتیجا ماسٹر عمر اللہ جان ہیں بڑے شستہ اخلاق کے مالک ہیں سماجی خدمت میں مستعد رہتے ہیں جو بقید حیات ہیں۔ خلیل نیکہ اپنے ہی زمین میں مدفون ہیں۔
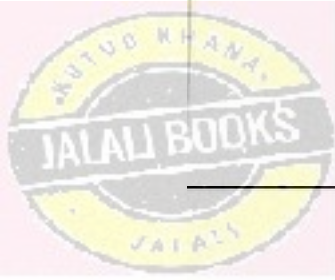
	قوم سئید
میانخیل	
خلیل (نیکہ) میانخیل	کرسی نامہ اخوند شیر محمد سئید
خلیل	شیر محمد نیکہ
عیسیٰ خان	منظر
محمد گل	نظر
نظر گل	خان گل
ابرار گل و میر ولی جان ماسٹر	عظیم شاہ
عمر اللہ جان و فیاض علی وغیرہ	سیئد کبیر شاہ۔ خمار شاہ۔ میر سعید شاہ۔ پیر علی باد شاہ۔ اختر علی شاہ۔ جلال شاہ۔ کمال شاہ۔ فاروق شاہ۔ سید عباس شاہ وغیرہ

شجرہ خلیل نیکہ

خلیل نیکہ میاں خیل ہیں بہادر زن خیل وبابرک خیل اور بیری خیل برادران اور پسران میاں خیل پسر سکندر خیل پسر چیٹ پسر منڈان پسر سیمی پسر کیوی پسر شیتک۔ پسر خلیل (نیکہ) پسر عیسیٰ پسر محمد گل پسر نظر گل پسر ان برادران و پسران امیر گل و میر ولی جان

سر زمین بنوں کا کینسر

علاقہ میریان جو کسی زمانے میں مقابلتاً آباد سر سبز اور شاداب سمجھا جاتا تھا اور اس لحاظ سے زیادہ گنجان آباد بھی رہا ہے مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ علاقہ نہایت تیزی کے ساتھ روبہ

زوال۔ بنجر اور مائل بہ پستی ہے کسی زمانے میں اسے بنوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اس علاقے میں صنعتی مراکز ہوا کرتے تھے یہاں شہر آگرہ آباد تھا لیوان درئی ڈریز تاریخی مراکز رہے ہیں مگر اب شاید اس علاقے سے فطرت روٹھ چکی حکومت ماضیہ اور حال نے اسے در خور اعتناء نہ سمجھا اور نہایت عسرت اور غربت کے گڑھے میں اسے دھکیل دیا گیا اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اس علاقہ کی بیشتر قیمتی اراضی سیم و تھور کی نذر ہو چکی ہے بیشتر آبادیاں برباد اور سنسان ہو چکی ہیں۔ اور ہو رہی ہیں حکومت وقت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس علاقے کو سیم و تھور جیسے موذی کینسر کے حوالہ نہ چھوڑے اور اس کا فوری مداوا کر کے یہیں بے شمار ٹیوب ویل نصب کرائے اور یہی اس کا علاج ہے۔

بسلسہ امتیازی خصوصیات "سرے مونڑے"

(سروں کا مینار)

بازار احمد خان میں بوجہ کری کے مقام پر سکھوں اور بنویان کے مابین خون آشام معرکہ کشت و خون ہوا اس واقعہ روح فرسا میدان کربلا کی یاد تازہ کر دی ۱۸۲۴ء اور ۱۸۴۴ء کے درمیانی عرصے کی بات ہے جبکہ بنویان پر سکھوں نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا وہ وقت عصر کو گھروں میں گھس کر یہ دیکھتے کسی نے گوشت نہیں پکایا ذبیحہ پر سخت پابندی تھی جسکی پاداش میں آبادی کی آبادی صفحہ ہستی سے مٹایا جاتا تھا۔ بنویان اور سکھوں کے مابین کئی خونی معرکے ہوئے سرے مونڑے بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے سکھ سپاہ پوری تیاری کے ساتھ بنویان پر حملہ زن ہوئی بنویان نے بے جگری سے مقابلہ کیا مگر وہ غیر منظم اور غیر مسلح تھے سکھوں کے پاس توپ خانہ اسلحہ رسالہ ہر قسم کا سامان حرب موجود تھا لہذا اس خونی معرکہ میں بنویان نے زبردست جانی نقصان اٹھایا کافی سکھ بھی مارے گئے بہر حال عبرت کے طور پر سکھوں نے مسلمان شہدا کے سروں سے ایک مینار ایستادہ کیا جن پر ایک مقامی شخص مستری بابری گل نیازی
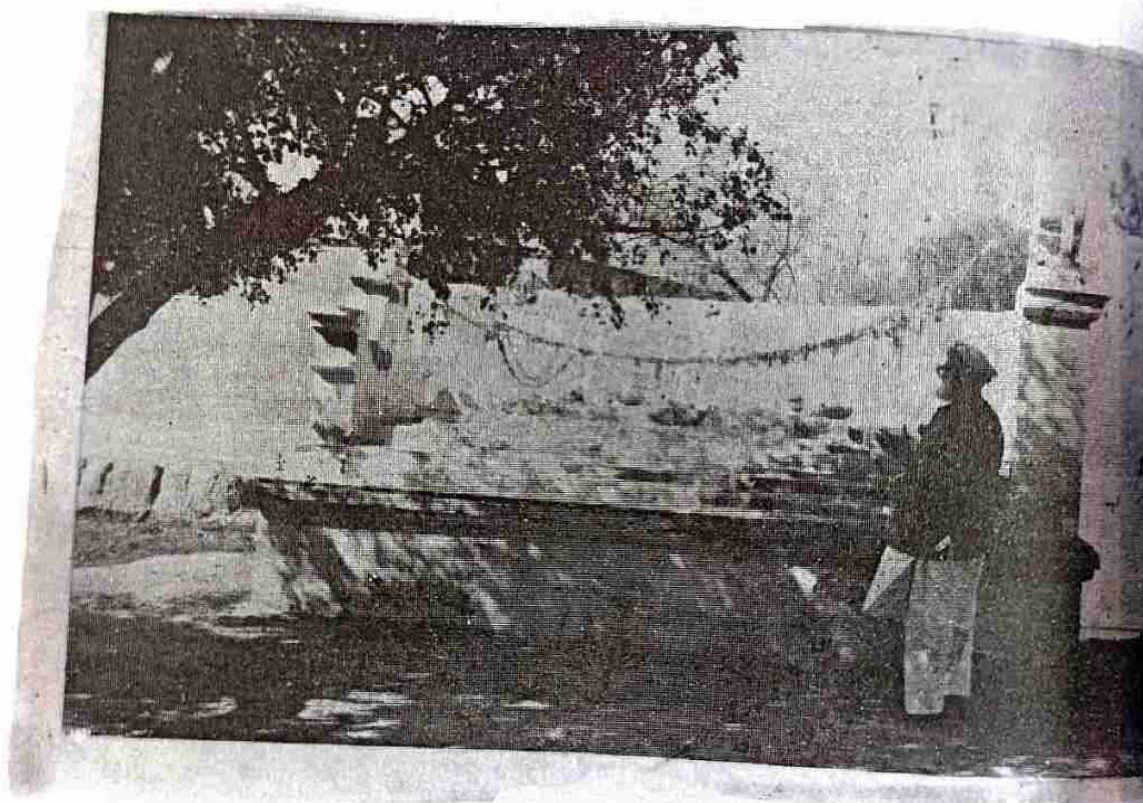
نے ایک مقبرہ تعمیر کیا جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔

انگریز کی حکمت عملی

نوآبادیاتی نظام اور انگریز

انگریز بہادر اپنی نوآبادیاتی نظام کو استحکام اور دوام دینے کے لئے خاص حکمت عملی پر عمل پیرا ہوا جس کے عناصر ترکیبی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ا۔ انصاف۔ انگریز کو یہ احساس تھا کہ آزادی کا اگر کوئی نعم البدل ہو سکتا ہے تو انصاف کی عملداری ہی ہو سکتی ہے مزید ہندوپاک بالعموم اور بنوں بالخصوص طوائف الملوکی کے دور سے گزر رہا تھا جس کے باعث زمین لرزاں اور انسان ترساں تھا آزادی حاصل تھی مگر آزادی کے ثمرات ناپید۔ خوف انسان غالب اور خوف خدا غائب۔ فطرت کی طرف سے تعزیر غلامی کی صورت میں نمودار ہوئی جسے نوآبادیاتی نظام کے تحت انگریز بہادر نے دوام دینا چاہا گویا انگریز بہادر نے انصاف کو ایک حربے کے طور متعارف کرایا۔ تاکہ آزادی کا خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پریشان ہو جائے اور ہم آزادی کو یکسر بھول جائیں اور غلامی سے سمجھوتہ کرلیں۔

۲۔ زر۔ زمین زبردست حربہ ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ انگریز بہادر نے ان کا بے دریغ استعمال کیا زر اور زمین کے توسل سے انسانی ضمیر کو خریدا جا سکتا ہے اور یہی کچھ سوچا گیا۔ انگریز بہادر نے افغان معاشرہ میں میر جعفر اور میر صادق کو تلاش کیا (میر جعفر اور میر صادق ایسی اصطلاحیں ہیں جو آزادی کی قیمت وصول کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ میر جعفر نے بنگال کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ جبکہ میر صادق نے دکن کو اور تب سے ان اصطلاحات کو آزمایا جا رہا ہے۔ ایسے زر خرید افراد کو علامتی نشانیاں عطا کر دی گئیں تاکہ ان کی پہچان آسان ہو انہیں مزید نوازا جائے انہیں مفت زمینیں دی گئیں انہیں جاگیریں ملیں سول اعزازات دئے گئے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے اعلیٰ سول ملازمتیں مختص کی گئیں۔ سر۔ خان صاحب خان بہادر اور نواب جیسے خطابات دیے گئے۔ اس وفادار طبقہ نے بھی ہر آزمائش کے وقت حق نمک ادا

گیا ان کی اولاد کو (مراعات یافتہ طبقہ) کا درجہ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہر شعبہ زندگی
میں میر کارواں کہلانے لگے سیاست تجارت اور صنعت پر اس طبقہ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔
۳۔ زور۔ محکوم معاشرہ میں جو افراد زر وزمین کے ذریعے رام نہ ہوئے تو انہیں زور سے دبانے کی
جتن کیے گئے۔ ان پر گولیاں برسائی گئیں۔ شہید کیا گیا زندہ درگور کیا گیا انہیں سر عام برہنہ کیا
گیا۔ رسوا کیا گیا قید و بند سے دوچار کر دیا گیا۔ ان کے گھر بار جلا دئے گئے فصلوں اور نسلوں کو تباہ
کرنے کی کوششیں کی گئیں انہیں ذلیل و خوار کرنے کے لئے ہر وہ طریقہ استعمال کیا گیا جسے سن
کر رونگھٹے کھڑے ہو جائیں۔ راقم احروف کو خود میر قلم جان آف سوکڑی نے اپنا چشم دید واقعہ
سنایا کہ سونا فرمانی کی تحریک زوروں پر تھی شراب پر پکٹنگ ہوئی اور خدائی خدمتگار کے ایک
رضاکار زرداد خان آف سوکڑی کو اس پکٹنگ کے دوران اتنا زدکوب کیا گیا کہ اس کے دونوں
جبڑے ٹوٹ گئے۔ اور بیہوش ہوا اس کے کپڑے اتار دئے گئے اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا
جب اسے ہوش آیا اٹھا نیم بیہوشی کی حالت میں چلتا بنا اسے یہ ہوش نہ رہا کہ وہ برہنہ جسم ہے
جب "مین چوک" پہنچا تو کسی نے اسے کہا تمہارے کپڑے نہیں ہیں اور تم برہنہ جسم چلے آرہے
ہو زرداد خان کو کچھ ہوش آیا فوراً بیٹھ گیا اور کسی نے اسے چادر سے ڈھانپا۔ یہ تو صرف ایک واقعہ
ہے کتنے زرداد اور ہوں گے جن کے ساتھ یہ ظلم روا رکھا گیا الغرض جو غیرت دار تھے وہ غدار
کہلائے اور جو غدار تھے وہ صاحب وقار جاگیر دار۔ خان صاحب۔ خان بہادر اور نواب رائے بہادر
کہلائے۔ تائید مزید کے لئے ایک اور تلخ حقیقت بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار ہند کی قیادت
میں ہندو مسلمان سب متحد ہوئے اور انگریز کے خلاف جنگ آزادی کا آغاز کر دیا یہ ۱۸۵۷ء کا
سال ہے۔ جنگ آزادی ناکام ہوئی مغلیہ شہزادوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ تاجدار ہند بہادر شاہ ظفر کو
اسیر بنا دیا گیا ان کی بصارت تک چھین لی گئی۔ اسے رنگون میں قید کر دیا گیا ۵۰۰ علما کو تختہ دار پر
لٹکا دیا گیا ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ انگریز نے اس پر بس نہ کی بلکہ
مسلمانوں کی توہین اور تذلیل کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھی۔
خانساماں مغلیہ دور میں ایک اہم باوقار عہدہ ہوتا تھا مگر انگریز بہادر نے اپنے

باورچیوں کے لئے خانساماں کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا باورچی / خانساماں کو وہی وردی پہنادی گئی جو شہزادوں کی ہوا کرتی تھی آج بھی فائیو سٹار ہوٹلوں میں خانساموں کی وہی وردی ہے جو مغل شہزادوں کی ہوا کرتی تھی۔۔ سلطان ٹیپو انگریزوں کا دشمن نمبر ا رہا ہے وہ میسور کا سلطان تھا مجاہد اعظم تھا میر صادق کی غداری کی وجہ سے اسے شہید کر دیا گیا انگریز بہادر نے ازراہ تزلیل اپنے کتوں پر ٹیپو کا نام رکھنا شروع کیا انکی تقلید میں ہمارے ہاں کتوں پر ٹیپی گویا ٹیپو رکھا جاتا ہے جو تاریخ سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اور خطاب یافتہ طبقہ اپنے بیٹوں پر جارج کا نام رکھ کر خوش ہوتے ہیں جو غلامی کی یادگار ہے پر کیا کہا جائے کہ غلامی میں ضمیر تک بدل جاتا ہے۔

؎ تھا جو نا خوب بتدریج وہی خواب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اپریل فول APRIL FOOL

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے سپانیہ سے جب مسلمانوں کو جس ذلت اور توہین کے ساتھ دھکے دے دے کر نکالا گیا تھا اس کی تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں بھی بدنامی اور رسوائی کی یہ تاریخ ہر سال دہرائی جاتی ہے۔ جسے مغربی تہذیب کا ورثہ سمجھ کر ہم سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں۔

۴۔ جاسوسی کا مربوط نظام۔ دشمن کے خلاف چوتھا حربہ کانٹ ورک قائم کیا گیا تا کہ انگریز بہادر کو اپنے دشمن کی سرگرمیوں کا بروقت آگاہی ہو مزید اپنے مخالفین کے خلاف ذبردست افواہ سازی کی مہم جاری رکھا جاسکے تا کہ ہمارے مخلص اکابرین میدان زرم وبزم کے مشاہیر کو بدنام کیا جائے۔

۵۔ وسائل آمدن پر قبضہ ۔یہ اس لئے کہ محکوم قوم بدیسی مال کا محتاج رہے اور مفلس وخوار رہے۔

۶۔ مغربی تہذیب کی ترویج۔ تعلیم اور تعلّم کے ذریعے سے محکوم عوام کا ذہن بدلا کر رکھ دیا گیا اور عوام جسم و جان دونوں لحاظ سے محکوم اور غلام بن گئے۔ اگر انہیں آزادی مل بھی جائے مگر ذہن سے غلامی کی کدورت دور نہ ہونے پائے۔

؎ اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے

اے نادان قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

۷۔ اصلاحات۔ وقتاً فوقتاً ایسے اصلاحات جاری کیں جو بظاہر اصلاح احوال کے لئے تھے مگر ان کے دوررس نتائج تباہ کن ثابت ہوئے۔

؎ مجلس آئین و اصلاح رعایات و حقوق

طب مغرب نے مزے میٹھے اثر خواب آوری!

۸۔ فرقہ وارانہ اور مذہبی منافرت۔ انگریز بہادر کو برابر یہ خوف لاحق رہا کہ کہیں ایک بار پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا اعادہ نہ ہونے پائے اس خاطر انگریز بہادر نے اپنے آزمائے ہوئے حربہ زر اور کامیاب حکمت عملی کو استعمال کر کے ہندو مسلم فسادات کروائے تاکہ وہ متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم سے آزادی کی جدوجہد کا آغاز نہ کر سکے۔

داستان بڑی طولانی ہے قصہ مختصر انگریز اس محاذ پر بھی ہمیں مات دینے میں کامیاب ہوا اور ہندو و مسلمان ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگے اور انگریز بہادر تماشہ دیکھتے رہے۔ تحریک خلافت نے انگریز کی اس خدشہ کو حقیقت میں بدل دیا کیونکہ اس تحریک میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

میرے مباحث کا نچوڑ

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقہ گردن میں ساز دلبری

مجلس آئین و اصلاح رعایات و حقوق
طب مغرب نے مزے میٹھے اثر خواب آوری

گویا یہ خطابات مراعات۔ اصلاحات اور آئینی حقوق نوآبادیاتی نظام کے مختلف حیلے و حربے تھے جنہیں اقبال نے جنگ زرگری سے تعبیر کیا ہے۔

حقائق نامہ

راقم احروف سر جارج کنگھم سابقہ گورنر سرحد کی ڈائری سے چند اوراق بشکریہ جناب خان عبدالولی خان رہبر اعظم عوامی نیشنل پارٹی قارئین کی ذوق طبع کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

ملاحظہ ہوں حقائق حقائق ہیں۔

صفحہ (۱۲۰ تا ۱۲۹، ۱۳۲ تا ۱۳۵)

"(سر جارج کننگھم کی یہ ڈائریاں بقول ولی خان صاحب اس کے ذاتی کاغذات میں انگریزوں کے لندن کی لائبریری میں موجود ہیں۔ کوئی اگر ثبوت چاہتا ہے، یا اس سلسلے میں اور تحقیق کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے ان ڈائریوں کی نقل سرکاری طور پر وہاں سے حاصل کی ہے۔"

ویسے تو انگریز کے نمائندوں کی شروع سے یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرے اور اسی نفاق کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرے لیکن صوبہ سرحد میں لوگ

نہیں ڈرتے تھے دوسرے پشتونوں کو ویسے بھی اپنے بازوؤں پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ کسی اور کی
غلامی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور جو قوم انگریز جیسے جابر، ظالم اور طاقتور سے ٹکر لینے کو تیار
تھی۔ اسے کسی اور سے کیسے ڈرایا جا سکتا تھا لیکن اس علاقے میں عموماً اور قبائل اور افغانستان
میں خصوصاً انگریز نے ملاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا جو روس کے خلاف انگریز کے حق میں آواز
اٹھائے اور پھر جب خصوصیت سے روس میں ۱۹۱۷ء میں انقلاب آیا، تو انگریز کو معلوم ہوا کہ
اب زار روس کی فوجی قوت کے ساتھ اشتراکی انقلاب کی ایک نظریاتی قوت بھی شامل ہو گئی ہے
جس کا کچھ بندوبست ضروری ہے اور اس نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے انگریز کی دوربین
آنکھوں نے اسلام کو موزوں پایا۔ انگریز نے اس سلسلے میں کافی محنت کی تھی جب امیر امان اللہ
خان کی صورت میں انگریز کو حقیقت میں خطرہ پیش آیا، تو وہاں انگریز نے اس اسلام کو ایک
اسلامی ملک افغانستان کے مسلمان اور پشتون بادشاہ کے خلاف کس کامیابی سے استعمال کیا تھا
لیکن جب یورپ پر ہٹلر کے جرمنی کی طرف سے جنگ کے کالے بادل چھائے تو انگریز کو پھر
اپنے وسیع سرحدات کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ تو ہم نے خود دیکھا کہ کس طرح ہندوستان میں انگریز
نے اسلام کو سیاسی میدان میں اپنے فائدے کے لئے استعمال کیا، اور فائدہ اٹھایا، اور یہ بھی دیکھا
کہ وہی اسلام روس کے نظریاتی مقابلے کے لئے اس کے کام آیا۔ جب حالات ہنگامی ہوئے تو
صوبہ سرحد میں بھی انگریز نے اپنی تمام تر توجہ اسلام پر دی اگر ایک طرف نوابوں اور خوانین کو
اسلام کے نام پر مسلم لیگ میں جمع کر رہا تھا، تو دوسری طرف مکمل توجہ ملاؤں پر دی کہ
یہاں صوبہ سرحد میں اور اس کے ساتھ ملحقہ قبائلی علاقے میں یہاں تک کہ افغانستان کے
اندر بھی اسی اسلام کے موچے کو مضبوط بنایا۔ (بحوالہ ولی خان)

کننگھم یوں لکھتا ہے کہ۔

Kulikhan at once arranged secret meetings with

Trible Mullahs and others who would not come out in to the open, with some Mullahs he had to establish relations through certain persons in Hyderabad state.

ترجمہ۔ قلی خان نے فوراً قبائلی ملا اور دوسروں سے خفیہ میٹنگ کا اہتمام کیا جو بظاہر سامنے نہیں آئیں گے۔ اور کچھ ملاوں سے اس نے حیدرآباد کے لوگوں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا۔ ملاوں کے ساتھ رابطے کا کام ہم نے خان بہادر قلی خان کے حوالے کر دیا تھا۔ اتا کہ وہ اس قسم کے ملاوں سے خفیہ رابطہ قائم کرے جو کھل کر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہیں بات بالکل واضح تھی کہ ہم تو یہ سب کچھ صرف اسلام کی خدمت کے لئے کر رہے ہیں، اور صرف اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک مورچہ قائم کرنا چاہتے ہیں خصوصاًبالشویک کے خلاف۔

کنگھم لکھتا ہے۔

Through Mullah Marwat, Kuli Khan established relations with the office berarers of the Jamiat ul Ulma Saarhad and their supporters in India. These Mullah many of whom has consistantly been anti British, began to speak and wait against the Russians and Germans on the plateform and in the press subsides were paid to all there Mullahs through Mullah Marwat.

ترجمہ۔ قلی خان نے ملا مروت سے جمعیت علماء سرحد کے عہدیداروں اور ہندوستان میں ان کے ہم نواؤں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا۔ یہ ملا جن کی اکثریت مسلسل برطانیہ کی مخالفت کرتی تھی اب انہوں نے روس اور جرمنی کے خلاف اپنے اسٹیج اور پریس سے بولنا شروع کر دیا۔ ان سب ملاؤں کو اس کا معاوضہ ملا مروت کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔

پہلا ملا جب قلی خان نے بھرتی کیا تو وہ ملا مروت تھا جو پہلے خاکسار تنظیم سے تعلق رکھتا تھ۔ پہلے اسے وہ اسلام کی خدمت نظر آرہی تھی لیکن قلی خان نے مطمئن کر لیا کہ خدمت اب

صرف جہاد کے اعلان ہی سے ہو سکتی ہے جہاد کا نعرہ اسلام کے دشمنوں کے خلاف لگایا ہے۔ اسی کے ذریعے قلی خان نے جمعیت العلماء سرحد سے رابطہ قائم کر لیا (اگرچہ یہ وہ علماء ملا مروت جنہوں نے ساری زندگی انگریز کی مخالفت کی تھی اور قومی تحریکوں میں آگے تھے۔) کننگھم لکھتا ہے کہ ان ملاؤں کو پیسے بھی قلی خان ملا مروت کے ذریعے دیتے تھے ان ملاؤں کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ قوم کو بتائے کہ انگریز چونکہ اہل کتاب ہے اور اس کے ساتھ نکاح واجب ہے اور دوسری طرف روسی بالشویک ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ بلکہ انگریز کے کہنے کے مطابق وہ تو سرے سے خدا کی ذات سے منکر ہیں۔ تو اس وجہ سے آج انگریز اور اسلام کا مقصد ایک ہے تا کہ اس بے دین۔ نظام کا مقابلہ کیا جائے ملاؤں کی یہ بھی ڈیوٹی تھی کہ قوم کو برابر یہ یاد دلائیں کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا اور انگریز کے لئے جنگ لڑنا بھی اسلام کی خدمت ہے۔

کننگھم لکھتا ہے کہ میں نے جمیعت العلماء سرحد کے رہنماؤں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ وزیرستان میں فقیر ایپی کے پاس جائیں اور اسے یہ بتائیں کہ اب انگریز کے خلاف جہاد کرنا اسلام کی خدمت نہیں اب تو انگریز جرمن اور اٹلی کے ساتھ برسر پیکار ہے۔ ایسے وقت میں فقیر ایپی کو چاہیئے کہ یہ انگریز کو تنگ نہ کرے کیونکہ انگریز کفر کے خلاف جنگ میں الجھا ہوا ہے یہ بھی ایک طرح سے اسلام کی خدمت ہے انگریز یہ سب کچھ اتنے خفیہ طریقے سے کر رہا تھا کہ اس کے مخالفین کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہ تقاریر اور خطوط کے ذریعے انگریز کے کہنے، اشارے یا امداد سے ہو رہا تھا اور اس لئے کننگھم خوش تھا کہ فقیر ایپی کے نائب محمد وارث کا خط جمیعت العلماء سرحد کے رہنماؤں کے نام آیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ لہجہ دوستانہ تھا یعنی تسلی اس بات پر تھی کہ فقیر ایپی یا اس کے ساتھیوں کو یہ شک نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ ملا انگریز کے کہنے اور ان کی خواہش پر کر رہے ہیں۔

یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد یہاں ہندوستان میں انگریز اور کانگرس کے مابین اختلافات کھل کر سامنے آگئے کانگرس کے آٹھ صوبوں کی وزارتیں مستعفی ہو گئیں اور حالات آہستہ آہستہ محاذ آرائی کی طرف جانے لگے تو صوبے کے گورنر نے یہ ضروری جانا کہ قبائلی علاقوں اور

افغانستان کے علاوہ یہاں صوبہ سرحد میں بھی ملاؤں کو منظم کرے اور اپنا رابطہ ان سے قائم کرے۔ دوسرے یہ کہ اب تک جنگ میں صرف جرمنی اور اٹلی تھے تو انگریز نے یہ بہتر جانا کہ روس کے متعلق اپنا مخالفانہ پروپیگنڈا ذرا کم کر دے اور پورا زور اٹلی اور جرمن کی مخالفت پر دے۔

کننگھم نے ملاؤں کے تین گروپ بنائے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ملا، علاقے کے خوانین اور اعتباری خان بہادروں کے حوالے کر دئے تھے جو ان سے ذرا اونچے مرتبے کے تھے ان سے رابطہ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے قائم رکھا تھا۔ اور جو سب سے بڑے تھے (اکبرا) ان سے گورنر نے خود رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ ابتدا ہم چھوٹے ملاوں سے کرتے ہیں۔ کننگھم کہتا ہے کہ یہ ہشتنگر کے شیر پاؤ گاوں کے غلام حیدر خان (خان بہادر) کے حوالے تھے اس نے نو دس ملاؤں کو اکٹھا کیا ہے جو وہیں کے تھے۔ یعنی رجڑ، کوٹ، ترناب، تنگی، اتمنزئی، عمرزئی، پڑانگ، چارسدہ وغیرہ۔ کننگھم لکھتا ہے۔

I have not been inlouch with any of the smaller Mullah's myself. I have done it though the following agents with who practically all my connections have been virbal:- as little is put on paper as possible.

Ghulam Haider of Sherpoa He told me that he thought he could work through about 9 or10 Mullahs including those of the following villages"

Razzak'kot' Tarnab, Tongi, Utmanzai and Umaszai(Later Prongand charsaddas

ترجمہ۔ میرا ان چھوٹے ملاؤں میں سے کسی سے بھی براہ راست رابطہ نہیں تھا یہ میں نے حسب ذیل ایجنٹوں کے ذریعہ رکھا جن سے میرا تعلق عملاً زبانی رہا اور کم سے کم تحریر میں رہا۔ غلام حیدر شیر پاؤ نے مجھے کہا کہ اس علاقے کے ۹ یا ۱۰ ملاؤں کے ذریعہ حسب ذیل گاؤں میں کام

کیا جائے۔ راجر، کوٹ، ترناب، تنگی، اتمان زئی، عمر زئی، بعد میں پڑانگ اور چارسدہ۔

میں نے شیر پاؤ خان کو کہا کہ تم نے ہر ایک ملا سے الگ الگ ملاقات کرنی ہے اور تم انہیں اسلام کی خدمت کرنے پر تیار کرو گے۔ ۴۰ یا ۵۰ روپے دو گے اور کہنا کہ چار مہینے بعد آ کر اپنی تمام کارگزاری بیان کرو گے کہ کیا کچھ کیا ہے انگریز خان بہادر کو کہتا ہے کہ انہیں اشاروں میں یہ سمجھا دو کہ اگر کام تسلی بخش کیا تو وظیفہ مزید بڑھایا جائے گا۔ خان بہادر صاحب کنگھم کو کہتا ہے کہ بعض ملا بہت اعتباری نہیں ہیں اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ ان کو ہر مہینہ بلایا جائے اور ماہوار رقم دی جائے یعنی چار مہینے کے لئے ۴۰ روپے کے حساب سے ۱۰ روپے ماہوار ہوا۔ کنگھم لکھتا ہے کہ میں نے شیر پاؤ خان کو ۲۰۰ روپے دے دئے اس طرح تحصیل نوشہرہ اور تحصیل پشاور کے ملاؤں کی فہرست ضلع کے ڈپٹی کمشنر سکندر مرزا کے حوالے کر دی گئی۔ سوات، بنیر، مردان اور رانی زئی کے ملا اس وقت سوات وزیر اعظم حضرت علی کے حوالے تھے۔

کنگھم لکھتا ہے کہ۔

The Wazir-i-Azam sent me a list of Mullahs through whom he is working he is paying them on an average of about Rs. 15/- Per month each. (of appendix "B")

ترجمہ۔ وزیر اعظم نے مجھے ان ملاوں کی لسٹ بھیجی جن کے ذریعہ سے وہ کام کر رہا تھا وہ ان کو تقریباً پندرہ روپیہ ماہوار معاوضہ دے رہا ہے۔

زیر اعظم نے مجھے ملاؤں کی مکمل فہرست بھیج دی ہے کہ وہ ان کو فی کس پندرہ روپے مہینہ دیتا ہے۔ (یہ تہ شنگر اور دوآبے کے ملاؤں کے ساتھ سراسر زیادتی تھی کہ ان لوگوں کو ۱۵ روپے مہینہ ملتا ہے)۔

کوہاٹ کے ملا وہاں کے ڈپٹی کمشنر کے حوالے تھے۔

بنوں ضلع کے ملاوں کو ڈپٹی کمشنر نے دو آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ جن میں ایک نواب ظفر

خان اور دوسرے تاج علی جو خان بہادر غلام حیدر خان کا بیٹا تھا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈپٹی کمشنر محمد اسلم کو کننگھم نے ۲۰۰ روپے دے دئے کہ وہ تین دینی رہنماؤں کو دے دے۔ اما خیل فقیر، پیر موسیٰ خرتی اور پیر زکوڑی یعنی دو دو سو روپے فی کس کنایتہ وعدہ بھی ان سے کیا گیا کہ اگر کام تسلی بخش ہوا تو رقم بڑھائی جا سکتی ہے۔

آستانے کے سید عبدالجبار شاہ کے متعلق کننگھم لکھتا ہے کہ اس کا رابطہ حیدر آباد دکن کے ساتھ تھا اسے اس ریاست کا وزیر اعظم سر اکبر حیدری رقم دیا کرتا تھا۔ کننگھم خوش تھا کہ یہ بچت ہو گی سید صاحب سے کام انگریز کے لئے لیا جائے گا اور وظیفہ حیدر آباد دے گا۔ کننگھم کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مجھے عبدالجبار شاہ نے اطلاع دی کہ اس نے صوابی میں انتظامات مکمل کر لئے ہیں اور باجوڑ میں بھی اپنے پچیرے (تربور) کو بھیجا ہے۔ خیبر کے آفریدی ملاؤں کے ساتھ رابطہ پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے تھا۔

ارمڑ کے مجاہدین کے لیڈر مولوی برکت اللہ کے ساتھ کنگھم کا براہ راست رابطہ کافی عرصے سے تھا۔ کنگھم لکھتا ہے کہ یہی مجاہد سال میں ایک مرتبہ مجھ سے ملنے آتا تھا۔ اور میں کچھ رقم دیتا تو برکت اللہ نے کہا کہ وہ باجوڑ اور مہمند کے علاوہ ہیں۔ کہتا ہے دس یا بارہ ملاؤں سے معاملہ کرے گا۔ میں نے ہزار روپے دئے اس نے کہا کہ دو تین مہینے بعد مجھے مطلع کرو۔

My arrangement uptill now with him(Maulvi Barkatullah of Arms)

has been that he come to see me once or twice a year.

Barkatullah said he could also do a good deal through perhaps

10 or 12 Maulvi in different places through out Bajaur and Moha-

mand community. I paid him Rs. 1000/-

ترجمہ۔ میرا طریقہ اب تک یہ رہا ہے کہ مولوی برکت اللہ سال میں میرے پاس ایک یا دو مرتبہ آتا ہے۔ برکت اللہ نے کہا کہ وہ باجوڑ اور مہمند کے علاقوں میں دس یا بارہ

ملاؤں کے ذریعہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ میں نے اس کو ایک ہزار روپے دیئے۔

کننگھم نے پھر ان ملاوں کی کارگزاری اور خصوصیت سے قلی خان کے کام کی تفصیل بیان کی ہے یوں لگتا ہے کہ خان بہادر صاحب سے اپنا تمام کام جمیعت العلماء سرحد کے ذریعے سے پورا کیا ہے۔

اس کی کافی تفصیل ہے کہ انہوں نے کتنے اجلاس کئے، تجویزیں پاس کیں۔ پمفلٹ چھاپے، دورے کئے اور مختلف علاقوں میں رابطے قائم کئے کننگھم کی اس دستاویز میں پہلی مرتبہ جنگ کے علاوہ کانگریس کے خلاف تقاریر کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

Moulana Muhammad Shuaib toured Mardan District condemming Satyagraha. Pamphlets by Maulana Madaullah, war satuation and anti congress.

ترجمہ۔ مولانا محمد شعیب نے ضلع مردان کا دورہ کیا اور ستیہ گرہ کی مذمت کی۔ مولانا مداء اللہ نے جنگ کی صورت حال اور کانگریس کے خلاف پمفلٹ تقسیم کئے۔ مولانا محمد شعیب نے مردان ضلع کا دورہ کیا، اور ستیہ گرہ (تحریک سول نافرمانی) کی مذمت کی دوسرے مولانا مداء اللہ کے پمفلٹ کا ذکر ہے کہ یورپ کی جنگ کے سلسلے میں کانگریس کے خلاف لکھا ہے۔

انگریز تو نہایت چوکنا اور بیدار تھا۔ کننگھم کو یہ فکر لاحق ہوی کہ چاروں طرف رقم تو پھیلادی ہے اس نے عوام کو ملاوں کے ذریعے اپنے ساتھ ملالیا ہے لیکن چاہیئے کہ معلوم بھی کریں کہ آیا سچ مچ یہ ملا انگریز کے لئے پراپگینڈا کر رہے ہیں یا نہیں، تو کننگھم لکھتا ہے کہ ہم نے اپنے جاسوسوں کو مسجدوں میں بھیجا تاکہ وہ پتہ لگائیں کہ ملا یہ اپنا وظیفہ حلال بھی کھا کر رہا ہے یا ویسے ہی سرکاری خزانہ خالی کر رہے ہیں۔ جب رپورٹیں آئیں تو کننگھم مطمئن اور خوش ہوا کہ ملا ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اسلامی جذبے سے قوم کو ۵ اروپے ماہوار لے کر فروخت کر رہے ہیں۔

کننگھم مطمئن تھا کہ سوات کا وزیراعظم حضرت علی اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے کر رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ۔

Hazrat Ali Wazir-e-Azam of Swat is diong excellently in swat and Buner. He uses Pir Baba Ziarat. Also Ghulam Haider Sherpao in his area.

Hazrat Ali now coveres the whole of Wwat, Buner and Mardan Border.

ترجمہ۔ سوات کے وزیر اعظم حضرت علی سوات اور بنیر میں بہترین کام انجام دے رہے ہیں۔ اس نے پیربابا زیارت کو بھی استعمال کیا۔ غلام حیدر شیرپاؤ بھی اپنے علاقے میں اچھا کام کر رہا ہے۔

حضرت علی نے اب تمام سوات، بنیر اور مردان کے ضلع میں اپنی کارکردگی بڑھادی ہے۔ اس حصے کے ملاؤں کا مرکز بنیر میں پیربابا کی زیارت ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے اماخیل فقیر اور موسیٰ زو کے پیر سے کننگھم خوش تھا۔ لکھتا ہے کہ یہ پیر مجھ سے ملاقات کی غرض سے خود پشاور آیا تھا ان کے ساتھ رابطہ شیر علی کا ہے یوں لگتا ہے کہ اس نے تجوڑی کے پیر کو بھی بھرتی کرلیا ہے۔ کننگھم کہتا ہے کہ شیر علی نے تونسہ کے پیر تک رسائی حاصل کرلی ہے اس سے بات بھی ہو چکی تھی۔ لیکن بد بختی یہ ہوئی کہ یہ پیر صاحب اخلاقی مقدمے میں پھنس گئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کننگھم ابھی تک فقیر ایپی کے ہاتھوں تنگ ہے کہتا ہے کہ ہم نے شیرہ کے فقیر، اماخیلو کے فقیر کربوغے کا ملا اور حاجی اخونزادہ کے ذریعے فقیر ایپی کو خط لکھا تھا کہ وہ انگریزوں کو آرام سے چھوڑ دے۔

چیرمین پولیٹیکل ایجنٹ نے اپنا تمام کام عبدالباقی ملا کے حوالے کر دیا۔ کہتا ہے کہ وہ بہت ہی اعتباری آدمی ہے اور کام کا آدمی ہے مزید کہتا ہے کہ ملا صاحب کو ۱۰۰۰ روپے دئے ہیں۔ جب یورپ میں جنگ چھڑی اور ہٹلر نے پورے یورپ کا جینا حرام کر دیا، اور انگریز کو ہر طرف شکست کا سامنا کرنا پڑا، تو اسے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ ممکن ہے کہ روس اس موقع سے فائدہ

اٹھایا اور ادھر ہندوستان کا رخ کرے۔ اس موقع پر پیش بندی کے لئے اور تو چھوڑیں جمعیت العلماء نے اپنے سالانہ اجلاس میں یہ تجویز پاس کی کہ روس نے اگر افغانستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ روس کے خلاف جہاد میں شریک ہوں۔ لیکن جب انگریز کو تسلی ہوئی کو روس کی طرف سے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ تو دوسرا فتویٰ کننگھم صاحب نے جاری کر دیا۔ کہتا ہے۔

I advised Kuli Khan to moderate his anti Bolshevik propaganda and to concentrate more on propaganda against Germany and Italy.

ترجمہ۔ میں نے قلی خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بالشویک دشمن پروپیگنڈے کو گھٹائے اور جرمنی اور اٹلی کے خلاف پروپیگنڈے پر زیادہ زور دے۔

میں نے قلی خان کو کہا کہ روس کے خلاف اپنے پروپیگنڈے میں ذرا نرمی پیدا کر دیں اور جتنا زور دے سکیں وہ جرمن اور اٹلی کے خلاف پروپیگنڈے پر لگائیں۔

(صفحہ ۱۳۲ تا صفحہ ۱۳۵)

کننگھم لکھتا ہے۔

Jamiat ul Ulema toured in Kohat District in June 42, and in Peshawar and Mardan in July,

(A) Anti Axis, on the Islamic theme generally and (B) Anti congress, particularly on the Pakistan theme.

Mullahs S. in Pwshawar and Mardan intensified them anti congress propaganda during July, August, 42.

ترجمہ۔ جمعیت العماء نے جون ۴۲ء میں ضلع کوہاٹ کا اور جولائی میں پشاور اور مردان کا دورہ کیا

(الف) محوری قوتوں کے خلاف عمومی طور پر اسلامی اور بھر پور پروپیگنڈہ کیا۔
حوالے سے (ب) کانگریس کے خلاف بالخصوص پاکستان کے حوالے سے کیا۔
پشاور اور مردان میں ملاوں نے جولائی اور اگست ۴۲ء کے دوران اپنا کانگریس مخالف پروپیگنڈہ شدید تر کر دیا۔

جمعیت العلماء نے کوہاٹ کا دورہ کیا اور پشاور اور مردان کے ضلعوں میں زور دار پروپیگنڈہ کیا۔ ایک طرف اٹلی اور جرمنی کے خلاف دوسری طرف کانگریس کے خلاف اور پاکستان کے حق میں کننگھم صاحب کہتا ہے کہ مردان اور پشاور کے ضلعوں میں بھی ملاوں نے کانگریس کے خلاف اپنی مہم زور و شور سے جاری رکھی تھی۔ یعنی ایک انگریز نے ان ملاوں کو مسلم لیگ کے سیاسی کام میں مدد کے لئے دینی میدان میں اتارا۔ ذرا سوچنے کا مقام ہے جوں جوں عالمی جنگ کے حالات بدل رہے تھے اسی طرح ان ملاوں سے انگریز وقت اور ضرورت کے مطابق اپنا کام لے رہا تھا ان ملاوں کو اس وقت انگریزوں نے جوت لیا تھا کہ جو کچھ انگریز کہتے تھے یہی ملا اسلام میں اس کے لئے جواز پیدا کرتے تھے۔ جب روس کی طرف سے انگریز مطمئن اور بے فکر ہو گیا تو پھر اس نے ان ملاوں کو مکمل طور پر خدائی خدمتگاروں کے مقابلے پر لا کھڑا کیا یعنی اگست ۴۲ء کے آنے تک کننگھم لکھتا ہے کہ سوات کے وزیر اعظم نے مردان میں ۱۸ ملاوں کو بھرتی کیا اور دو پیر بابا کی زیارت میں تھے اور انہیں ۳۰ روپے مہینہ ملتا تھا۔

Wazir-e-Azam of Swat is now employing 18 Mullahs in Mardan and at 32 Pir Baba Zarat paying Rs. 30 P.M each.

ترجمہ۔ وزیر اعظم سوات نے اب مردان میں ۱۸ اور پیر بابا زیارت ۳۲ ملا ملازم رکھے ہوئے ہیں جنہیں ۳۰ روپیہ ماہانہ دیتا ہے۔

کننگھم لکھتا ہے کہ مولانا محمد شعیب اور مولانا مداء اللہ مجھے ملنے نتھیا گلی آئے ایک بہت طویل پمفلٹ اردو زبان میں لکھا ہوا تھا پیش کیا اور تجویز کیا کہ اسے تمام ضلعوں اور قبائلی علاقوں میں

تقسیم کیا جائے بہت اچھا ہے کانگریس کے خلاف جاپان، جرمنی اور اٹلی کے خلاف ہے۔ یعنی اس سے واضح اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ ملا اسلام کی خدمت کا نام لیتے ہیں اور کفر کے خلاف قلم سے جہاد کرتے ہیں اور اسلامی فتوے جاری کرتے ہیں۔ لیکن یہ فتویٰ منظوری کے لئے پہلے انگریز کے پاس لے جاتے ہیں۔

Moulana Muhammad Shoaib and Moulana Midrarullah came to see me at Nathiagalli on 26th August. And produced a long draft in Urdu of their Districts and in T.T. (Tribal Territory) All good anti congress anti japaners and axis stuff they were extremly friendly.

ترجمہ۔ مولانا محمد شعیب اور مولانہ مدار اللہ ۲۶ اگست کو مجھے ملنے نتھیا گلی آئے انہوں نے مجھے اپنے طویل اردو پمفلٹ کا خاکہ دکھایا جو کہ وہ ضلعوں اور قبائلی علاقہ جات میں جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں بہت اچھا کانگریس مخالف، جاپان اور جرمنی مخالف مواد ہے ان کا انداز بہت دوستانہ تھا۔

انگریز بہادر نے تو خود اسلام کی یہ خدمت کی کہ ان ملاوں کے نام بمعہ ان کے اتے پتے کے پورے پورے لکھ دئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری تھا کہ ۱۹۴۶ء تک کننگھم نے جس جس کو اور جس کے ہاتھ سے رقم دی ہے ان ایجنٹوں کے نام ایک ایک کر کے اسی دستاویز میں درج ہیں۔ خواتین نے اپنا دین، ایمان، غیرت حمیت انگریز کے کفر کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ٹکوں کے بھاو بیچا اور کیسے ان ملاوں نے انگریز کے مفادات کے تحفظ کے لئے ملک کی آزادی کے مجاہدین اور غازیوں پر کفر کے فتوے لگائے۔ انگریز کی ذہانت کی داد دینی چاہیئے کہ جس نے اپنے سامراجی نوآبادیاتی راج کو برقرار رکھنے لے لئے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کئے اور انہیں منظم کیا کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے انگریز سے مطالبہ تک نہیں کرتے تھے بلکہ

الٹا اس کی امداد کے لئے آزادی کی تحریک کے خلاف اسلامی جذبے کا نام لے کر دنیاوی مفاد کی خاطر ڈٹ کر کھڑے ہوئے تھے۔ انگریز کی کوشش یہ تھی کہ وہ ان خاندانوں میں اپنے ساتھی بنائیں جو انگریز کے خلاف لڑ رہے تھے انگریز کے خلاف جہاد میں فقیر ایپی کے ساتھ ساتھ دوست نامور نامی دینی رہنما تھا جو ایک مسعود، ملا پاوندہ تھا۔ دوسرے مہمند میں حاجی صاحب ترنگزئی تھے اور انگریز کی یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی ہو یہ مورچے فتح کر ڈالے اور میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی کامیابی بھی یہی تھی کہ ان دونوں غازیوں کے بیٹے اس کا ساتھ دینے لگے ملا پاوندہ کا بیٹا فضل دین اور حاجی صاحب ترنگزئی کا بیٹا باچا گل۔

ان دونوں کے حالات پر اگر چاروں طرف نگاہ ڈالی جائے تو ضلعوں اور قبائلی علاقوں میں بہت کم ایسے بااثر ملا، پیر، فقیر، اخونزادہ یا دار العلوم کے مہتمم ہوں گے، جنہیں انگریز نے اپنے ساتھ ملایا نہ ہو۔ حاجی صاحب ترنگزئی اور ملا پاوندہ کی وفات کے بعد فقیر ایپی ایک ہی ایسا غازی اور مجاہد رہ جاتا ہے جسے انگریز خرید نہ سکے اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد انگریزوں نے حکومت افغانستان پر زور ڈالا کہ وہ جرمنوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں افغانستان پر زور ڈالنے غرض سے ایک شامی پیر انگریز قبائلی علاقے میں شاہی فقیر کو اس غرض سے لے آئے کہ وہ افغانستان کے شاہی گھرانے کے خلاف لوگوں کو اکسائے۔ انگریز جب افغانستان کی حکومت کی طرف سے مطمئن ہوا تو اسی شامی فقیر کو وزیرستان میں وانہ کی چھاونی میں بلایا اور اس کی ۔/۲۵۰۰۰ پونڈ ادا کئے شامی پیر جیسے پہلے نہیں تھا اسی طرح پھر غائب ہو گیا۔ جب یہ کام مکمل ہو تو لندن میں وزیر ہند کو بہت مزہ آیا۔ وائسرائے کو لکھتا ہے کوشش کرو کہ ایسا ایک سودا فقیر ایپی کے ساتھ بھی طے ہو جائے اس کے جواب میں وائسرائے ۳۸۔۷۔۱۴ کو لکھتا ہے فقیر ایپی کے ساتھ شامی پیر کی طرح سودا نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ صرف یہ وہ ہمارے راستے میں نہیں آ رہا بلکہ وہ کسی قیمت پر بھی نہیں بکتا۔ لیکن پھر لکھتا ہے کہ کب میرا خدا اس شورش پسند ملا سے پیچھا چھڑائے گا۔

۳۸۔۷۔۱۴
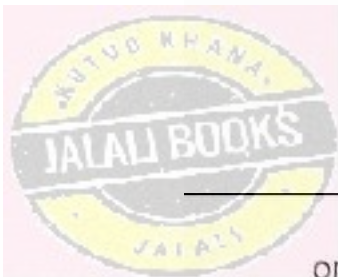
There is I fear, no possible chance of dealing with him (Faqir Ipi) on the same lines as the Shami Pir, He is not only implaceble but also completely uncorruptable... who would rid me of this turbulant priest

بھٹکے ہوئے راہی

انگریز بہادر کو بہت جلد احساس ہونے لگا کہ پشتون معاشرہ بالعموم اور بنویان بالخصوص ملک اور ملا کے زیر اثر ہیں دنیاوی معاملات میں ملک اور دینوی معمولات میں ملا سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں۔ یہاں بھی انگریز آقا نے اپنے روایتی حربے زر وزور کو آزمایا۔ ان بیرونی آقاؤں کو کسی میر جعفر اور میر صادق کی ضرورت تھی۔

(میر جعفر نے سراج الدولہ سے غداری کر کے انہیں شہید کروایا اور بنگال کو انگریز کی غلامی میں دے دیا گیا۔ جبکہ میر صادق نے اپنی بے وفائی کے طفیل سلطان ٹیپو کو شہید کرا کر سلطنت میسور کو انگریز قلمرو میں شامل کروایا تھا۔ جہاں جہاں انگریز بہادر کو میر صادق اور میر جعفر کے روپ میں ملک اور ملا دستیاب ہوئے ان کی وساطت سے اپنے نوآبادیاتی نظام کو وسعت، استحکام اور دوام دیا گیا۔ اپنے وفادار مہروں کو خان بہادر، خان صاحب اور نواب جیسے خطابات اور القابات سے نوازا۔ انہیں مفت جاگیریں اور زمینیں عطا کی گئیں مراعات انعامات اور وظیفے دیے گئے ان کی مالی معاملات کو درست اور مستحکم کر دیا گیا انہیں اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ سول اور ملٹری ملازمتیں دلوا سکیں انہیں اعزازی مجسٹریٹ مقرر کر دیا گیا۔ تاکہ ان کی رسوخیت میں اضافہ ہو گویا پشتون معاشرہ میں اپنے ہم خیال ہم نوا نواب زادے، خان زادے۔ باوقار۔ باشعار اور وفادار مراعات یافتہ طبقہ کو پیدا کیا گیا جنہیں وطن عزیز کے مقابلے میں بیرونی آقاؤں اور خود اپنے مفادات زیادہ عزیز ہوں۔ البتہ جو ملک اور ملا زر اور وظیفے کے ذریعے زیر دام نہ آسکے زور رام نہ ہوئے تو انہیں زور کے ذریعے نیست و نابود کر دیا گیا یا پھر انہیں اور ان کی اولاد کو مالی لحاظ سے اتنا بے بس کر دیا گیا کہ وہ نان جویں کا محتاج ہوئے۔ بنوں کی مثال پیش نظر ہے آج بنوں میں مجاہد اعظم خان دلاسہ خان داود شاہ اور ملک میر عالم خان میرزعلی خیل منڈان کی اولاد ہم سب کے لئے عبرت کشاہ منظر پیش کرتے ہیں۔

نیرنگئی دوراں

جن اشخاص کو خطابات سے نوازا گیا خود اور ان کی اولاد کے کارنامے اور کردار گواہی دیتے ہیں کہ انہیں قومی اور ملکی مفاد کے مقابلے میں ذاتی اور بیرونی آقاؤں کے مفادات قابل ترجیح رہے ہیں اور تحریک آزادی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سد راہ رہے ہیں۔ آج اسی طبقہ کے پاس کلید زر ہے وہ صاحب ثروت رسوخیت اور صاحب توقیر ہیں تجارت، معیشت، سیاست اور قومی وسائل پر ان کا قبضہ ہے قومی خزانہ کے بے دردی سے لوٹ چکے ہیں۔ لوٹ رہے ہیں۔ اور لوٹتے رہیں گے۔ سیاست ان کے نزدیک نفع بخش صنعت ہے قوم بے بس۔ بے کس اور بے حس ہو چکی ہے۔ حیرت ہے کہ آج بھی یہ صاحب تقصیر طبقہ صاحب توقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہ ثروت، دولت فراغت اور قومی سیاست سے کھیل رہا ہے اور ہم بحیثیت قوم سفینہ آزادی کو غرقاب ہوتے ہوئے دیدہ عبرت سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ شاید اسی احوال حاضرہ کو تاریخی جبر اور ہمارے شامت اعمال کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے بقول جمال الدین افغانی (ظالم سے مظلوم زیادہ قابل نفرین ہے۔)

؎ دیدہ عبرت کشا قدرت حق را ببیں۔
شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

خوش قسمتی سے بنویان میں خطاب یافتہ افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ہمارا سر فخر سے بلند ہے۔ کیرو مصنف نے ایک موقع پر صاحبزادہ سر عبدالقیوم خان سے کہا تھا کہ مجھے افغانوں کی یہ ادا بہت پسند ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتے کیرو کا یہ قول بنوں والوں پر بہت زیادہ صادق آتا ہے بنویان انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریز بنویان سے بیزار تھا اس لئے آقا کے ہاں بنویان پذیرائی حاصل کرنے سے قاصر رہے اور انگریز بہادر نے بنویان کو کبھی بھی اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا وہ ایک

دوسرے کو پسند نہیں کیا کرتے تھے انگریز بنویان کو غلام بنانے کے درپے اور مشتاق تھے جبکہ بنویان انگریزوں سے بیزار اور برسرپیکار رہتے تھے اس لئے بنویان کا سر آج فخر سے بلند ہے کیونکہ تحریک آزادی کے دوران جتنے مجاہدین آزادی پس زندان دیوار رہے پورا صوبہ سرحد اس تعداد کا جواب فراہم نہیں کر سکا ہے۔ سانحہ سپینہ تنگی نا قابل فراموش اور قابل فخر واقعہ ہے آج بھی مجاہدین آزادی کے خون سے سرزمین سپینہ تنگی رنگین اور لالی ہے۔

مستی کردار۔۔۔۔ایک آرزو

ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے زوق
افکار میں سر مست ناخوابیدہ نابیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھکو
ہو جسکی رگ و پے میں فقط مستی کردار

(نوٹ) ذکر ان بیانات کا جو مختلف خاندانوں کے نمائندہ افراد نے محکمہ مال کے متعلقہ افسران کو ۱۸۷۸ء کے بندوبست سرسری کے سلسلے میں دئے ہیں۔ جو عنوان مضمون کے نام کتھونی میں درج ہیں۔ جن سے خاندان متعلقہ کی تدریجی حالات معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ یہ مضامین بغیر کسی ردوبدل کے پیش کئے جاتے ہیں۔

خاندان آمندی

دفعہ اوّل بنیاد۔ حصول ملکیت و تقسیم اراضی

پرانے حال کی اصلیت معلوم نہیں مگر ہم نے اپنے بزرگان سے سنا ہے کہ پہلے یہ رقبہ بقبضہ ہنی منگل کے ہوا کرتا تھا اور ۱۰ ۲۰ پشت کا عرصہ ہوا ہو گا کہ آمندی نامی مورث ہمارا پہاڑ کی طرف سے اس ملک میں آیا اور اس نے اس رقبہ پر بباعث اسکی کہ قوم ہنی منگی کا اخیر وقت تھا اور وہ قوم کمزور ہو گئی تھی قبضہ کر لیا مذکور قوم سے کوئی شخص مزاحم نہ ہوا اور اسکی اولاد میں سے ہم مالکان قوم ہیں لیکن ہم کو سلسلہ نسب اپنا اچھی طرح یاد نہیں ہے آمندی مورث تک صحیح طور پر ملا سکیں اور نہ اس میں ایک دوسرے قوم کے ساتھ ملا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ ہم ایک مورث کے اولاد میں سے ہیں اس طرح تقسیم اولین کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہے اور ہم ہر سہہ اقوام کے ملکیت اپنی اپنی حصہ کے جداگانہ ہے اور اطراف ہمارے حسب ذیل طرف گل حسن۔ طرف قمردین طرف جیف۔ طرف شاہجہان۔ طرف عمر خان ہیں۔ ایک طرف کو دوسری طرف سے کچھ نسبت پیمانہ ملکیت کے سوائے قبضہ کے نہیں ہے اور ہم مالکان متفرق کو ان طرف سے جس طرح ملکیت مالک ہوئے ہیں اس کا حال محاذ نام ہمارے کے درج ہے اور ہم مالکان طرف صدر شاہ کا حصہ اس طرح پر ہے۔ عبداللہ شاہ مورث ہمارا اس ملک میں پہاڑ کی طرف سے آیا تھا یہ رقبہ بقبضہ بڑھانا شروع کیا اس لیئے عمل حصہ معدوم ہو کر قبضہ پر عمل ہو گیا۔

اقوام متفرق جو ہمارے اطراف میں ہیں انہوں نے جس طرح ملکیت کے مالک ہیں اس کا محاذ
نام اس کے درج کر دیا ہے اور ہم مالکان طرف لئیق شاہ کا حصہ اس طرح پر ہے۔ پہلے یہ رقبہ
پیر انوالا پیر انوالی شاہ صاحب موضع پیران تپہ داود شاہ کے ہوا کرتا تھا تخمیناً ایک سو بیس کال کا
عرصہ ہوا ہو گا کہ پتل شاہ مورث ہمارے نے اپنے بھائیوں کے ساتھ اس موضع کو تقسیم
کر کے یہ رقبہ علیحدہ کر لیا اور اپنے نام سے موسوم کر لیا ہمارے اپس میں تقسیم پروئے حصہ
جدی ہوئے اس وقت بباعث استطاعت خود ہائے عمل قبضہ کا ہے عمل درآمد سرکار میں اکثر رقبہ
ہمارے قبضہ میں آگیا ہے جس کے سوائے خاص ملکیت اپنے کے دوسرے لوگوں کا رقبہ ہمارے
ساتھ شامل نہیں ہے جمال الدین مورث اعلیٰ ہم ملکان طرف حسام الدین کا ملک عرب سے
اس طرف بتقریب سیر آیا تھا اور وہ متبرک، صاحب کرامات تھا ملکان اس ملک نے کہ جو اس وقت
اس ملک میں قابو باقیہ تھا یہ رقبہ بطور شکرانہ کے بعد فتح یاب کے اور قوم ہنی منگل دیگر مالک بنا دیا
تب سے ہم ملکان اولاد اسکی مالک و قابض ہیں۔ دو پشت آمندی۔ داود شاہ و حسن خیل کے ہوتا تھا
مورث ہمارا آدمی بزرگ و کرامات تھا ہم مالکان مذکورنے بطور بخشش کے یہ رقبہ دیگر مالک بنا دیا
تب سے اولاد اسکی مالک و قابض ہیں۔ تیسرے پشت میں اسکی اولاد کے آپس میں تقسیم بموجب
حصہ جدی ہوئے آزاں بعد حسب دستور ملک کے رقبہ میں بباعث کم استطاعتی و عمل بیع دین
کمی بیشی آگئی۔ پہلے وہ عمل حصہ کا معدوم ہو کر قبضہ پر عمل ہوا اور حال حصول ملکیت اقوام
متفرق کا جس طرح ان کو حاصل ہوئے۔ مفصل محاذ نام ان کی درج کرا دیا گیا ہے اور کسمل
مورث ہم مالکان طرف گلبدن شاہ مورث اس ملک میں بتقریب بخارا سے آیا اور اس جگہ کو
خوشنما دیکھکر اقامت پزیر ہوا اور بشکرانہ و بخشش وغیرہ از قوم آمندی سے لیکر اس دیہہ میں
مالک ہوا چنانچہ تا حال ہم مالکان اولاد اسکی مالک و قابض ہیں تقسیم اولین تیسرے پشت میں
بموجب جدی ہوئے اور ان کے بعد بموجب اپنی اپنی وسعت پر ایک اپنا قبضہ بذریعہ زر خرید یا
شکرانہ وغیرہ بصورت واحد مالک ہیں تیسرے پشت میں طرب و گرت بزرگان ہمارے نے
تقسیم برائے حصہ جدی کر کے رقبہ جداگانہ کر لیا بعد آزاں جس قدر وعت ہوئی القدر اس کے

رقبہ میں ترقی ہوئی اس بات وہ عمل حصہ جدی والا معدوم ہو کر قبضہ پر عمل ہوا اور ہم مالکان قوم کلال کو جس طرح ملکیت حاصل ہوئی وہ محاذ نام ہمارے کے درج ہے بندوبست سرسری میں اس دیہیہ کے بھر ام جداگانہ تھے اس بندوبست میں بباعظ کھیوٹ ہونے رقبہ کی اشتمال ہو کر ایک موضع قائم ہوا ہے اور ایک طرف بجائے حصہ۔۔۔۔۔کے اطراف ذیل۔ طرف گل حسن۔ طرف قمر دین۔ طرف شاہجہان۔ طرف خیف۔ طرف عمر خان۔ طرف صدر شاہ۔ طرف لائق شاہ۔ طرف حسام الدین قائم ہوئے ہیں ایک طرف کو دوسرے طرف سے کچھ واسطہ نہیں ہے پس۔۔۔۔ مندجہ بالا کے صورت دیہیہ ہذا بھیاچارہ مکمل ہے۔

بنگش خیل

ہم مالکان قوم بنگش خیل اولاد مسمی منڈان بنوچی سے ہیں جس کے نام تپہ منڈان مشہور ہے جس طرح قوم بنوچی کو ملکیت اس علاقہ کی حاصل ہوئی اس کا مفصل حال شجرہ نسب کلیات پرگنہ میں تحریر کرادیا ہے جب تقسیم حقیت مابین اولاد منڈان ہوئی تو یہ رقبہ مسمی بنگش مورث ہمارے کے حصہ میں آیا۔ اور بباعث عدم یاداشت کے ہم شجرہ نسب اپنے تک نہیں ملا سکتے صرف مستی خان اور قیصر مورثان تک سلسلہ نسب یاد رکھتے ہیں اور یہ بھی بخوبی معلوم نہیں کہ ان میں بحساب پیمانہ حقیت کیا مناسبت موجود تھی صرف اس قدر حالات یاد ہیں کہ عہد درانیان میں مسمی جانان قوم لیدی نے مورث ہمارے پر چڑھائی کر کے دیہیہ ہذا بقبضہ خود کر لیا۔ اور ظفران وبلوچ وغیرہ نے جو بزرگان ہمارے اس وقت موجود تھے بھاگ کر موضع دلو خیل عبدالرحیم میں پاس مسمی گلزار قوم افغان مرز علی خیل پناہ کر لی اور واسطے استدعا حقوق مقبوضہ خود گلزار سے استعداء د کیا اس نے بخیال نمک افغانی ہمارے مورثان کی ہمراہ ہو کر گاؤں واپس دلوایا اتفاقات زمانہ سے بباعث وقوعہ کے امر ناجائز کے مابین ہمارے مورثان اور قوم مرز علی خیل کے نا سازش ہو گئی تھی اس موقع پر میر حوس پسر گلزار میرز علی خیل نے باہمراہی ملازمان خود بزور

شمشیر ہماری قوم کو بید خل کر دیا اور اس گاؤں پر قابض ہو گیا اور اس نے اپنے چچے اور چچا زاد بھائی اپنے ساتھ حسب ذیل میر حوس (تین حصہ) عثمان خان (ایک حصہ) فوجی خان (ایک حصہ) عمرا (ایک حصہ) شریک ملکیت کرنے اور جانان بر ضامندی خود دست بر اور ہا جب میر حوس وغیرہ مورثان ہم قوم میر ز علی خیل دیہیہ ہذا کے مالک ہو گئے مجادرت کے سبب قوم صابو خیل کے ہمارے ساتھ عداوت ہو گئی اور بعد دنگہ فساد کے قوم مذکور کے ہاتھ سے ہمارا بزرگ مسمی میر حوس قتل ہوا محق خون بہا میں کسقدر رقبہ ہم کو قوم مذکور نے دے دیا اور علاوہ ملکیت قوم بنگش خیل ہمارے ہاتھ میں آئی اور انقلاب کا یہ نتیجہ نکلا کہ کیسقدر اراضی بقبضہ ہم قوم بنگش خیل کے رہی باقی کل پر قوم میر ز علی خیل کے لوگ قابض و متصرف ہو گئے اور اس سبب سے دو طرف ذیل بنگش خیل میر ز علی خیل قوم مالکان پر اپنے اپنے قبضہ کے مشہور معروف ہوئے پھر اندر قوم بنگش خیل و میر ز علی خیل کے رواج تقسیم کا ہے وہ تفصلاً کنعیت طرف وار میں لکھ دیا ہے شاملات دیہیہ کوٹ ویال وغیرہ اراضی غیر ممکن نہیں ہے۔ صورت بھیا چارہ مکمل ہے۔

قبل از حصول ملکیت قوم میر ز علی خیل کے ابادی بنا کر دہ ہم قوم بنگش خیل کے مسمی لنڈی بنگش خیل کے نام سے نامزد ہے جانان اور میری کی لڑائی کے وقت وہ آبادی ویران ہو گئی تھی جب ہم قوم بنگش خیل نے قبضہ حاصل کر لیا اور قوم میر ز علی خیل بھی مالک ہوئے تو دوسری آبادی بنائی لیکن وہ بھی بنگش خیل کے نام سے مشہور ہے اگرچہ عہد سابقہ میں ہم مالکان قوم بنگش خیل اور میر ز علی خیل کے دوسری اقوام افغانہ سے بھی بے اتفاقی تھی اور اکثر دنگہ فساد ہوتا تھا لا یہ گاؤں بھی ویران نہ ہوا بر ابر ہے اور آبادی اس کی چار حصہ بسمائے ذیل
میر عالم میر بت خان میر اکرم خان بنگش خیل واقع ہے تپہ کہنہ یا قلعہ ویرانہ دیہیہ ہذا میں کوئی نہیں ہے۔

العبد
اسد خان

العبد
آمیر خان

العبد
آدم خان
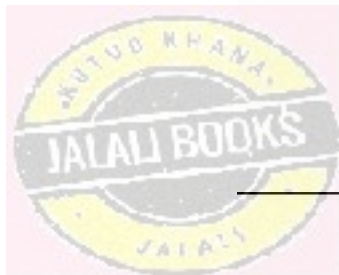
العبد
بھائی خان

العبد	العبد	العبد	العبد
بخت بی بی	بسمیہ	مسمات بیگم	بوستان

میر اکرم نامزاد خیر

بمطابق پہلا بندوبست سرسری بعہد نکلسن سن ۱۹۰۹ء بمطابق مبلغ۔۔۔۔۔۔۔۔

بعہد کاک کوسرا بندوبست ۱۹۱۰ء مبلغ۔۔۔۔۔۔

بھرت

روایات صحیح ہااور حکایات صادقہ سے ثابت اور مسلم ہے کہ پہلے یہ کل علاقہ اقوام ہنی و منگل کے ہو تا تھااور ان قوموں سے قوم بوچی نے بزور شمشیر اور بقوت بازو چھین لیا جس کا پورا حال شجرہ نسب کلیات پر گنہ میں تحریر کرادیا ہے بعد حصول ملکیت کی قوم بوچی میں تقسیم قوم وار رقبہ اس علاقے کی ہوئی جس کی رو سے یہ رقبہ دیہیہ ہذا ہمارے مورث بھرت نامی کو جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالا ملتا ہے حاصل ہوا اور وہ تاحیات خود واحد مالک و قابض رہا جب ہو فوت ہو گیا اس کے دو بیٹے تھے پہلے گرائی اور دوسرے کو محبوب کے نام پر پکارا جاتا تھا ان میں تقسیم حقیت پدری کے کسی قاعدے جدی یا رسمی پر نہیں ہوئی کیونکہ رقبہ مملوکہ زائد از ضرورت تھا جس کو قبضہ کرنے کی طاقت ہوئی اس قدر زمین ملی دیہی قبضہ کے خاص نام سے مشہور نہیں ہوا گرائی اور محبوب کے وفات کے بعد حصہ جدی یا شرعی پر ایسا عمل نہیں ہوا جو قابل ذکر ہو اور ابتدا ہی سے تا زمانے ہمارے تک قبضے کا بلاوجہ حصص روشن و مبین ہے پہلے وقتوں میں جو قریب قریب مسمیان گرائی و محبوب موثان وفات تک یہی قبضہ ہو تا تھا ان میں رقبہ کے کثرت کے سبب تقسیم کی ضرورت نہ پڑتی تھی برضامندی جملہ حصہ داران جس نے جتنا رقبہ قبضہ کر لیا بجز مشگامی کر کے آباد کیا مالک ہوا اور قابض بن بیٹھا حصہ جدی اور رسمی کا نہ کیا دوم ان وصول کے بعد جس کو ہم بیان کر چکے ہیں عنقریب زمانہ سلطنت دورانیان حقیت مابین بحصہ جدی یا رسمی ہوتی رہی وہ بھی قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہماری قوم جنگ و جدل کے باعث بعض وقت مفرور ہوئی اور پھر آکر جو کچھ قبضہ کر سکا قابض ہو گئے بعد ازاں جو تقسیم کے قاعدے پر ہوئی تو اس کو قلنگ لینے مال گزاری سرکار عہد سکھان کالعدم کر لیا اس وجہ سے کہ جس شخص سے جس قدر زمین کا مالیہ ادا ہو سکا اسی قدر اپنی ملکیت رکھی اور باقی سے دستبردار ہو گیا اور اس زمین متروکہ کا جس نے معاملہ ادا کیا وہی مالک متصور ہوا جب نوبت عمل داری سرکار مدار ہوئی تو پیمائش سرسری کے وقت مالکان دیہی نے ملکیت اراضی کی قابضان کے نام درج کرادی خواہ

کوئی شخص بذریعہ رہن یا کاشت زمین خرید و فروخت کی معدوم ہوگئی اب ملک مالک دوسرے مالک کے ساتھ مقابلہ کی صورت میں کچھ نسبت ملکیت کے نہیں ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ پہلے اس گاؤں میں کوئی طرف یا تپہ مشہور نہ تھی صرف شاہ مری قوم کے لوگوں نے آبادی جدا بنائی تھی اب بندوبست سرسری میں بموجب حکم مورخہ ۴ جولائی ۱۸۷۴ء مہتمم بندوبست ایک موضع پائم ہو کر دو اطراف بھرت و شاہ مری آبادیوں کے نام پر اپنے اپنے مقبوضہ پر قائم ہوئی اور طرف بصرت کی تین تپات ذیل گرائی خیل نے آبادی بنائی اور نام سے معروف ہیں بھرت ابادی کلاں۔ ناصر خان۔ کوٹکہ ممبر زمان۔ کوٹکہ طور کمند۔ کوٹکہ رضا خان۔ کوٹکہ حکیم۔ کوٹکہ فریق۔ کوٹکہ شاہ مری ایک تپہ کہنہ موسوم بہ آکرہ پہلے وقتوں کا دیہیہ ہذا میں واقع ہے جو ملکیت سرکار ہے۔ کچھ زمین علیحدہ دیہیہ ہذا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے عید سکھان اور دورانیان ادائے مال گزاری کا کوئی قاعدہ دستور نہیں تھا اگر کسی سال حاکم آگیا زور سے معاملہ وصول کر لیا جب عملداری سرکار ہوئی تو سرکار نے معاملہ اس گاؤں کا بطور حال تحصیل بموجب پمایش اہلکاران لیا۔ ھمارے گاوں کا مالیہ دو ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا جو بعد میں ۲۳۰۲ روپیہ مقرر ھوا۔

عمر شاہ نمبر دار　صلح میر نمبر دار　ولی خان　مر غزار　سمند رخان

مہر	مہر		
قفا خان	مغل خان	رضا خان سر کمیل۔	لالبیگ
میرزا خان	شادی خان	سکندر خان	محمد گل
شکر اللہ	ز قوم ولد ایم	پھلوان	زغم گل
بانی گل	سیدل	کشانہ	امین خان
حیرت سنگھ	نہال چند	لادام داس	جسونت رام
دیوی وغیرہ			

خوجڑی (خوزڑی)

پہلے رقبہ دیہی ہذا شامل موضع خوجڑی شکر اللہ کے ہوتا تھا عرصہ چار پشت کا ہوا کہ مسمی کلی
خان قوم افغان سید خیل مورث ہمارے نے کہ جس سے سلسلہ ہم شکر اللہ وغیرہ کا ملتا ہے اور
بباعث عداوت کے شریکان یک جدی کے یہ رقبہ علیحدہ کر کے موضع جداگانہ قائم کر لیا اگرچہ
تقسیم حقیت کلی خان مورث نے بحیات خود بحساب چونڈ ونڈا

حسب ذیل
اولاد زوجہ اول (چار حصہ) اولاد زوجہ دوئم (چار حصہ) اولاد زوجہ سوم (ایک حصہ) کر لی ہے
اور پھر ایک زوجہ کے اولاد نے بطریق پگ ونڈا اپنے حصص کے زمین کو بانٹا الا یہ تقسیم اختلاط
اراضیات موقوعہ موضع خوجڑی شکر اللہ ہوئی اسلئے کئی حصہ دار کو موضع مذکورہ میں حصہ زیادہ
ملا صرف دیہی ہذا میں وزن پیمانہ کا پورا نہیں آیا قبضہ وار عمل درآمد اور دوسرے مورث ذیل
ہیں۔ فتح خان۔ میر خان مکن خان۔ آدم خان۔ مروتی۔ ہم مالکان قوم نے مثل کلی خان کی اپنی تقسیم بحصہ جدی
حقیت سے کسی قدر اراضیات شامل دیہی ہذا کر لی مالکان اولاد مورثان مذکور میں
ہوئی ہے جس طرح اولاد کلی خان میں مناسب پیمانہ ملکیت معدوم ہوئی اس طرح ہمارے
درمیان قبضہ کا رواج ہے اور مورثان ہم مالکان ممہ خیل۔ نانگہ۔ ترخیل۔ ککی۔ مغل خیل۔
قمری خیل وغیرہ جس طرح دیہی ہذا میں قبضے کے مالک ہوئے اس کا مفصل حال مجازی نام
ہمارے درج ہے۔

وجہ تسمیہ =۔ خوجڑی سید کے نام سے نامزد ہوا جب نمبردار مر گیا اور بابر خان ملک نمبردار مقرر
ہوا اب نام گاؤں اوپر نام نمبردار کے خوجڑی بابر خان کے نام سے مشہور ہے متعدد نام اور دستخط

ہمزادولی خان نمبردار۔ صحبت خان۔ میر ہاشم۔ بہلول خان نمبردار
مستی خان۔
پائیندہ خان۔ پنورام۔ چپ رام۔ میر عالم خان
نظر شاہ۔ شاہ مدی۔ فیض اللہ دردود خان۔ اعظم۔ پیاؤ وغیرہ۔

برائے سرسری بندوبست اولین مالیہ ہمارے گاؤں کا مبلغ ۱۴۰۰ روپیہ
برائے بندوبست ثانی مبلغ ۱۲۴۵ روپیہ مقرر رہوا۔

حسن خیل عیسکی

مضمون۔

حسن خان مورث اعلیٰ ہمارا کہ جس نے پہلے اپنی ملکیت اس گاؤں کی حاصل کی قوم افغان عیسکی سے تھا جو ایک شاخ قوم ہوچی کی ہے تقسیم برادارنہ کی رو سے یہ رقبہ جس پر وہ اپنی حیات تک مالک و قابض رہا اس کے و... کے بعد غزنی۔ مونک۔ سماعل پسرانش بحصہ برابر بلا تقسیم اراضی بصورت زمینداری بلا اجمال قابض رہے۔ جب مونک اور سماعیل مر گئے تو ہر دو کی اولاد حسب ذیل پسران مونک پسران سماعیل باقی رہے۔

پسران مولک ہیبت اور غزنی خان جو حیات تھا اس کا گزارا برادر زدگان سے نہ ہوسکا تب ان پانچ کسان نے جن کا اسامی و تعداد اوپر ذکر ہوچکا ہے اراضیات دیہی ہذا کو پانچ جگہ حسب حصص جدی تقسیم کر لیا اور اطراف ذیل۔

غزنی خیل۔ ہیبت خیل۔ مونک خیل۔ سماعل خیل۔ زبر خیل۔ قائم ہوئی طرف اول و دوئم و پنجم۔

بنام قاسمان مشہور ہوئی سوئم و چہارم عزت خان اور رورہ قاسمان کی والدان کے نام پر بعد ازاں اس قدر انقلاب پیدا ہوا کہ ہیبت خان کی طرف غلط العام کے سبب عابد خیل کے نام سے نامزد ہوئے اور طرف پنجم زبر مورث کے پوتے شری کے نام سے تبدیل ہوئے جس سے اسامی اطراف بمطابق ذیل۔

غزنی خیل۔ مونہ خیل (مونک خیل) سماعل خیل۔ شری خیل مشہور ہیں۔ لیکن نسبت پیمانہ فی زمانہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ مابین ہم مالکان اکثر عمل خرید و فروخت کا بلا لحاظ پیمانہ ہوا اور نیز سرسری شامل اطراف ہوگئی۔

اقوام مختلف کے اراضیات و حدبست سرسری شامل اطراف ہوگئی۔

وجہ تسمیہ۔ مسمی حسن خان مورث نے بعد پانے قبضہ کی اراضی دہیہ ہذا میں آبادی بنائی اور نام اس کا حسن خیل مشہور ہو آبادی اس کے پانچ جگہ حسب ذیل۔

غزنی خیل۔ عابد خیل۔ مونہ خیل۔ ساعل خیل۔ شری خیل طرف وارواقع ہیں۔

العبد

وزیراعظم نمبردار میراگل نمبردار میر سر خان میاں داراخان

مہر مہر مہر مہر

(سرور خان نمبردار)۔ احمد خان پسر لامہ خان پسر خانانی پسر عالم خان پسر غزنی خان پسر حسن خان تھامہر تپہ بازار احمد خان پر عہد لکھنادرانیان مبلغ ۰۰/ ۹۰۰ روپیہ کلنگ

نوٹ۔ غبل اور لاد نمبل کو (بمطابق سابقہ مال) فتح خان (جوآپس میں چچازاد بھائی تھے) قوم افغان اصل ساعل خیل باتعاون جنگ باز خان اولاد جنگ باز خان (لال باز خان ودراب خان) قوم افغان شاہ بزرگ خیل نے قتل کر کے میراث ان کی بحصہ ذیل بقبضہ خود کرلی اس واسطے اولاد نمبل خان دیہیہ ہذامیں مالک نہیں ہیں۔

اولاد فتح خان (ایک حصہ) اولاد جنگ باز خان (تین حصہ)

خاندان فتح خان

وزیرخان۔ حیدرخان۔ پریزخان پسران فتح خان پسر لوچی خان پسر چمناپل۔ پسر رورہ پسر ساعل خاندان نمبل۔ دکس ومستی پسران نواز نواز۔ درخون۔ عیسیٰ خان۔ نورنگ پسران نمبل پسر رورہ پسر ساعل۔ سالانہ مالیہ مبلغ ۹۰۰ روپیہ بندوبست سرسری اوّل مقرر رہوا۔

دلو خیل عبدالرحیم

مضمون۔ جن ایام میں قوم افغان بلوچی نے اس ملک پر قبضہ پایا تو یہ رقبہ ہمارے مسمی خونای خان قوم افغانمیرزعلی خیل کے قبضے میں آیا کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالا سے نویں پشت سے ملتا ہے۔ اپنی حیات میں وہ واحد مالک رہا جب وہ مر گیا تو اس کے دو بیٹے دلائی و صابو خان نے رقبہ پدری کو بحصہ مساوی تقسیم کر لیا صابو خان نے موضع صابو خیل آباد کر لیا اور موجودہ موضع دلو خیل پر دلائی خان مورث ہمارا قابض رہا اس کی اولاد میں اسمٰعیل تک گاؤں بصورت زمینداری خالص رہا۔ اسمٰعیل کے پانچ بیٹے ہوئے گلزار۔ غلام۔ جوجی خان۔ عمرا۔ جنان۔ ہر سہ پسران اخر اند کرنے اپنے اپنے حصہ کی اراضیات میں جو ان کو وراثت میں ملی تھی بنام خود ۲ دیہات آباد کئے اور پسران اولین گلزار۔ غلام بدستور اس گاؤں میں آباد رہے لیکن ان میں بھی کوئی پیمانہ نہیں تھا ہر ایک بموجب استطاعت اپنے اپنے مقبوضے کا مالک تھا۔ بعد میں پسر اولین (گلزار) نے اپنا رقبہ علیحدہ کر کے اپنا گاؤں آباد کیا۔ کسی قدر اراضی اس کی ملکیت دیہہ ہذا میں رہی جس پر اولاد اس کی حسب قبضہ مالک ہے۔ صرف یہ گاؤں قبضہ اولاد پسر دوم (غلام) کے رہا چنانچہ اندرون اولاد گلزار و غلام خان کے تقسیم حقیت بھی کسی قاعدے جدی یا رسمی پر نہیں ہوئی اور قبضے کا عمل درآمد ہے اندرونی رواج مابین مالکان مستعمل ہے وہ مجاذ ان کے درج ہوا کہ جو اشخاص اقوام ذیل کے افغان۔ قریش۔ اروڑہ خٹک۔ لوہار۔ سید۔ زرگر۔ جس جس طرح سید دیہیہ میں مالک ہوئے ان کی حصول ملکیت کی وجہ محازی اسماء ان کی مفصل درج ہے کوئی پیمانہ نہیں صرف قبضہ ہی ہے۔

وجہ تسمیہ۔ خونانی خان مورث نے جب قبضہ پایا تو رقبہ ہذا گڑھی دلائی خیل رکھا لیکن غلط العام کے سبب گاؤں دلو خیل زبان زد عام ہوا جب عملداری سرکار دولت مدار تک بدستور اسی نام سے مشہور چلا آرہا ہے۔ عملداری سرکار میں عبدالرحیم نمبردار دلو خیل عبدالرحیم مشہور ہے۔ عہد نادر شاہ میں بباعث مقابلہ کرنے ہمارے مورث نے بادشاہ کے ساتھ ایک دفعہ یہ گاؤں ویران

ہو گیا تھا بعد اس کے پھر بدستور اسی جگہ آباد ہو گیا اس کے بعد پھر بھی ویران نہیں ہوا۔ برابر آباد ہے۔ جو ۱۰۰ا روپیہ قلنگ ہم مالکان قوم دلو خیل و صابو خیل کے عہد دورانیان و سکھان آتا تھا ے (۹) حصہ صابو خیل اور (۱۱) حصہ ہم دلو خیل ادا کرتے تھے دلو خیل پر جتنا قلنگ آتا تھا اس کو ملک میر حوس خان و ملک میر عالم نمبر داران اپنی حیات میں اپنی گرہ سے ادا کرتے رہے دیگر حصہ داران سے کچھ وصول نہیں کرتے تھے ان کی وفات کے بعد ہم مالک وار قبضہ وار قلنگ ادا کرتے رہے جب سرکار انگریز کی عملداری ہوئی تو ۱۸۵۱ء میں خام تحصیل کے طور پر چہارم حصہ کل پیداوار کا سرکار کو دیا جاتا تھا۔ بعہد نکلس ہمارے گاون پر ۰۰/ ۱۰۴ا روپیہ مالیہ مقرر ہوا۔ دور کاکس صاحب آے تو انہوں مبلغ ۰۰/ ۱۱۰ روپے مالیہ مقرر کیا ہم اسے قبضہ وار تقسیم کرتے تھے۔

نوٹ۔ میر ز علی خیل اصل بنوچی ہیں۔ بعض لوگ محسود قرار دیتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ محکمہ مال کے ریکارڈ سے مترشح ہوا کہ میر عالم خان نمبر دار اپنے متعلقہ مالکوں کا مالیہ اپنی جیب سے ادا کرتا رہا مگر ایڈورڈز نے بے جا تہمت لگائی کہ انہوں نے اضافی لگان جمع کر کے سرکار سے دغہ کیا گویا ایڈورڈز بہانے تلاش کرتا رہا۔ ایڈورڈز کی نظروں میں یہ شخص شروع ہی سے مشکوک تھا کیونکہ جنھڈو خیل کے مقام پر جب بنوں کے دیگر مالکان ایڈورڈز کی پیش وائی کے لئے حاضر ہوئے تو بازید خان۔ میر عالم خان نہیں آئے تھے مزید جب پانچ اشخاص نے حلف لیا کہ وہ کارٹ لینڈ اور ایڈورڈز پر حملہ کریں گے تو مخبر کے اطلاع کے مطابق ان اشخاص کا تعلق بھی میر عالم خان کے قلعہ سے جوڑا گیا جس کی میر عالم خان سے پوچھا گیا مزید جن تین سرکاری اہلکاران کو قتل کیا گیا تھا ان کا شبہ بھی میر عالم خان کے لوگوں پر تھا۔ میر عالم خان نے انگریزوں کی مخالفت میں کوئی کسر روا نہ رکھی اور جب دسمبر ۱۸۴۸ء میں سکھوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی تو اس میں بھی میر عالم خان ٹوانہ قلعہ دار کو قتل کر کے بنوں شاہی قلعہ پر قابض ہوا اور اپنے چھوٹے بھائی کو والی کابل کے پاس روانہ کیا وہ بھی میر عالم خان کے ساتھ شاہی قلعہ پہنچ گئے بنوں والوں سے چالیس ہزار روپیہ جمع کیا اور خود خوست مفرور ہوئے۔ بعد میں میر عالم خان کو

والیے کابل کی سفارش پر بنوں آنے کی اجازت مل گئی مگر پھر بھی محروم رہا۔ جس پر وہ مایوس ہو کر
ایک بار پھر خوست چلا گیا اور وہیں مر گیا۔ اس کی جگہ پر شکر اللہ خان ملک بنا یہ اس کی خوش قسمتی
تھی ورنہ پہلے وہ قابل التفات نہیں تھا۔

شکر اللہ حسین

مضمون۔ پہلے رقبہ شامل موضع دلو خیل عبدالرحیم کے ہوتا تھا عرصہ تقریباً ۲۰۰ برس کا گزرا
ہے کہ مسمی اسمل خان مورث ہمارے نے جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالہ پانچ
پشت سے ملتا ہے بباعث عدم گنجائش سکونت کے موضع مذکورہ میں اپنی ملکیت کا رقبہ علیحدہ کر
لیا۔ اور ایک علیحدہ گاؤں آباد کیا۔ بحیات خود وہ مالک رہا اس کی وفات کے بعد گلزار خان۔ غلام خان
۔ جوجی خان۔ عمرا خان خنان ہر پانچ پسران نے حقیت باپ کو بحصہ مساوی تقسیم کیا ۔ پھر اولاد
ہر ایک مورث متذکرہ صدر نے تقسیم بحصہ جدی ہوئے لیکن یہ تقسیم اب قائم نہیں رہی رجہ
خرید و فروخت ہے آبادیوں کے نام پر دو اطراف ذیل۔
شکر اللہ، حسین بلا نسبت پیمانہ ملکیت اپنے اپنے مقبوضہ کے مشہور ہیں۔
وجہ تسمیہ۔ جب اسمل مورث نے آبادی بنائی اور نام اسکا دلو خیل بلحاظ اصلی کے رکھا جب وہ
مر گیا تو اس کی اولاد جوجی خان و عمرا نے دوسری آبادی بنائی جس کا نام بنگش خیل رکھا گیا اور تر
تیسری گڑھی خنان نے بنائی جو گڑھی خنان سے مشہور ہے عملداری سرکار تک وہی نام رہا مگر
بعد میں پہلی آبادی کا نام بلحاظ گڑھی نمبردار حسن اور دوسرے کا نام شکر اللہ اور تیسرے کا نام
شکر خان مشہور ہوا چونکہ یہ تینوں آبادیوں ایک مد بست میں واقع ہیں۔ اس لئے ان کا نام
شکر اللہ حسین رکھا گیا۔ جو اب تک مشہور ہے روز آبادی سے آباد ہے۔ ہیچ کہنہ یا قلعہ ولرانہ کوئی

نہیں ہے۔ عہد سکھان میں اور اس سے پہلے قلنک کارواج تھا جس قدر روپیہ موضع دلو خیل کے اوپر مقرر ہوتا تھا اس کو میر ہوس خان اور اس کے بعد میر عالم خان اپنے پاس سے ادا کرتے تھے اور دوسرے حصہ داران سے عمل خام مختلف اوزان مجملہ وصول کرتے تھے۔

دستخط و مہر وغیرہ

نوٹ۔ مصنف مکرر کہتا ہے کہ میر زعلی خیل اصل ہو چکی ہے یہ جو مشہور ہے کہ یہ قبیلہ اصل محسود ہے یہ محض افواہ سازی کا کرشمہ یا جہل کا نتیجہ ہے جبکہ اس قبیلہ کے اکابرین خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ افغان ہو چکی ہیں۔

سالانہ مالیہ بعہد نکلسن صاحب بہادر مبلغ ۲۷۴ روپیہ مقرر ہوا جب کہ بعد میں ۵۱۰ روپیہ کر دیا گیا۔

دلو خیل ظالم

مضمون۔ پہلے یہ رقبہ بقضہ قوم بنگش خیل کے ہوتا تھا میر زعلی خان ہمارے مورث نے کہ جس سے سلسلہ نسب بارہ پشت سے مندرجہ بالہ ملتا ہے قوم مذکور کو بزور شمشیر بید خل کر کے ملکیت دیہی ہذا پر قابض ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اسمل تک و تقسیم حقیت نہیں تھی اور واحد واحد مالک چلا آیا جب اسمل مر گیا تو اس کی پسران سے گلزار خان موضع بنگش خیل کی ملکیت پر قابض رہا اور غلام خان حقیت موقوعہ موضع دلو خیل عبد الرحیم کو اپنے گزارے کے واسطے کافی سمجھا اور جوجی خان۔ عمر او خنان ہر سہہ برادران باقی ماندہ نے اراضیات ترکہ پدری دیہی ہذا کو بحصص مساوی تقسیم کیا ان کی اولاد میں تقسیم بحصہ جدی ہوئی لیکن اس تقسیم میں مقدار حصص کا کسی پیمانہ پختہ کے رو سے مقرر نہیں ہوا اندازے کے طور پر حصے جدا کئے۔

وجہ تسمیہ۔ پہلے بزرگ ہمارے بااقامت موضع دلو خیل عبد الرحیم بنگش خیل رقبہ ہذا سے اس رقبہ میں آبادی بنائی اور بمعہ دیگر شریکان جدی آباد ہوا اور نام موضع کا میرے نام پر بلحاظ نام اصلی

خود کو دلو خیل عبد الرحیم سے نامزد ہے داو خیل ظالم لے مشہور ہوا روز آبادی کے آباد تھے کبھی
ویران نہیں ہوا۔ بندوبست سرسری کے مطابق موضع کا مالیہ ۲۲۵ روپیہ مقرر ہوا جو بعد میں
۲۷۵ روپیہ ہو۔ مالیہ سالانہ سمت ۱۹۱۹ء بمطابق بندوبست سرسری اول مبلغ ۲۲۵ روپیہ
بندوبست سرسری دوئم میں ۲۷۵ روپیہ مقرر رہوا۔

خوجڑی (خوزڑی)

مضمون۔ اول بنیاد حصول ملکیت تقسیم اراضی۔

جب ہماری قوم بنوچی نے کوہ شوال سے خروج کر کے اقوام ہنی و منگل کو اس ملک سے بیدخل کر دیا جب تقسیم رقبہ قوم بنوچی میں ہوئی تو یہ رقبہ جو اس وقت اکثر غیر آباد تھا بحصہ مسمی خوجڑی مورث اعلیٰ ہمارا کے حصہ میں آیا۔ کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے اس کی وفات کے بعد تقسیم حقیت مابین پسران اش بحصہ برابر ہوئی اور ان کی اولاد میں بھی رواج حصہ جدی کا رائج رہا جب عملداری درانیان ہوئی تو بباعث نااتفاقی ہم مالکان کی جو حصہ دار زور آور ہوا اس نے کم زور حصہ دار کی زمین جبراََ و قہراََ دبالی بعض حصہ داران غربت و عدم ادائے کلنگ کی وجہ سے ملکیت چھوڑ دی اور دستبردار ہو گئے اس طرح حصص جدی معدوم ہو گئے اور قبضے کا رواج ہو گیا بعد ازاں اگرچہ دوسرے حصہ داران میں تقسیم بحصہ جدی ہوتی رہی اور کلی خان نے بھی اپنی حیات میں اپنی اراضی کا چار حصہ کر کے حسب ذیل اولاد زوجہ اول (ایک حصہ) اولاد زوجہ ثانی (ایک حصہ) اولاد زوجہ ثالث (تین حصہ) تقسیم کی اور کھاتہ وار ملکیت جداگانہ کر لی اور پھر اندر اولاد ہر ایک زوجہ کلی خان کی تقسیم بحساب پگ ونڈ ہوئی الا اس قسم کے بعد اولاد کلی خان نے اکثر اراضیات دیگر حصہ داران سے بروئے ادائے کلنگ اپنے قبضے میں کر لی اور بابر خان نے جداگانہ گاؤں جو اس وقت خوجڑی بابر خان مشہور ہے سور کمند وغیرہ اولاد نوراز نے موضع جان خان خوجڑی وڈا کری

وغیرہ اولاد ضیاء معروف لنڈنی موضع جان بدر لنڈ اا اپنے اپنے حصہ کی اراضیات میں اباد کر لی اور
اراضیات بھی علیحدہ کر لئے۔ تو اولاد کلی خان وغیرہ نے بھی حصہ جدی معدوم ہو کر قبضہ پر عمل
عرامد ہو گیا۔ اور یہ تقسیم جو اوپر درج ہے کسی طرف یا پتی کے نام مشہور نہیں ہوئی الا بندوبست
سرسری میں دو آبادی کے لحاظ پر جمع جداگانہ تجویز ہو کر دو موضع قائم کی گئی تھیں آب بندوبست
حال میں ۳۱ اگست ۱۸۷۴ء مہتمم دو گاؤں کو ایک گاؤں بجائے آبادی دو طرف ذیل۔
طرف شکر اللہ۔ طرف ببر خان قائم ہوئی لیکن ایک طرف کو دوسری طرف سے کچھ نسبت
پیمانہ نہیں ہے اور اندر اطراف جو جو مالکان بذریعہ زرخرید ہوئے بنجر شگافی یا بروئے ادائے کلنگ یا یا
دائے خدمت گری ملک اپنی اپنی قبضے کی ہوئی ہے ان کا حال ملکیت اطراف میں لکھا دیا ہے۔
وجہ تسمیہ۔ ہمارا مورث کے حصے میں جو رقبہ آیا اس میں آبادی بنا کر آباد ہوا اور گاؤں کا نام اپنے نام
پر خوجڑی رکھا بعد ازاں جو جو ملک دیہیہ ہذا میں ہوتا رہا گاؤں کا نام بھی تبدیل ہوتا رہا جب
ابتدائے عمل داری سرکار انگریز میں دو کس نمبر دار شکر اللہ و بابر خان مقرر ہوئے اس وقت
دونوں نے دوسری آبادی بنائی نام گاؤں دو موسوم ہوا خوجڑی شکر اللہ خوجڑی بابر خان بندوبست
حال میں دو آبادی کا ایک موضع ہو کر نام موضع خوجڑی جو ابتدا میں تھا قرار دیا گیا جو مشہور ہے اور
ابادی گاؤں چھ جگہ ذیل۔ ۱) شکر اللہ ۲) ستر خان ۳) جنگی خان ۴) کلیم خان ۵) میر قلم
۶) کوٹکہ نارے ۱۸۸۷ء مطابق بندوبست سرسری سالانہ مالیہ ۱۴۰۰ مقرر ہوا۔ اور بندوبست
دوئم میں مبلغ ۵۶ روپیہ اضافہ مقرر ہوا۔

بہت سارے دستخط۔

ذاکر خیل سورانی

مضمون۔ ذاکر مورث ہمارا کے جس سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالا ملتا ہے اولاد
خونائی سورانی سے ہے جب اس کے ہمراہ شریکان انکے عداوت ہو گئی تو اس نے اپنا حصہ علیحدہ

کر لیا اور نحیات خود وہ واحد ملک رہا اس کی وفات کے بعد جس طرح تقسیم حقیت اس کی اولاد میں ہوئی اس کا تذکرہ کیفیت تاریخ وار میں لکھا ہے۔

اور ملا نور بیگ مورث ہم ملکان ہم اخوند کا یہ حال ہے یہ مورث ہمارا بطور طالب علم اس ملک میں آیا یہ اصلی باشندہ کوھستان علاقہ غیر کا تھا پہلے بوزہ خیل میں رہ کر پھر دیہیہ ہذا میں رہنے لگا۔ مالکان قوم ذاکر خیل نے اس کو صاحب عمل خیال کر کے کسی قدر اراضی گزارے کے لئے دے دی اور مورث نے اس کو موضع مذکور سے جدا کر کے علیحدہ گاؤں بنایا۔ بندوبست حال تک دونوں موضع جداگانہ رہے بوقت بندوبست حال یہ دونوں گاؤں کی ایک موضع قائم ہوا اور دو اطراف باسامی مورثان حسب ذیل۔

ذاکر خیل ابراہیم گل اپنے اپنے مقبوضہ کی قائم ہوئی۔

وجہ تسمیہ۔ ذاکر خیل کو ذاکر نے بنایا اور ذاکر نام رکھا اور ملا نور نے اپنی آبادی بنائی جس کا نام اس قوم پر قلعہ اخوندان مشہور ہوا۔ ابراہیم گل کے وقت سے قلعہ ابراہیم گل کہا جاتا تھا اب بموجب اندراج دونوں گاؤں کا اشتمال ہوا تو نام پر دو موضع کا ذاکر خیل ابراہیم گل مشہور ہوا۔ آبادی اول ایک دفعہ بباعث نااتفاقی قومی بعہد درانیان ویران ہوئی بعد آمن پھر آباد ہو گئے۔

شہباز عظمت خیل

مضمون۔ دفعہ اول بنیاد تقسیم اراضی اولین۔

جب اولاد عیسک خان نے دیہات مملوکہ باپ کو تقسیم کیا تو رقبہ دیہیہ ہذا بحصہ سکندر قوم افغان مورث ہمارے کے میں آیا۔ کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے۔ حسن خان اور صدر لے اور شمسا ے کو دیہات مختلف کہ جن کی تشریح ان کی محازی نام ہو چکی ہے حصہ میں ملی۔ سکندر کے پسران مسمیان ۱) حیات ۲) سلیم ۳) محبت نے جب حقیت پدری کو تقسیم کیا تو رقبہ ہذا بحصہ برابر حیات و محبت کے حصے میں آیا۔ سلیم موضع سکندر خیل و اسمل خیل پر قابض رہا۔ حیات کی اولاد میں ایک مدت واحد مالک چلا آیا اور محبت کی اولاد میں مابین حجان و شجاع پسران ش

تقسیم بحصہ مساوی ہو کر شجاع نے اپنا گاؤں علیحدہ قائم کر لیا اور اسی زمانے میں مسمی زرغون مورث ہم مالکان قوم قریش کسی قدر اراضی باجازت حاکم وقت مالکانہ حاصل کر کے گاؤں جدا گانہ میں مالک ہوا چنانچہ یہ ہر سہ موضع تا بندوبست حال علیحدہ رہا اب بموجب حکم ۲۳ مئی ۱۸۷۴ء مہتمم بندوبست بخیال کھیوٹ ہونی رقبہ اور یکجدی ہونے مالکان کے یکجا شامل ہو کر واحد موضع قرار پایا اور تین آبادی کے لحاظ سے اطراف ذیل۔ شہباز خیل۔ عظمت خیل۔ محمد گل اپنے اپنے قبضے کے مالک ہوئے پھر اندر طرفوں کے جس طرح تقسیم اندرونی ہوئی اس کا مجمل حال کیفیت تاریخ وار میں درج ہے۔

وجہ تسمیہ۔ بروقت حصول قبضہ سکندر مورث سابقہ بنا کر اپنے والد عیسک خیل کے نام سے مشہور ہوا حیات کی زندگی تک آبادی بدستور آباد ہے پھر مسمیان شہباز پسر حیات و شجاع پسر محبت نے اپنے اپنے حصہ کی دیہات جداگانہ قرار دیکر آبادی بنائی پہلے آبادی ویران ہو گئی۔ شہباز کی آبادی شہباز خیل کہلائی۔ حجان پسر محبت کا شامل شہباز رہا بعد ازاں عظمت جو شجاع کے پوتے تھے نے ایک اور آبادی بنا کر اس کا نام عظمت خیل نامزد کیا اس کی اور اس کے دادا کی لبادی کو عوام الناس عظمت خیل کہلانے لگے زرغون قریش نے اپنی آبادی بنائی اور لباد ہوا ان دنوں اس آبادی کا نام زرغون خیل بولا جاتا تھا جو فی زمانہ بموجب رواج ملک محمد گل والد نسیم کے نام پر موسوم ہوا الاجاننا چاہتے کہ اب بندوبست حال بموجب ہر سہ آبادی ایک ہو کر سابقہ نام شہباز عظمت خیل مشہور ہوا اور آبادی اس کی چھ جگہ پر ہے شہباز خیل عظمت خیل اللہ داد خان پیر دوست حزر خان۔ محمد گل واقعہ ہے۔

یاد رہے قلنگ کو ٹکہ محمد گل پر معاف تھا کیونکہ وہ قریش تھا۔

مہر نقشبن نمبر دار

میر حزر خان نمبر دار

مہر طالع خان نمبر دار۔

بعہد کاکس صاحب سالانہ مالیہ حسب ذیل ہے۔ طرف شہباز خیل ۳۰۰ا روپیہ طرف عظمت خیل ۱۴۲ روپیہ طرف محمد گل ۴۲ روپیہ

خواجہ مد

حال حصول ملکیت ہمارا موضع کفشی خیل مظفر خان میں درج ہو چکا ہے بروئے حصہ جدی یہ رقبہ ہمارے مورث مسمی لیدی قوم افغان کے حصے میں آیا جس سے سلسلہ نسب ہمارا بارہ پشت میں ملتا ہے۔ جب بعد لیدی مر گیا تو مابین پسر انش تقسیم مطابق حصہ جدی ہو کر عباس خان پسر دوم نے اپنا علیحدہ موضع بنایا اور خواجہ مد مورث ہمارا عباس خان پسر دوم نے اپنا علیحدہ موضع بنایا اور خواجہ مد کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے چار بیٹے ہیں۔ ۱) محمد ۲) ڈاڈی ۳) دورانی ۴) آبیت خان۔ ڈاڈی اور دورانی دونوں منجھلے بھائیوں کو گڑھی شہر دست خیل میں حصہ آیا اور محمد اور ابیت خان نے حقیت پدری جو اس جگہ واقع تھی بحصہ مساوی تقسیم کر لیا پھر محمد ابیت خان کی اولاد میں بھی بحصہ جدی تقسیم ہوتی رہی الاہر ایک کو تقسیم کے بعد زمین کی خرید و فروخت ہوتی رہی اور اکثر حصہ دار اراضیات کو توڑ کر اپنے مقبوضے کے ساتھ شامل کرتے رہے اس لئے تمیز حصص جدی کالعدم ہوتی گئی اور قبضہ کا عمل درآمد ہو گیا۔ ذیل کے اطراف مشہور ہیں۔ خواجہ مد۔ کٹا خیل شاہ مدی۔

وجہ تسمیہ۔ بعد حصول ملکیت پدری مورث نے اپنے رقبہ ملکیت میں آبادی بنائی اور آباد ہوا اور نام گاؤں کا مورث کے نام پر کلہ لیدی کے نام مشہور ہوا جب اولاد مورث کی بکثرت ہو گئی تو ان میں دنگا فساد ہوا لہذا ان سے سک مورث نے خروج کیا اور اپنی آبادی علیحدہ بنائی اور نمعہ تربوران وہاں آرہا۔ اس آبادی کا نام اپنے بزرگ خواجہ مد کے نام پر رکھا پھر اولاد ابیت خان نے اپنی جداگانہ آبادی بنائی اور کٹی خیل کے نام سے نامزد کیا اور پہلی آبادی لنڈی والی ویران ہو کر پھر مزروعہ ہے اور تیسری آبادی مسمی مدی قوم کے مالکان نے موضع ہنجل سے اراضی زر خرید کر کے تعمیر کر لی جس کا نام بانی کے لحاظ پر گڑھی مدی مشہور ہے انہر رسہ آبادیوں کو خواجہ مد کے نام سے بولا جاتا ہے۔ عہد سکھان میں قلنگ کا رواج تھا جس قدر روپیہ تپہ منڈان پر مقرر ہوتا اس کا ۲۴واں حصہ ہمارے گاؤں سے لیا جاتا تھا اور پھر ہم اندرون باہم مالکان نسبت سے

تفریق ہوتا تھا اور دہم حصہ کا پیداوار حق مہمانان و محتاجان معرفت ملک صرف ہوتا تھا کی ویشی اس اس کی سال تمام تک ملک رہتے تھے۔ بعہد نکسن مالیہ سالانہ مبلغ ۴۰۵ روپیہ۔

داود شاہ

مضمون۔ اول بنیاد۔ حصول ملکیت و تقسیم اولین۔ ہم ملکان اولاد داود شاہ سے ہیں حال حصول ملکیت ہمارے کا موضع مشر میں درج ہو چکا ہے بروقت تقسیم برادرانہ یہ رقبہ مورث مسمی کشر قوم افغان داود شاہ کے حصے میں آیا کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے تو وہ قابض و معترف ہوا جب وہ مر گیا تو اس کی حقیت مابین پسر نش خواجہ خان۔ گلہ بحصہ مساوی تقسیم ہوئی۔ خواجہ خان نے اپنی حصہ کی اراضی علیحدہ کر لی اور ایک موضع مقرر کیا جو فی زمانہ موضع لداخیل کے نام سے مشہور ہے اور گلہ مورث ہمارا دیہی ہذا پر قابض ہوا جس کی اولاد ہم ملکان گلہ خیل مشہور ہیں۔ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد کے درمیان تقسیم حقیت کسی پیمانہ جدی یا رسمی پر نہیں ہوئی ہے۔ زمین افتادہ تھی جس قدر اولاد مورث کی استطاعت ہوئی اسی قدر آباد کر کے قبض ہوئی اولاد مورث نے اکثر وقتاً فوقتاً آبادی جداگانہ بنا کر مقبوضہ خود اس کے متعلق کرتے رہے حتیٰ کہ بندوبست سرسری میں بلحاظ تعداد آبادیوں کے اراضی ملکیت ہم ملکان کی سات موضع تجویز ہوئے بندوبست حال بموجب کھیوٹ قلیل مقدار ہونے اراضیات کے ہر موضع کی اشتمال ہو کر حسب الحکم یکم اگست ۱۸۷۴ء جناب مسٹر تھاربرن صاحب مہتمم بندوبست ان گاؤں کا واحد موضع قائم ہوا اور بجائے ہر موضع سابقہ کی ایک طرف تجویز ہو کر سات اطراف حسب ذیل ۱) طرف منصور ۲) طرف مہتر ۳) طرف دلاسہ خان ۴) عزیز خیل مردلی ۵) صاحب خیل ارسلا ۶) صاحب خیل شہزادہ ۷) عزیز خیل میر حسن اپنے اپنے مقبوضہ کی قائم ہوئی۔

وجہ تسمیہ۔ کشر مورث نے بعد حصول ملکیت مقبوضہ رقبے میں آبادی بنائی اور آباد ہوا اور نام

گاؤں کا موضع کشر رکھا جب لیکن جب اولاد مورث کی زیادہ ہو گئی تو گالہ خان پسر کش نے دوسری آبادی بنائی اور پہلی آبدی ویران ہو گئی گلہ خان کی آبادی کا نام مورث اعلیٰ کے نام سے گلہ خیل رکھا گیا مدت تک وہی نام چلا آیا جب عملداری سرکار میں نورائی نمبردار اس گاؤں کا مقرر ہوا تو نام موضع گلہ خیل نورائی مشہور ہوا اور بر قوت اشتمال ایک موضع تجویز ہو کر نام گاؤں کا مورث اعلیٰ کے نام پر داود شاہ رکھا گیا اور آبادی ہائے دو پیہ ہذا سات جگہ حسب ذیل ہیں۔ خاص گلہ خیل۔ گلہ خیل منصور۔ گلہ خیل مہتیر موسیٰ۔ دلاسہ خان صاحب خیل شیخ زادہ۔ صاحب خیل ارسلا زادہ عزیز خیل مر حسن اور یہ گاؤں اور آبادی سے تا حال برابر آباد ہے۔ سب پر سالانہ مالیہ مبلغ ۵۰۰۰ روپیہ مقرر تھا۔

دستخط

سوکڑی ضابطہ خان

مضمون۔ حال حصول ملکیت ہماری قوم افغان بنوچی کا شجرہ نسب میں درج ہو چکا ہے تقسیم حقیت مابین قوم برادرانہ مذکور ہوئی از روئے تقسیم یہ رقبہ بحصہ سوکڑی مورث اعلیٰ ہمارے کے آیا کہ جس کی اولاد ہم مالکان سوکڑی کے نام سے مشہور ہیں۔ سوکڑی مورث کے وفات کے بعد جب مسمیان ولی خان و شادی خان و حسن خان پسران نے تقسیم حقیت کر لی حن خان کو حسن خیل حصہ ملا۔ ولی خان و شادی خان کے درمیان تقسیم دیہی ہذا کے بحصہ مساوی ہوئی پھر ان کی اولاد میں بھی تقسیم بحصہ جدی ہوتی رہی۔ لیکن ماضی میں یہ اکثر ہوتا تھا کہ جو شخص صاحب طاقت اور عالی ہمت ہوتا وہ اپنے دوسرے حصہ دران کے اراضیات کو قابو کر کے دبا لیتا تھا نیز اس زمانے میں کچھ زمین غیر آباد و افتادہ تھی جو حصہ دار طاقت ور ہوتا وہ وقتاً فوقتاً اسے آباد کر کے شامل اپنی زمینات کر تا رہا لہذا حصص جدی کالعدم ہو کر ہر ایک مالک کا مقبوضہ بلا تمیز حصص قبضہ دار ہو گیا۔ اور ہم ملکان اقوام مختلف حسب ذیل ہیں۔

سوکڑی۔ کمال خیل۔ منگل۔ بیٹری خیل۔ موسم خیل۔ چنہ خیل۔ سیمائی۔ ھنی۔ حسن خیل۔

سیدو غیرہ وغیرہ۔

وجہ تسمیہ۔ بعد حصول ملکیت سوکڑی مورث نے اس رقبہ میں آبادی بنائی اور نام سوکڑی رکھا۔ عملداری سرکار تک یہی نام چلا آیا اور جب ضابطہ خان نمبردار مقرر ہوا تو نام سوکڑی ضابطہ خان مشہور ہوا جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے ایک دفعہ عہد سابقہ میں ہمارے بزرگ بباعث عداوت قوم مذکور دیہہ ہذا پر قابض ہو گئے تھے بعد میں پھر ہم نے اس پر قبضہ پایا۔ پھر کبھی ویران نہیں ہوا۔ آبادی دو جگہ پر حسب ذیل ۱) سوکڑی ضابطہ خان۔ ۲) کوٹکہ واقع ہے۔ بمطابق بندوبست سرسری بعہد بکلسن سالانہ ۵۰ روپے مقرر ہوئے۔

سوکڑی جبور خان۔

مضمون۔ حالات سابقہ۔ پہلے یہ رقبہ شامل موضع سوکڑی ضابطہ کا ہوا کرتا تھا۔ عرصہ تقریباً ساٹھ برس کا ہے کہ مسمی مدت ولد رضا خان مورث ہم جمعدار و غیرہ نے اپنی ملکیت کی اراضی علیحدہ کر لی اور اکثر دوسرے حصہ دران نے بھی موضع سوکڑی ضابطہ خان سے اپنے حصہ کی اراضیات علیحدہ کر کے شامل مدت ہوئے اور یہ موضع ایک گاؤں جداگانہ تصور ہوا۔ بعد ازاں تقسیم مابین ہم پسران مدت اور دیگر ملکان قوم سوکڑی ہوئی وہ حصہ جدی مالک ہیں۔ اور ہم اقوام حسب ذیل۔ افغان اصل فتح خیل۔ افغان اصل میری۔ افغان اصل میرز علی خیل۔ افغان اصل ابراہیم خیل۔ افغان اصل تتائی۔ افغان اصل منڈان۔ افغان اصل بٹھنی۔ افغان اصل ممش خیل۔ افغان اصل تیر خیل۔ وزیر سدن خیل وزیرکی۔ وزیز۔ قریش۔ آوآان۔ جٹ۔ زرگر۔ لوہار۔ وغیرہ۔

وجہ تسمیہ۔ مدت نے اپنی آبادی بنائی اور موضع سابقہ کے نام سوکڑی مشہور ہوا جب مدت مر گیا اور جبور خان پسرش نمبردار ہوا تو سوکڑی جبور خان کہلانے لگی جو اب تک اس نام سے مشہور ہے۔ بعہد نکلس ۱۹۱۰ مالیہ سالانہ ۵۱ ۳ جو بعد میں مبلغ ۶۵ ۳ مقرر ہوا۔

دستخط

شریف شاہ۔

مضمون۔ مفصل حال حصول ملکیت ہم مالکان اولاد شیخ محمد روحانی کا موضع شاہجان میں درج ہو چکا ہے۔ جب تقسیم حقیت ہوئی تو یہ رقبہ مسمی محمد شاہ مورث ہمارے کے حصے میں آیا۔ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے۔ اس سے لیکر پانچ پشت تک رقبہ دیہی ہذا درمیان اولاد محمد شاہ واحد ہونے مالک کی تقسیم نہیں ہوئی چھٹی پشت میں جب مسمی اللہ میر شاہ فوت ہو گیا تو پسر ش نے میراث پدری بحصہ مساوی تقسیم کرلی اس طرح جب مسمی شائق شاہ نے انتقال کیا تو اس کی اولاد میں بھی تقسیم بحصہ جدی ہوئی جب مسمیان خوشحال شاہ و سخی شاہ پسران اینک شاہ وغیرہ نے کسی قدر اراضیات فروخت کر لی اور علاوہ ازیں جب عملداری سرکار انگریزی ہوئی تو اکثر مالکان دیہی ہذا نے قدرے قدرے اراضی بلا تمیز پیمانہ ملکیت بباعث کم استطاعت بدست اقوام متفرق فروخت کر لی اور یہ بھی ہوا کہ جب حدبست دیہات ہوئی تو اکثر مالکان کی اراضی دیہات ملحقہ سے کاٹ کر شامل حدبست دیہی ہذا ہوئی اس طرح اکثر مالکان دیہیہ ہذا کی اراضی شامل دیگر دیہات ہو گئی۔ اس طرح عمل درآمد حصہ جدی معدوم ہو کر عمل درآمد قبضہ کا ہو گیا۔ اور ہم مالکان اقوام مختلف ذیل۔

قوم سید اصل میاں خیل۔ قوم افغان اصل مونک خیل۔ قوم افغان مونہ خیل۔ افغان حسن خیل۔ قریش۔ اروڑہ۔ افغان اصل پورتنہ افغان اصل صور۔ افغان اصل تیر خیل۔ ورمڑ۔ جٹ۔ باغبان۔ زرگر۔ انگریز۔ پراچہ وغیرہ۔

وجہ تسمیہ۔ جب مسمی شیخ محمد روحانی نے بعد قوم ہنی منگل کے چلے جانے پر قبضہ دیہیہ ہذا پر کیا تو اس وقت سابقہ آبادی بنا کردہ قوم منگل میں سکونت اختیار کرلی تو اسی آبادی دوئم جانب شمال آبادی اول سے بفاصلہ ۶۰۰ کرم بنائی اور اس میں مسمی طالب شاہ بمعہ ہمسایا گان آباد ہوا۔ اور یہ دو آبادیاں آباد ہیں۔ کبھی ویران نہیں ہوئیں۔

بعد وفات شیخ محمد روحانی جب پسر اس کا آبادی پرانی قوم منگل میں آباد ہوا تھا تو نام سابقہ آبادی کا

بدل کر نام خود کلہ نیک بین شاہ مشہور کیا تھا اور جب بعد وفات نیک بین شاہ کی آبادی اول حصہ محمد شاہ مورث میں آیا۔ تو باعث اس کی یہ آبادی پرانی ہے اور دیگر آبادیاں تپہ سادات بعد میں بنائی گئی۔ اس واسطے نام آبادی دیہیہ ہذا بزمانے ملک شیخان مشہور ہوا اور جب عملداری سرکار انگریزی میں بندوبست سرسری ہوا اور مظہر شریف شاہ نمبردار دیہی ہذا مقرر ہوا تو نام گاؤں کا شریف شاہ مشہور ہوا۔ عملداری دورانیان میں بموجب سندی اجلاسی شاہ زمان شاہ مورخہ ۱۳۰۸ھ بباعث ہونے ہم مالکان سید قلنگ مقرر نہیں ہوا تھا اور جب عملداری سکھان ہوئی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بعد ملاحظہ عہد افغانیہ بموجب سند مورخہ ۱۹ مگر ۱۸۸۰ء سمت جلاسی خود میں راجہ نونہال سنگھ نے ۱۸۹۰ء سمیت قلنک دیہیہ ہذا کابد ستور معاف رکھا اس گاؤں پر قلنک نہیں تھا۔ جب عملداری سرکار ہوئی تو ہم پر ۱/۶ حصہ پیداوار کا لگان مقرر ہوا۔ بمطابق ۱۸۵۳ء عہد سرکار میں کل مالیت دیہہ ہذا سالانہ مبلغ ۱۰۷ روپیہ مقرر رہوا۔

مہر

شیخان سادات حسنی

مضمون۔ ہم مالکان قوم سید اصل حسنی اولاد شیخ محمد روحانی سے تھے جس طرح ہمارے مورث کو ملکیت حاصل ہوئی مفصل حال شجرہ نسب میں لکھا دیا ہے۔ جب تقسیم اولاد درمیان مسمیان محمد نور شاہ۔ میر خوجہ شاہ امین شاہ پسران نیک بین شاہ میں بحصہ مساوی ہوئی تو اس تقسیم کی رو سے موضع شریف شاہ محمد شاہ پسر کلاں شکم زوجہ اول کے حصے میں آیا اور دیہات ذیل۔ دیہی ہذا۔ شاجہان شاہ۔ نسیم اکبر شاہ۔ گل احمد شاہ۔ مسمیان میر خواجہ وامین شاہ شکم زوضہ دوم کو ملی بعد آزاں امین شاہ لاولد مر گیا۔ اور اس کی حقیت بباعث ہم بطن ہونے کے میر خواجہ شاہ قابض ہو گیا۔ محمد نور شاہ متعرض نہ ہوا۔ میر خواجہ شاہ سے لیکر عبد الباقی تک صورت ملکیت زمینداری خالص چلی آئی۔ جب عبد الباقی مر گیا تب پرنش میراث پدری کو بحصہ جع تقسیم کر لیا۔ تو مسمی سلطان ابراہیم شاہ کے حصے میں رقبہ طرف شعار شاہ موضع شاہ جہان شاہ و گڑھی

نیم اکبر شاہ آیا اور سلطان خلیل کے حصے میں رقبہ طرف میر اکبر شاہ و صاحب شاہ آیا۔ اور حیدر شاہ کے حصے میں رقبہ موضع گل احمد شاہ آیا۔ الا اس وقت تک باہم مالکان عمل درآمد حصہ جدی کا رہا۔ جب مسمیان سلطان ابراہیم شاہ و سید مصور شاہ فوت ہو گئے تو اس وقت مسمیان غریب شاہ۔ میاں شاہ مفلس تھے اور مسمی حسن شاہ صاحب دولت تھے۔ انہوں نے باتفاق خود میراث جدی کی چھ حصہ رسمی بنا کر تقسیم کر لی تو تین حصے کا رقبہ حسین شاہ کے حصے میں آیا۔ تو دو حصے کی رقبہ غریب شاہ کو ملی اور ششم کا رقبہ میاں شاہ کے حصے میں آیا اس طرح جب بھلوان شاہ پسر سلطان خلیل مر گیا تو اولاد اس کی نے میراث پدری تقسیم کر لی ہر ایک نے اپنے اپنے آبادی تیار کر لی اس واسطے جو رقبہ جس کے حصے میں آیا۔ اسی کے نام مشہور ہو گیا۔ تب سے اولاد سلطان ابراہیم میں عمل درآمد حصہ رسمی اور اولاد سلطان خیلی میں عمل درآمد حصہ جدی کا رہا۔ جب انگریز کی عملداری قائم ہوئی اور حدبست دیہات ہوئی تو موضع گل احمد شاہ نسیم اکبر شاہ و شاہ جہان شاہ علیحدہ علیحدہ ہو کر جدا جدا موضع مقرر ہوا اور رقبہ طرف شاہ شہباز۔ طرف میر اکبر شاہ طرف صاحب شاہ شامل ہو کر ایک موضع مقرر ہوا جب یہ گاؤں دیگر دیہات حسب اندراج دفعہ اول تپہ سادات سے علیحدہ ہوا تو اس میں تین آبادیاں بنا کردہ تھیں نمبرداران اپنی کے نام پر حسب ذیل مشہور تھیں۔

امیر شاہ۔ غفار شاہ۔ جلندر شاہ۔ لیکن بندوبست حال میں ان پر سہ دیہات کا ایک موضع تصور ہو کر اوپر قوم اصل مالکان کی سادات حسنی کے نام سے قائم ہوا آبادی اس کی چھ جگہ پر مشتمل ہے۔ ۱) غفار شاہ۔ امیر شاہ۔ جلندر شاہ۔ امام شاہ۔ شاہجہان شاہ۔ عنبر شاہ۔

شیخ محمد روحانی کا شجرہ نسب ۱۸۷۸ء تک

سید مسعود شاہ۔ پسر سلطان ابراہیم پسر عبدالباقی پسر خواجہ کلاں پسر خواجہ شاہ پسر نیک بین شاہ پسر شیخ محمد روحانی۔ مالیہ آبادی امیر شاہ ۳۲ آبادی غفار شاہ ۴۶ آبادی مقعر شاہ ۸۰ سالانہ۔

تپی کالا خیل۔

مضمون۔ تپی کلا خیل مورث کے نام پر مشہور ہے تقسیم درمیان اولاد کالا خیل وابراہیم خیل مور ثان کے جس طرح ہوئی وہ یہ ہے کہ دونوں پسران کالا خیل نے تقسیم حقیت بحصہ مساوی کرلی تنز خان کی اولاد میں تقسیم بحصہ جدی ہوئی پھر دریا خان کی اولاد میں بعد لاولدی باقی ترکہ متوفی کو بحصہ شرعی ورسمی تقسیم کیا۔ اور جانی کی اولاد میں پسران عمر خان نے ترکہ پدری کو برابر تقسیم کیا۔ شاہ خیر زمان اور ایشان کی اولاد میں بھی حصہ جدی پر عمل ہوا۔ ہم مالکان اولاد میر خان میں اور ابراہیم کے دو بیٹوں مسمیان گلی خان وحاجی نے بعد لاولدی سید شاہ برادر حقیقی کے بحصہ مساوی تقسیم کرلی پھر عیسیٰ خان کی اولاد میں چار جگہ تقسیم بحصہ برابر ہوئی ونقرب ومدغراب کی اولاد میں واحد مالک رہا حاجی کی نواسیوں نے بھی ملکیت جدی کو بحصہ جدی تقسیم کیا۔ تھا لیکن یہ تقسیم میں بشمول دیگر دیہات مثل بارک زئی اور میر بزو ممبتیبی میں آئی۔ اس لئے کسی حصہ دار کو دیہات مذکور میں حصہ ملا اور کسی کو دیہی ہذا میں اور نیز بعد تقسیم کی خرید وفروخت میں بھی ملی عمل درآمد قبضے کا ہوا۔

تپی خوجک خیل۔

یہ تپی خوجک خیل کے نام سے مشہور ہے بعد وفات خوجک مورث میر خان وشیر ائی پسرانش نے تقسیم ملکیت بحصہ جدی کرلی اور شیر ائی کا بیٹا لاولد مر گیا۔ اولاد امیر م شاہ اور میر ایسی کی ہوئی اب طرف ہذا میں پانچ اطراف مشہور ہیں۔ تپی کالا خیل۔ تپی خوجک۔ تپی گاگا خیل۔ تپیسنگ خیل۔ تپی جیگی خیل۔ بعض نے زمین آباد کیا اور اپنے حصص میں شامل کیا اور قبضے کا رواج ہو گیا۔

کیفیت تپی براہیم خیل۔

براہیم مورث کے نام سے مشہور ہے۔ تقسیم اندرونی مابین ہر سہ پسران براہیم خان بحصہ برابر ہوئی اور پسران کبیر نے ترکہ پدری کا بحصہ مساوی بانٹا۔ اور اولاد کٹی خان نے بحصہ پدری تقسیم ہوئی۔

کالا خیل مستی خان۔

مضمون۔ دفعہ اول بنیاد و تقسیم اراضی اولین۔ قوم ہنی و منگی کا اس ملک خارج ہونا اور ہمارا قابض ہونا کلیات میں درج ہو چکا ہے جب تقسیم ملکیت ہوئی تو یہ رقبہ بحصہ مسمی کرائی ہمارے مورث اعلیٰ میں آیا۔ جب مسمی کرائی زندہ رہا تو کل رقبہ زمینداری خالص رہا بعد وفات کرائی کے اس کے چار بیٹوں نے حسب استطاعت خود رقبہ ہر ایک نے قبضے میں کر لیا لیکن اس وقت کوئی طرف یا تپی مشہور نہیں ہوئی۔ تیسرے پشت میں ہم چھ پسران نفرہ دین نفاق ہو گیا تو انہوں نے میراث پدری حسب استطاعت سامان کاشت تقسیم کر لی سندلی۔ لزمست کے حصے میں رقبہ نارو جنڈو خیل آیا اور مسمی بدل و پدر کے حصے میں رقبہ موضع اسماعیل خانی و نظم خان آیا جب ان کی حدبست علیحدہ ہے۔ مسمیان کالا خان و ببر کے حصے میں رقبہ دیہیہ ہذا آیا۔ ان کے درمیان نفاق تھا اس واسطے جس قدر رقبہ جس کے حصے میں آیا ہر ایک نے اپنے اپنے نام پر بطور اطراف بتفصیل ذیل مشہور کر دیا۔

طرف کالا خان۔ طرف ببر خان۔ مستی خان نمبردار۔ عرصہ ۴۰ برس اندر طرف کالا خان اولاد اس کی نے میراث جدی و پدری بحصہ جدی تقسیم کر دی لیکن اس وقت کوئی تپی مشہور نہ ہوئی اندر طرف ببر خان دو پشت تک تقسیم نہ ہوئی۔ لیکن جب مسمی امیر خان مر گیا تو اولاد اس کی نے بھی میراث پدری کو بحصہ جدی تقسیم کر لیا۔ عہد افغانیہ میں اکثر مالکان سے قلنگ ادا نہ ہو سکا اس واسطے ہر ایک طرف میں اکثر مالکان نے اپنی اراضی بذریعہ ادائے قلنگ اقوام متفرق کو

دیگر اپنے اپنے اطراف میں مالک بنا تا۔ عمل درآمد قبضے کا ہے۔ جب بندوبست سرسری ہوئی تو بباعث نمبر ادر ہر ایک طرف کا جدا جدا تھا اس واسطے نام ہر دو طرف کا بنام نہاد نمبرداران بتفصیل ذیل۔ طرف مستی خیل۔ وطرف امیر خان مشہور ہوا اور ہم مالکان اقوام مختلف نے جس جس طرف میں ملکیت حاصل کرلی وہ شجرہ نسب میں درج ہے۔

وجہ تسمیہ۔ جب مسمی کرائی مورث اعلیٰ ہم ملکان نے تردد اراضیات اس ملک میں شروع کیا تھا تو اس وقت اوس کے متصل کرم (دریائے کرم) ایک آبادی بنا کر رہائش اختیار کرلی جب اس کی اولاد میں بعد وفات نقرہ دین مابین کالا خان وغیرہ برادران نفاق ہو کر میراث پدری تقسیم کرلی تو ہر ایک نے اپنی اپنی زمین میں آبادی بنائی۔ مسمی کالا خان نے آبادی اولا موسومہ کالا خیل واقع دہیہ ہذا اختیار کرلی۔ اس طرح مسمی بابر نے آبادی ثانی منجانب مشرق بفاصلہ ۴۰۰ قدم مملوکہ اپنی بنا کر آباد ہوا۔ ۸۰ برس کا ہوا ہے کہ باہمی بزرگان ہم مالکان طرف مستی خان واقع دہیہ ہذا و ملکان موضع خوجرم خیل و موضع شکر اللہ وغیرہ دشمنی ہوگئی تو پچھ مستی خان ولد جنگی خان نے بذات خود بشمولیت مسمی شہادت خان ہم ملکان مسمیان عصمت وغیرہ اراضی مملوکہ اپنی میں آبادی اولا سے جانب بفاصلہ ۴۰۰ قدم چھوٹا سا گاؤں بنا کر اپنے ہمسایاگان و مزارعیان کو آباد کیا۔ کبھی کبھی خود بھی وہاں رہتا۔ آبادی جو کرائی نے بنائی تھی وہ نالہ کرم سے منہدم ہو کر بے نشان ہو گئی۔ ہر سہ آبادیاں موقوعہ دہیہ ہذا اور آبادی سے برابر آباد ہے کبھی ویران نہیں ہوئی جب کالا خان نے جو آبادی اولا بنائی تو آبادی اولا کا اپنے نام پر کالا خیل مشہور کیا جب مسمی بابر نے آبادی بنائی تو نام آبادی ثانی کا اپنے نام پر کلہ بابر مشہور کیا۔ جب مسمیان کالا خان وغیرہ نے آبادی ثالث بنائی تو نام آبادی کا مستی خان مشہور کیا۔ یہ دستور تھا کہ ہر نمبردار کے نام پر آبادی کا نام پڑ جاتا تھا۔ ہر آبادی کا مستقل نام نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اس آبادی کا نام کلہ امیر خان مشہور ہے۔ کیونکہ ہر سہ آبادیاں ایک حدبست میں واقع ہیں۔ اور سب سے کلاں آبادی کالا خیل ہے اس واسطے ہر سہ آبادیاں کا نام موضع کالا خیل درج کاغذات سرکاری ہے۔

نام و مہر

مستی خان نمبر دار۔ جہانگیر خان نمبر دار۔

نار میر عالم خان

مضمون۔ (دفعہ اول بنیاد و تقسیم اراضی اولین) پہلے یہ رقبہ موسومہ نار جنگل افتادہ و بلا قبضہ تھا ابتدائے عملداری سرکار میں منجملہ اس کی موازی ایک ہزار کنال اراضی سرکار نے ہمارے بزرگ مسمی میر عالم خان قوم افغان اصل میر زعلی خیل کو بامرادے تردو آبادی بمعہ ملکیت بخش دی چند مدت وہ واحد قابض و مالک رہا۔ جب باہم سرکار انگریز اور قوم سکھان میں ماندہ پیدا ہوا تو میر عالم خان مدد گار قوم سکھان ہو گیا۔ جس باعث اس کو بعد حصول فتح سرکار انگریز ہوئی تو میر عالم خان مفرور کابل ہوا اور یہ رقبہ بحکم سرکار لال باز خان و شیر مست خان کے سپرد ہوا ۱۳ سال تک یہ رقبہ ان کے قبضے میں رہا بعد ازاں میر عالم خان امیر کابل کی سفارش پر دوبارہ ملازم ہوا تو اس وقت حسب درخوست اس کے ایک ہزار کنال اراضی لال باز خان شاہ بزرگ خیل و شیر مست خان جھنڈو خیل سے دلائی گئی جس پر اس نے دوبارہ قبضہ پا کر کل حقیت کی پانچ حصے سے تین حصہ کسان ذیل کو حسب ذیل۔

میر اکرم خان۔ (ایک حصہ) میر عباس خان (ایک حصہ) میر افضل خان (ایک حصہ) حقیقی بھائیوں کو دئے اور دو حصے پر قابض رہا جب وہ مر گیا تو دو حصہ بقبضہ ہم اسد خان وغیرہ اولاد مسمات اپوانہ زوجہ امیر عالم خان نے اپنے حصے کی اراضی پاس پسران گنگارام قوم اروڑہ کے ہاتھ فروخت کر دی اب حصص ملکیت مالکان حسب ذیل ہیں۔ میر احمد خان (تین حصہ) میر جنگ و شہباز خان اور شاہ کامران (چار حصہ) میر اکرم خان (پانچ حصہ) میر عباس خان (پانچ حصہ) بیاہ ام (چار حصہ)۔

وجہ تسمیہ۔ بعد حصول ملکیت میر عالم خان نے آبادی بنائی اور وہاں مزارعان کو آباد کیا۔ نام گاؤں

میر عالم خان رکھا ۱۹۱۷ تک یہ رقبہ شامل نار فیض اللہ خان اور شیر مست خان رہا جب دوبارہ ہمارے والد کو ملکیت واپس ملی تو مبلغ ۹۴ روپیہ ۴ آنے جمع سرکار سے تجویز ہوئی۔ دستخط و مہر۔

میر میر احمد خان۔ میر جنگ۔ شہباز خان۔ شاکاوان۔ میر اکرام۔ میر میر عباس خان۔ شیر مست خان۔ وغیرہ۔

نار فیض اللہ خان

مضمون۔ پہلے یہ رقبہ شامل رقبہ موسومہ نار کی جنگل اور غیر آباد بلا قبضہ پڑا تھا ابتدائی عملداری سرکار انگریز نے بروئے پیمائش اندراج موازی ۷ ہزار کنال تھا ہمارے والد مسمی لعل باز خان قوم افغان اصل شاہ بزرگ خیل ساکن بازار احمد خان کو بموجب سند مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۵۰ء پیش گاہ جناب مسٹر ٹیلر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے نمبر دار تردد آبادی بمعہ ملکیت عطا ہوئی بعد حصول ملکیت لعلباز خان نے درب خان کو بخیال بھای حقیقی ہونے کی نصف اراضی کی ملکیت دیکر شریک ترود کیا۔ ہنوز تقسیم نہیں ہوئی تھی اور بصورت زمینداری بالاجمال قبضہ تھا کہ مسمی میر عالم خان قوم منڈان نے ہمارے گاؤں پر بشمول نار شیر مست خان کے دعویٰ حقیت دائر کرایا جسکی روسے اس نے بموجب حکم مورخہ ۱۸۶۱ء اجلاس جناب کاکس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اراضی حسب ذیل دیہیہ ہذا ۱۲۰۰ نار شیر مست ایک ہزار حاصل کر کے گاؤں جداگانہ قائم کر لیا باقی ماندہ زمین پر ہم مالکان بصورت متذکرہ بالا قابض رہے۔ پسر ش نے جو شکم زوجہ ثانی سے تھا بموجب حصہ جدی اپنے حصہ کی اراضی جدا کر لی اور ہم دیگر حصہ داران کا کھاتہ بدستور بالا شراک رہا۔ بعد ہم نے بھی اپنی حقیقت بروئے قاعد وراثت تقسیم کر لیا۔ اور صورت تقسیم حسب ذیل فیض اللہ خان و میر عباس خان دو حصہ۔ سردود خان ایک حصہ درب خان تین حصہ قائم ہوئی اور کوئی طرف کسی قاسم کے نام پر مشہور نہیں ہوئی اور ما سوائے اراضی زیر آمد راستہ ویال جاز تقسیم غیر ممکن ہے اور کسقدر شاملات دیہیہ ہذا نہیں۔

وجہ تسمیہ۔ لعل باز خان نے بعد حصول ملکیت آبادی بنا کر مزارعان کو ترود کاشت اس رقبہ کے آباد کیا۔ اور خود بدستور بازار احمد خان میں اقامت پذیر رہا اور نام اس گاؤں کا اپنے نام پر لعل باز خان رکھا اسکی وفات کے بعد جب فیض اللہ خان نمبردار مقرر ہوا تو بموجب قاعدہ مستمرہ ملک کے نام گاؤں لعل باز خان سے نار فیض اللہ خان کے تبدیل ہو گیا۔ آبادی باسمائے ذیل گڑھی فیض اللہ خان۔ گڑھی سردود خان، گڑھی لال باز۔ گڑھی شمسی خیل چار جگہ پر واقع ہے۔ سالانہ مالیہ مبلغ ۳۰۰/۰۰ روپیہ ھوتا ہے۔

دستخط و مہر

میر عباس خان۔ سردود خان وغیرہ۔

صابو خیل۔

مضمون۔ دفعہ اول۔ بنیاد۔ حصول ملکیت۔ و تقسیم اراضی۔ اولین ہم سنتے ہیں کہ جس طرح بعد ازاخراج قوم ہنی و منگل کی دوسری قوم افغان بنوچی کو اس علاقہ کی ملکیت حاصل ہوئی اس طرح ہمارا مورث اعلیٰ مسمی صابو خیل و قوم افغان کہ جس سے سلسلہ نسب ہم مالکان قوم صابو خیل کا حسب مندرجہ بالا ملتا ہے۔ اور جس کی اولاد ہم مالکان اس کے نام اور خٹک اس کے بیٹے کے نام پر مشہور اور معروف ہیں۔ اس رقبہ پر جو افتادہ تھا قابض و متصرف ہوا اور ان واقعات کی تشریح واقعی کلیات پرگنہ میں تحریر کرادی ہے۔ بحیات خود صابو مورث ہمارا بلا شرکت غیر واحد مالک رہا۔ جب وہ مر گیا۔ تو مسمیان ذیل جنگا خیل۔ عیسیٰ خیل۔ خٹک خیل ہر سہ پسر زش نے ملکیت پدری کو کسی جدی یا رسمی پیمانہ ہر تقسیم نہیں کیا۔ اس دلیل سے کہ رقبہ افتادہ تھا۔ سو جس قدر کسی کو پسران موروث سے استطاعت ہوئی اس قدر رقبہ ترونو توڑ کر کے مالک و قابض ہوا۔ اور بعد ازاں بھی ہر سہ قاسمان متذکرہ صدر کی اولاد میں تقسیم کسی قاعدہ جدی رسمی پر نہیں ہوئی۔ حسب طاقت ہر ایک حصہ دار بذریعہ بنجر شگافی اپنے اپنے مقبوضہ کا مالک ہوتا رہا نسبت پیمانہ نہیں تھی۔ اور اکثر یہی ہوا کہ کسی مورث کسی حصہ دار کو دوسرے حصہ داروں سے

کی اولاد نے بروقت تقسیم حقیت پیمانہ جدی پر عمل نہ کیا۔ تووہ تقسیم بھی آخر کو باعث نجر شگافی کی ہوتی رہی طرف یا تپی سے مشہور نہ تھی الا ایسا ہوتا رہا۔ کہ ہم صابو خیل وخٹک وقتاً فوقتاً آبادی ہائے جداگانہ تعمیر کر کے اراضیات مملوکہ خود ان کے متعلق کرتے رہے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے بندوبست سرسری میں چھ موضعات ہماری قوم کے جداگانہ قائم ہو کر جمع علیحدہ علحدہ تجویز ہوئی۔ اور ہم قوم سید کا یہ حال ہے کہ ہمارے مورث شیر۔ مراد شاہ بطور نذرانہ قوم افغان سے ملکیت حاصل کر کے اپنے اپنے قبضہ کی اور دونوں مورثان کے گاؤں علیحدہ علحدہ تھے۔ ابتدائی عمل داری سرکار انگریز ہم مالکان قوم صابو خیل۔ خٹک خیل وقوم سید کی آٹھ موصع جداجدا تھی اب بندوبست حال میں برضامندی ہم مالکان بباعث قلیل مقدار کھیوٹ ہونے رقبہ ان ہر ہشت گاؤں کی ایک واحد موضع قائم ہوا۔ طرف ورامعہ تپہ جات مندجہ ہر ایک طرف حسب ذیل۔ طرف صابو خیل۔ (رضاخان، ابو خان، سرورخان، صاحب خان) طرخٹکان (شیر زادہ خان۔ آدم خان) طرف سیدان (رحمت شاہ وسکندر شاہ)

وجہ تسمیہ۔ بروقت حصول ملکیت صابو مورث نے اس رقبہ میں آبادی بنائی اور نام گاؤں کا صابو خیل رکھا۔ جب اولاد بکثرت ہوئی اور سکونت نہ ہوسکی اور زراعت کی دیکھ بھال نہ ہوسکی تو محبت خان پسر بزرگ ہیبت خان نے اپنی آبادی علحدہ بنائی علیٰ ہذا القیاس۔ عباس خان واندر پسران بیدل نے تیسری آبادی اور مسمی ناپرنسگ چوتھی آبادی اور موسمیان شیر زادہ وغیرہ اولاد ملاخان نے پانچویں آبادی اور مسمی شیر زادہ وباپ خدر خان نے چھٹی آبادی بنائی الا پنج آبادیاں متذکرہ صدر بانیان کے نام پر موسوم ہوئیں۔ اور پہلی آبادی بدستور بابو خیل نام پر مشہور ہوئی۔

قوم سید کا یہ حال ہے کہ پہلے موضع صابو خیل میں آباد تھی ثمر شاہ نے بمعہ دیگر برادران یک جدی ایک علحدہ آبادی بنائی اور نام گڑھی ثمر شاہ مشہور ہوا۔ اور ہم اولاد مراد شاہ قوم سید مسمی بزرگ مراد شاہ نے بروقت حصول ملکیت آبادی بنائی تھی اور نام اس کا مراد شاہ رکھا تھا۔ مگر نمبرداروں کے ساتھ ساتھ ہر آبادی کا نام بدلتا رہا۔ جو حسب ذیل ہے۔ بوقت عملداری سرکار انگریز رضا خان۔ ابو خان۔ سرور۔ صاحب جان۔ شیر زہ خان۔ آدم خان۔ رحمت شاہ۔ سکندر

شاہ۔ بندوبست حال میں آٹھ آبادیوں کا ایک موضع تجویز ہوا تو نام گاؤں کثرت ملکیت صابو خیل۔ صابو خیل رکھا گیا۔ جواب درج کاغذات شرکا ہے۔

انتظام۔۔ جتنا کلنگ مقرر ہوا تو میاں خیل۔ فتح خیل بیتا خیل۔ دلو خیل۔ صابو خیل۔ پر تقسیم کرتے ہیں۔ دلو خیل مقابلہ میں چہارم حصہ کا معامہ ہم صابو خیل پر آتا تھا ہم سید پر مالیہ معاف ہے۔ عہد انگریز سے ۶ / ۱ حصہ ادا کرتے آئے ہیں۔

العبد۔

ابو سمند۔ امین۔ اصل بوٹی۔ امان۔ اکبر خان۔ اللہ داد۔ آدم خان۔ امین شاہ۔ امام شاہ۔ اخون شاہ۔ خان س خان۔ سکندر شاہ۔ میر عالم۔

مہر مہر مہر۔

طغل خیل

حصول ملکیت۔ تقسیم اولین اراضی۔ وجہ تسمیہ گاؤں /آبادی

مضمون۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ پہلے یہ رقبہ (بنوں) بقبضہ ہنی و منگل کے تھا جب قوم مذکور کو افغان معروف بنوچی نے اس علاقے سے خارج کر دیا۔ انہی ایام میں مسمی طفل مورث ہمارا ہمراہ قوم افغان بنوچی رقبہ دیہیہ ہذا پر قابض ہوا۔ جب تک طفل مورث اعلیٰ زندہ رہا۔ رقبہ دیہیہ ہذا بصورت زمینداری خالص قابض رہا۔ بعد وفات طفل مسمیان ہنجل ولیدرک خان پسرش تقسیم حقیت بحصہ مساوی کر لی تو اس وقت کوئی طرف مشہور نہ ہوا جب مسمی ہنجل مر گیا۔ تہ اس کے پسران ملیک و نور لائی ترکہ پدری کو بحصہ مساوی تقسیم کیا چونکہ ملیک اکیلا تھا اور ولیدارک خان چچا بھتیجہ یکجا ہو گئے اس وقت دو طرف تفصیل ذیل۔ طرف ملیک خیل ایک حصہ طرف ولا خیل لیدارک خیل تین حصے مشہور و معروف ہوئے جب مسمی ملیک خان مالک طرف ملیک خیل زندہ رہا تو رقبہ اس طرف کا زمینداری قبض رہا بعد وفات ملیک خان کے اسکی اولاد جو دو عورت سے تھی میراث پدری چونڈا ونڈا کر لی جب سعید و غفار فوت ہوئے تو اولاد ان

کی میراث پدری کو برے حصہ رسمی ہوئی اور حقیت تقسیم کر لی عمل درآمد بحصہ جدی کا معدوم ہو کر حصہ رسمی کا ہو گیا۔ عہد افغانی و سکھان میں ملکان اس طرف قلنگ ادا نہ ہو سکا اور ملکان اقوام مختلف نے کسی قدر قلنگ ادا کر کے بقدر روئے کلنگ حاصل کر لی تب سے اس طرف عمل درآمد حصہ رسمی کا معدوم ہو کر عملدرآمد قبضہ کا ہو گیا۔ تو بباعث اسکی گور و کفن اس کا مسمیان اولاد و یعقوب زندہ رہے۔ تب تک زمینداری خالص رہی جب مسمی یعقوب خان فوت ہو گیا۔ تو بباعث اسکی گور و کفن اس کا مسمیان دائم اور بازید کو بحصہ برابر ملا مسمی خاتم کو حصہ نہیں ملا۔ اور عہد درانیان میں مالکان اولاد لیدارک اور مالکان اولاد دیگان ادائے قلنگ میں شامل اس طرف کے ہو گئے اس واسطے اس طرف میں کسی عمل درآمد حصہ جدی کا معدوم ہو کر عملدرآمد رسمی کا ہو گیا۔ جب عہد افغانیہ و سکھان میں اقوام مختلف نے قلنگ ادا کیا تو اس طرف میں مالک ہو گئے تب سے اس طرف میں بھی عمل درآمد حصہ رسمی کا معدوم ہو کر عمل درآمد قبضہ کا ہو گیا۔ حال حصول ملکیت ہم پیران کا یہ ہے جب مسمی طفل خیل نے رقبہ دیہیہ ہذا کا قبضہ بزور شمشیر ہنی و منگل سے لیا تو اس وقت مسمی شاہ اسماعیل شاہ مورث ہمارا جس کو عرصہ ۱۳ یا ۱۴ پشت کا ہوا بطریق سیر اس ملک میں آیا۔ تو مسمی طفل مورث ہمارے نے بہتر جان کر کسی قدر بخش دے کر مالک بنا دیا جبتک مورث ہمارا زندہ رہا تو یہ رقبہ اس طرف خالص رہا۔ جب مسمی اسماعیل شاہ مورث ہمارا فوت ہو گیا۔ تو پسران اسکی نے تقسیم کر لی لیکن اسدوقت کوئی بستی مشہور نہ ہوئی تی عمل درآمد حصہ جدی کا رہا۔ جب حبیب شاہ نے اپنی میراث دو نیم حصہ بنا کر یک حصہ اراضی دختر اپنے کو بخش دی اور یک نیم حصہ کی اراضی اپنے فرزند کو دی تب سے اس طرف میں بھی عمل درآمد حصہ جدی کا معدوم ہو کر حصہ رسمی کا ہو گیا۔ جب مسمی قادر شاہ قوم سید نے کسی قدر اراضی ملکیت خود بعوض مبلغ ۳۲۰۰ روپے پاس احمد خان اصل غلزئی کو بیع قطعی فروخت کی۔ اس واسطے اس طرف میں بھی عمل درآمد حصہ جدی کا معدوم ہو کر عمل درآمد قبضہ کا ہو گیا۔ ماسوائے ازیں ہم مالکان اقوام مختلف نے اپنی اپنی طرف میں جس طرح سے ملکیت حاصل کی ہے مفصل حال ملکیت کا محاز نامی میں درج ہے۔ عملداری انگریز میں جب حدبست

دیہات ہوئی عمل درآمد قبضہ کا ہے۔۔۔۔۔۔۔

وجہ تسمیہ۔ جب مسمی طفل نے رقبہ دیہیہ ہذا پر قبضہ کر لیا اس نے آبادی اولی بنائی اور مسمی شاہ اسماعیل شاہ نے کس قدر رقبہ مسمی طفل سے لے کر زیر قبضہ خود کر لیا۔ تو اس وقت سے اس نے آبادی اولی سے منجانب شمال بفاصلہ ۳۰۰ قدم آبادی ثانی بنائی۔ اور آباد ہو گیا۔ ساتویں پشت میں مسمی سعید مالک طرف مالیک خان نے آبادی اولیٰ سے اٹھ کر منجانب غرب بفاصلہ ۱۰۰ قدم آبادی سوئم بنائی اور آباد ہو گئے لیکن مالکان اولیٰ والا خیل بدستور آبادی اولیٰ میں آباد رہے۔ عرصہ ۴۰ برس کا ہوا کہ مسمیان دیوالہ ولد شہباز۔ نیازی و نعیم پسران برہم و سمند ولد سر کمند مالکان نے اٹھ کر آبادی اولیٰ سے بجانب جنوب بفاصلہ ایک میل آبادی چہارم بنائی اور آباد ہو گیا۔ اس طرح مسمیان شاہ زمان ولد اللہ خان و شرح و غاسم مالکان نے آبادی اولیٰ سے اٹھ کر ۴۰ برس سے آبادی پنجم بنائی اور آباد ہو گئے عرصہ ۵۴ برس کا ہوا کہ مسمیان۔ گلاب و مدت و خوجڑی و سوکڑی اور آباد ہو گئے ع پسران آدم نے وا سطے ترود کاشت اراضی ملکیت خود آبادی اولی سے اٹھکر بجانب جنوب ایک میل کے فاصلے پر آبادی ہشتم بنائی اور آباد ہو گئے اور عرصہ بیس برس کا ہوا کہ مسمی لائق شاہ قوم سید ساکن موضع آمندی ناظم جناب نکلسن ڈپٹی کمشنر سابق آبادی اول سے اٹھ کر بجانب جنوب بفاصلہ ۴۰۰ قدم آبادی نہم بنائی لیکن اسی سے بر آبادی آباد نہ ہو سکی تو ہم مالکان طرف پر ان نے ضلع میں درخواست گزار کران کو مبلغ ۸۰ ھزار روپیہ لاگت آبادی بحصہ ذیل حکیم قوم فاطمہ خیل و گلبدن شاہ نصف نصف حصہ و مسمی لائیق شاہ کو دیکر زیر قبضہ خود کر لی لیکن ہم مالکان قوم پیران بدستور آبادی ثانی میں آباد رہے۔ مسمی حکیم خان قوم فاطمہ خیل آبادی نعیم میں جا کر آباد ہو گیا۔ عرصہ ۱۵ برس برس کا ہوا کہ مسمیان ضابطہ خان و منگائی و آمیر و قمر و بازید خان آبادی سوئم سے بجانب غرب بفاصلہ ایک میل آبادی دہم بنائی مسمیان ضابطہ خان و آمیر خان و ممبر ہنوز آبادی سوئم میں آباد ہیں۔ لیکن بازید خان نے سکونت اپنی آبادی دہم میں اختیار کر لی ہے۔

وجہ تسمیہ۔ کہ مسمی طفل نے آبادی اول بنائی تھی اور نام طفل خیل رکھا اور جب مسمی شاہ

اسماعیل شاہ نے آبادی دہم بنائی توآبادی کا قلعہ پیران شاہ مشہور کر دیا۔ اور جب مسمی سعید نے آبادی سوئم بنائی تو قلعہ سعید نام رکھا۔ مسمیان دیوانہ وغیرہ نے آبادی چہارم بنائی تو نام دیوانہ ہو گیا۔ پیر مسمیان شاہ زماں وغیرہ نے آبادی پنجم بنائی تو نام کوٹکہ میر قلم ہوا۔ جب مسمیان میر قلم وغیرہ نے آبادی ششم بنائی تو نام کوٹکہ میر قلم ہوا۔ جب مسمیان جنگی خان وغیرہ نے آبادی ہفتم بنائی تو کوٹکہ جنگی خان مشہور ہوا۔ اور جب مسمیان جلاپ وغیرہ نے آبادی ہشتم بنائی تو نام کوٹکہ جلاپ ہوا نعیم ولائق شاہ نے جو آبادی بنائی۔ چونکہ بعد میں قوم پیران نے خرید لی اور اس آبادی میں حکیم آباد ہوا تھا تو اس آبادی کا نام حکیم خان مشہور ہوا۔ اور مسمیان بازید خان وغیرہ نے آبادی دہم بنائی تو نام قلعہ بازید خان مشہور ہو۔ اور جب مسمی شاہ زمان مر گیا۔ تو اس وقت اس آبادیمیں مسمی صاحب خان مشہور ہو گیا۔ اس واسطے آبادی کا نام تبدیل ہو کر قلعہ صاحب خان مشہور ہو گیا۔ باقی آبادیوں کا روز آباد کار سے وہی نام مشہور ہیں۔ اصل اس دہیہ کی اولاد طفل خیل کی ہیں۔ اس واسطے جملہ آبادیوں کا نام طفل خیل مشہور ہوا۔

موضع فاطمہ خیل کلاں

مضمون۔ پہلے یہ رقبہ کچھ آباد اور کچھ غیر آباد بقبضہ قوم ہنجل شاخ بنوچی کے ہوتا تھا ان سے قوم عیسکی نے غالب ہو کر چھین لیا اور قوم ہنجل بے دخل ہو گئی۔ مسمی گل شاہ قوم فاطمہ خیل کے جس سے سلسلہ نسب ملتا ہے۔ بوجہ عداوت تربوران یک جدی کے اصلی وطن سے علیحدہ ہو کر اس علاقے میں وارد ہوا اور اس مناقشہ میں قوم ہنجل کا مددگار ہوا اور قوم عیسکی کو دیہی ہذا سے بے دخل کر دیا تب قوم ہنجل نے اسی صلے میں یہ رقبہ ہمارے مورث کو دیدیا۔ تین پشت تک تقسیم نہ ہوئی نامور خان نے بحیات خود اپنی ملکیت کو اوپر چھ حصہ ذیل کی میرولی خان۔ ذولفقار خان۔ گلزار خان۔ غوث امیر خان۔ سردار خان۔ بلند خان اورنگ شاہ۔ شاہ ولی خان و پریک خان

ہیں تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ علیحدہ کر لیا آپ جس کے پاس خوشی ہوئی اس کے پاس رہ کر حیات خود گزران کرتا رہا۔ مگر جو میراث اور بگشاہ کو ملی وہ خاصی موروثیت نامور خان کی نہیں تھی۔ کیونکہ اس جائداد کا مالک شادی خان قوم خلیل تھا۔ اس کو خالصوبہ قوم فاطمہ خیل نے جو نامور خان کا تربور تھا قتل کر ڈالا۔ اس کے بدلے میں نامور نے خالصوبہ کو قتل کیا اور شادی خان کی بیوہ سے نامور نے شادی کر لی جس کے بطن سے اور بگشاہ پیدا ہوا۔ نامور کو ایک اور وراثت بھی ملی۔ ملا محمد خان لاولد مر گیا۔ اس کی ایک دختر مسمات گبتہ سے نامور نے شادی کر لی جس کے بطن سے پریک پیدا ہوا۔ نامور نے ایک اور وراثت پر بھی قبضہ کر لیا۔ جب فتح خان قوم فاطمہ خیل لاولد مر گیا تو اس کی ایک دختر مسمات عقلمنہ سے نامور نے نکاح کر لیا۔ جس کی شکم سے گلزار خان پیدا ہو گیا۔ اقوام ذیل کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ افغان اصل جنگی خیل افغان اصل ممو خیل۔ افغان اصل لوچی خیل۔ افغان اصل بڑی خیل۔ افغان اصل خٹک قصوریہ۔ سید اصل گان۔ سید اصل حاجی خیل۔ اوان اصل قطب شاہی وغیرہ۔

وجہ تسمیہ۔ گل شاہ نے بعد حصول اس رقبے کے آبادی بنائی اور نام اس آبادی کا اپنی قوم کے لحاظ سے فاطمہ خیل رکھا اور آبادی اس کی چھ جگہ حسب ذیل ہیں۔ ۱) فاطمہ خیل۔ ۲) کوٹکہ عادل۔ ۳) کوٹکہ بلند خان۔ ۴) کوٹکہ نامور۔ ۵) کوٹکہ جمعہ خان۔ ۶) کوٹکہ امام شاہ وغیرہ۔

کوٹ عادل (قوم افغان اصل ممیو خیل)

مضمون۔ چھ پشت کا عرصہ ہوا کہ الہ میر مورث ہمارا فاطمہ خیل خورد سے ہمراہ گل شاہ مورث قوم فاطمہ خیل کا دیہہ ہذا میں آیا۔ جس طرح قوم فاطمہ خیل کو ملکیت کو حاصل ہوئی اس طرح اس نے بھی ملکیت پیدا کی مابین رحمان و میراخان پسران الہ میر مورث ہمارے کے تقسیم بحصہ مساوی ہوئی بعد وفات ان کی جب کلی خان و عباس خان مر گئے تو حسب ذیل حصہ قادر

خان ایک حصہ۔ عادل ان ایک حصہ۔ زلیم خان ایک حصہ۔ بازید خان پسران کلی خان علیحدہ کر دیا۔ قادر خان کلی خان سے پہلے مر گیا۔ اسکا میراث اس کے بیٹوں کو ملی۔ ازاں بعد کلی خان بھی جان بحق ہو گیا۔ اولاد قادر خان کو کچھ نہ ملا۔ پھر جب ظلیم خان مر گیا۔ تو اس کا حصہ عادل کو ملا خواص پسر ظلیم بھی لاولد مر گیا۔ اس کی میراث بھی عادل کو ملی۔ مجملہ کلی خان کی چار حصے کی ملکیت بقبضہ ہم پسران عادل خان اور ایک حصہ کی ملکیت بتصرف آدم خان و مسمات بیگم اکیم بی بی کی ہے اور مابین مجھ کریم خان و حزر خان پسران عباس خان تقسیم بحصہ مساوی ہوئی اور دو قطعہ زمین ہم پسران عباس خان نے اپنی مسمات ۔۔۔ کو واسطے گزارے کے دی ہوئی تھی وہ فوت ہو گئی اب وہ اراضی ہم نے مسمات خلیحہ اپنی ہمشیرہ کو دے دی بصورت وفات اس کے ملکیت ہم عباس خان کو بحصہ ذیل چار حصہ کریم خان و حیدر خان ہو گی۔ اللہ میر سے کلی خان و عباس خان تک ہمارے مورثان خاصی آبادی فاطمہ خیل سکونت پذیر رہے عرصہ تخمیناً ۱۸۔ ۱۹ برس کا ہے کہ عادل خان والد مجھ اکبر خان وغیرہ مجھ کریم خان نے اصلی آبادی سے اٹھ کر کوٹکہ کہ جس میں اب ہم آباد ہیں۔ بنائی اور نام کوٹکہ عادل رکھا۔

ککّی

مضمون۔ دفعہ اصلیت حقوق تقسیم اولیٰ زمین کی۔ جب تقسیم حقیت ہوئی تو رقبہ دیہیہ ہذا کا بامنشائے اراضیات زیل بھرت منارہ۔ پاصلہ۔ دلا۔ کجہ۔ ٹنڈر۔ ہمارے مورث ککی قوم افغان کے حصے میں لیا۔ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ مسمی حافظ عبد السلام و قاسم مورثان ہم مالکان قوم قریش ملک عرب سے و مسمی آر ربول شاہ مورث ہم سید اصل بخاری ملک بخارا سے کسی تقریب سے اس ملک (بنوں) میں آئے۔ ککی نے ان کو متبرک آدمی سمجھ کر کسقدر رقبہ بطور بخشش دیا۔ اور ہماری مورث اپنے قبضہ کی مالک ہوا تقسیم انکی جس طرح مابین اولاد ہر سہ مورثان ہوئی اسکی تفصیل یہ ہے واضح رہے کہ ککی مورث ہم مالکان قوم افغان نے اپنی حقیت کی ۱۶ حصہ فرض کر کے حسب منشاء خود ہر پانچ پسران بحصہ رسمی حسب ذیل نور

محمد، محبوب، بالی غر رستم تقسیم کرلی۔ (یاد رہے، بعد میں متذکرہ علاقہ بھی جو بھرت کی ملکیت تھی ککی نے بزور چھین لیا۔) جو تقسیم ان پانچ مورثان میں ہوئی وہ بعد میں بحصہ جدی ہوئی اور ہم مالکان اولاد محبوب مورث میں جب سے تاجی خیل کی اولاد لاولد مرگئے تو اس کے حصہ پر اولاد حسن قابض ہو گئے۔ جعفر بباعث عدم استقدراد معترض حصہ لاولد نہ ہوا۔ تب اولاد محبوب میں حصہ رسمی حسب ذیل۔ حسن (۲ حصے) جعفر (۱ حصہ) قائم ہوا پھر جس طرح تقسیم اندر اولاد حسن و جعفر کی ہوئی اس کا حال محاذی میں درج ہے۔ اور دوسرے مورثان کی اولاد میں ماسوائے اولاد محبوب کے ہر ایک پیمانہ جدی پر ہوتا رہا۔ اور جو اراضیات موسومہ بھرت منارہ وغیرہ میں مالکان قوم ککی نے قوم بھرت سے بعہد افغانی زور بازو سے حاصل کی ہے۔ وہ بھی ہم نے حسب حصص جدی تقسیم کرلی الابعد تقسیم کے حصہ دار اپنے اراضیات مقبوضہ سے کس قدر زمین بلا تمیز پیمانہ جدی یا رسمی فروخت کرتے رہے۔ اور یہ بھی ہوا کہ عہد افغانیہ و سکھان میں بعضے حصہ دار اپنی اراضیات سے بسبب عدم ادائے کلنگ دست بردار ہوتے رہے۔ اور اقوام متفرق سے جس شخص نے جس قدر زمین کا معاملہ (مالیہ) ادا کیا اس قدر قبضہ کا مالک ہوا تو حصص جدی ہم مالکان اولاد ککی میں محو ہو کر قبضہ پر عملدرآمد ہو گیا۔ اور ہم مالکان اولاد حافظ عبدالسلام و قاسم قوم قریش و اربول شاہ قوم سید کا یہ حال ہے کہ ہمارے درمیان رسم حقیت بحصہ جدی عمل میں آئی اور جو زمین بھرت منارہ ہم قوم ککی و مالکان موضع بھرت سے ملی وہ بھی ہم نے قاعدہ کی رو سے بانٹی۔ الا بمثل اولاد ککی کے ہمارے درمیان بھی حصہ جدی معدوم ہو کر قبضہ موجود ہے۔ الا یاد رہے۔ کہ جس قدر تقسیم متذکرہ صدر ہمارے درمیان ہوئی وہ کسی نام سے مثل طرف و تپے کی نامزد نہیں ہوئی اب جو ہمارے گاؤں میں اطراف اور تپات مشہور ہیں۔ ان کا یہ باعث ہے کہ عہد نکلسن میں (ڈپٹی کمشنر ہوں) ہمارے گاؤں میں گیارہ نمبردار تھے ان کے نام گیارہ جگہ جمع تجویز ہوئی اور اطراف دیہیہ زبر خان سعید خان۔ ممریز۔ منظر خان۔ المبر خان۔ مدک، اعظم شاہ۔ سردار، امان اللہ، پیر خیل وغیرہ قائم ہوئیں۔ اور حصہ دار ملک جس نمبردار کے ماتحت مالگزاری کرتا تھا۔ اسکی طرف میں شمار ہوا۔

اس واسطے اطراف میں کوئی نسبت پیمانہ کے نہیں ہے۔ اور بندوبست حال میں بموجب حکم سر
سری مورخہ۔ ۲۷ مئی ۱۸۷۴ء آٹھ طرف حسب زیل زبر خان۔ سیعد خان، منظر خان۔ الر
مدک، اعظم شاہ دردار۔ امان اللہ۔ پیر خیل۔ دیہیہ ہذا میں اپنے اپنے قبضہ کی مشہور ہے۔

بنائے آبادی وجہ تسمیہ۔ جب کی مورث کو ملکیت حاصل ہوئی تو وہ آبادی بنا کر آباد ہوا۔ اور نام گاؤں کا کی مشہور ہوا۔ اربول شاہ مورث ہم قوم سید نے اپنی آبادی بنائی جو اندرون آبادیہ ارسلا شاہ سے موسوم ہے۔ اسی دوران کئی اشخاص لبادیاں بناتے رہے۔ اس لئے جو زمانہ دیہیہ ہذا کی آبادی باسم ذیل کی خاص۔ آبادی منظر خان۔ آبادی اعظم شاہ، آبادی مدک کوٹکہ مراد خان۔ کوٹکہ خواجہ عباس۔ آبادی جندروالی۔ کوٹکہ پایئدہ خان۔ کوٹکہ عالم خان آبادی سرادر۔ کوٹکہ نیکم۔
کوٹکہ نواب۔ آبادی ارسلا۔ کوٹکہ سوالے۔ کوٹکہ تائب کوٹکہ لونگ شاہ۔ کوٹکہ لعل شاہ۔

کوٹکہ ملیک شاہ آبادی امان۔ کوٹکہ پیر لائی۔ کوٹکہ ظفر واقعہ ہیں۔ اب بندوبست حال میں بموجب حکم ۲۷ مئی ۱۸۷۳ء نام گاؤں کا کاغذات سرکار میں کی درج ہوا ہے۔ علاوہ اسکے چکوک داخلی موسومہ لنڈیڈاک زیل کی لنڈیڈاک نرملی کی لنڈیڈرک چک سردار بطور داخلی بموجب حکم ۲۱ مارچ ۱۸۷۵ء دیہیہ ھذا پر بوں پر جتنا کلنگ عہد سکھان میں ہوتا تھا۔ اس کا
بیسواں حصہ ہمارے گاؤں پر ہوتا تھا۔

بندوبست حال۔ زبر خان۔ سعید خان۔ ممریز خان۔ منظر خان۔ المر خان۔ حدک خان۔ اعظم
شاہ۔ سردارارلا پیر خیل۔ امان اللہ۔

دوسرا بندوبست سرسری ۱۹۱۰ میں ہوا۔ تو ۵۵۳ روپیہ جمع تجویز ہوئے کی۔ منظر خان۔ الم
خان۔ اعظم شاہ۔ سردار۔ ارسلا۔ امان اللہ۔ حسب مجوزہ حصہ اندرون اطراف حسب متفقہ ادا
کرتے ہیں۔

ممش خیل سادات۔

دفعہ اول بنیاد۔ حصول ملکیت۔ تقسیم اولین۔

مضمون۔ ازروئے تقسیم برادرانہ مسمی ممش خیل مورث اعلی ہمارا حصہ میں آیا۔ وفات ممش خیل کے بعد اسکی اولاد میں کسی قاعدہ پر تقسیم حقیت نہ ہوئی کیونکہ اکثر رقبہ غیر آباد تھا۔ اس لئے جس قدر کسی شخص کو اولاد مورث سے استعداد ہوئی وہ حسب مقدور خود رقبہ آباد کر کے قابض ہوا۔ اور ہم مالکان قوم سید خیل کا یہ حال ہے کہ مسمی کمال الدین و میاں احمد مورث ہمارا کسی تقریب سے یہاں آیا۔ اس کو ممش خیلنے صاحب ایمن سمجھ کر کسقدر اراضی بطور خیرات کی۔ اور وہ مالک قبضہ ہوا۔ سو ہمارے درمیان بھی بمثل اولاد ممش خیل کے قبضہ کا رواج ہے اس وجہ سے کوئی طرف یا پتی مشہور نہیں ہوئی بندوبست سرسری میں بلحاظ علحدگی آبادیات معکونہ سات موضع جدا جدا تصور ہو کر جمع علحدہ علحدہ تجویز ہوئی اب جو بندوبست قانونی ہوا۔ تو اراضیات ہر ہفت گاؤں بموجب حکم ۵ جون ۱۸۷۴ء اشتمال میں آکر سات اطراف حسب زیل احمد خان۔ شاہ ولی خان، عمر خان جرس خان، عارف شاہ، لطیف شاہ، محمد بشیر حسب قبضہ نمبردار کے نام پر مشہور ہوئیں۔

وجہ تسمیہ۔ بعد حصول ملکیت رقبہ ممش خیل مورث اعلیی ہمارے نے اس میں ایک نئی آبادی بنائی جس کا نام اس وقت میں ستر کلہ (بڑا گاؤں) مشہور تھا۔ جس قدر روید اسکی تھی سب اسی میں بود و باش کرتے تھے بعد اسکی وقتاً فوقتاً اولد اسکی نے چار آبادی میں متفرق اور دو آبادی میں محمد بشیر قوم قریش نے بنائی جس نے اسے اب طرفین مشہور ہیں۔ وہی نام آبادیوں کے تھے بندوبست حال میں بعد اشتمال ہر سات اطراف بموجب حکم ۵ جون ۱۸۷۴ء ایک موضع بنام ممش خیل سادات قائم ہوا۔

انتظام۔ عہد سکھان میں کلنگ کا رواج تھا۔ مگر ہم مالکان قوم ممش خیل نے کبھی کلنگ نہیں دیا تھا۔ جسوقت وہ حاکم لوگ کلنگ لینے کے واسطے آتے تھے تو ہم لوگ

اس وقت یہاں سے فرار ہو کر پہاڑوں میں چلے جاتے تھے جب سکھ لاچار ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔ تو ہم پھر آجاتے تھے اور ہم مالکان طرف عارف شاہ و لطیف شاہ قوم سید کا معاملہ معاف تھا۔ ۱۹۰۴ سے ابتدائے عملداری سرکار انگریز سال اول ہم لوگ دستور سابق فرار ہو کر طرف پہاڑ چلے گئے۔ فصل ہمارا اجڑا لیا گیا۔ بعدش احمد خان باپ مجھ عادل خان نے ایڈورڈز صاحب بہادر کی خدمت میں جا کر عرض کی تو صاحب بہادر نے عوض نامہ نقصان فصل کا دیکر فی کنال معاملہ کاٹ لیا۔ جو لوگ اپنی ملکیت چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کی بابت سے روپیہ احمد خان سے لیا گیا۔ جو وہ مالک تپہ تھا چار سال تک یہ عمل رہا بعید نکلسن ڈی سی بنوں بندوبست سرسری ہوا اور مبلغ ۲۴ روپیہ جمع ہمارے گاؤں کی مقرر رہوا۔

• دستخط اور مہر نمبرداران

عادل خان۔ سعید شاہ۔ محمد بشیر۔

ممش خیل گڑھی سیدان۔

دفعہ اول بنیاد۔ حصول ملکیت۔ تقسیم اولین۔

مضمون۔ پہلے یہ رقبہ شامل موضع منڈان کے لوگ اس پر قابض تھے۔ عرصہ آٹھ پشت کا ہوا ہے کہ مسمی حسن شاہ قوم سید اصل بخاری مورث اعلیٰ ہمارا کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے ملک بخارہ کی جانب سے بہ تقریب سید اس ملک میں آیا اور دیہہ ہذا میں سکونت پذیر ہوا مالکان منڈان و ممش خیل نے یہ رقبہ بطور شکرانہ مورث مذکور کو دے دیا اور وہ قابض و متصرف ہوا اس کے بعد اگرچہ اس کی اولاد نے تقسیم بحصہ جدی کر لی لیکن پیمانہ جدی کا بسبب خرید و فروخت معدوم ہو کر قبضے کا عمل درآمد ہوا۔ اور ہم مالکان قوم قریش کا مورث مسمی برہان الدین قوم قریش اکثر مخدوم خیل ملتان سے یہاں آیا اور قوم مشرو کشر شاخ ہائے داؤد شاہ سے کسی قدر رقبہ بطور شکرانہ حاصل کر کے مالک و قابض ہوا۔ بموجب بندوبست سرسری آبادی جداگانہ ہر سہ کی ایک موضع قرار دیا گیا۔ اب بندوبست حال میں ہر سہ آبادی کا ایک موضع قائم ہو

کر بجائے ہر سہ آبادی کے تین اطراف وردک شاہ۔ سنجید شاہ۔ حسن شاہ اپنے اپنے قبضے کے اوپر نام نمبر دار کے مشہور ہوئی۔

وجہ تسمیہ۔ بعد حصول ملکیت مدت تک ہمارے بزرگان موضع شیخ جانی میں رہ کر رقبہ دیہیہ ہذا پر قابض و متصرف رہے چونکہ رقبہ ہمارا موضع مذکور سے دور فاصلے پر تھا اور قوم ممش خیل سے لوگ ہماری زراعت کو نقصان پہنچاتے تھے اس لئے زیبک شاہ و سطر دین وغیرہ ہمارے مورثان دیہی ہذا میں آبادی بنائی بعد ازاں دوسرے حصہ دار بھی وقتاً فوقتاً آباد ہوتے رہے حتی کہ فی الحال ہمارے گاؤں میں آبادیاں حسب زیل مشہور ہیں۔

وردک شاہ۔ (دادک شاہ) طرف سنجید شاہ طرف حسن شاہ جس وقت یہ گاؤں آباد ہوا تو اول نام گاؤں کا کلہ سطر دین رکھا گیا۔ مدت تک یہی نام چلا آیا۔ بعد ازاں بعید سکھان میاں احمد شاہ مالک ہوا تو اس وقت گاؤں کا نام میاں احمد شاہ ہو گیا۔ اور اس طرح ہر گاؤں کا نام نمبر دار کی تبدیلی کے ساتھ برابر تبدیل ہوتا رہا۔ لیکن جب اشتمال ہوا تو ان ابادیوں کا نام گڑھی سیدان مشہور ہوا تو اندراج کاغذات سرکار رہے۔

انتظام۔۔ عہد سکھان اور اس سے پہلے کلنگ کا رواج تھا مگر ہم قوم سید کے اوپر قلنک معاف تھا مگر سرکار انگریز میں ششم حصہ بطور لگان مقرر ہوا۔ نکلسن ڈپٹی کمشنر نے بندوبست سرسری کرائی تو مبلغ ایک سو گیارہ روپیہ گڑھی میاں احمد شاہ پر اور مبلغ ۹۶ روپیہ جمع دادک شاہ اور ۶۵ روپیہ گڑھی صاف شاہ مقرر ہوئی۔

دستخط

ممش خیل نو گڑھی۔

تقسیم اراضی اولین۔

دفعہ اول بنیاد۔ حصول ملکیت و تقسیم اراضی اولین۔ مضمون۔ خارج ہونے قوم ہنی و منگل کا اس ملک سے اور قابض ہو جانا بوچی کا حال

شجرہ نسب کلیات میں درج ہو چکا ہے قوم ہوچی نے جب اس ملک (بنوں) کو تقسیم کیا تو رقبہ دیہیہ ہذا اور دیگر دیہات قوم ممش خیل ہمارے مورثان کے حصہ میں آیا۔ کہ جن سے سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ شجرہ نسب دس پشت تک ملتا ہے۔ بعد وفات اس کی (ممش خان) حقیت اس کی بوجہ کہ زمین غیر آباد تھی اور بکثرت تھی تقسیم مابین اولاد بحصہ جدی ورسمی نہ ہوئی جس قدر کسی حصہ دار کو طاقت ہنر شگامی ہوئی وہ رقبہ آباد کر کے متصرف ہوا۔

ہم قوم سید کو قوم ممش خیل کے بزرگان نے کسی قدر رقبہ بطور نزرانہ دے دیا۔ بعد میں منجملہ مالکان اپنی اپنی آبادیاں بناتے رہے۔ اور آبادی ملحقہ زمین پر قابض رہے۔ ۹ موضع ہو کر جمع علحدہ علحدہ قمقر رہوا۔ چونکہ ہر گاؤں کے ساتھ ملحقہ زمین بہت کم تھی بموجب حکم مورخہ ۲۰ جون ۱۸۷۴ء کی نو اطراف نمبرداران موجودہ کے نام پر حسب زیل غوث امیر خان۔ حیدر خان۔ اللہ داد خان۔ رحم داد خان۔ یوسف خان۔ نصیر خان۔ اسپالک خان۔ جمعدار خان۔ عادل شاہ اپنے اپنے قبضے کی قائم ہوئی۔

وجہ تسمیہ۔ پہلی آبادی ممش خان مورث رقبہ ممش خیل۔ سادات میں بنائی تھی جو ان دنوں عادل شاہ کے نام مشہور ہے۔ بعد اس کی اولاد نے کچھ مدت تک وہاں ساکن رہے جب زیادہ ہوئے تو بعید سکھان تخمیناً چالیس برس پہلے مسمیان جان محمد وغیرہ پسران جنگی خان و غازی خان نے اپنی اپنی آبادی بناڈالی ہر آبادی بانی کے نام پر مشہور ہوئی مثلاً آبدی اکرم خان۔ آبادی خان محمد ۔ رحم داد۔ عیسیٰ خان۔ امیر خان۔ سالک خان جمعدار خان۔ عادل شاہ۔

منڈیو

دفعہ اول بنیاد حصول اراضی و تقسیم۔

مضمون۔ پرانی روایات سے معلوم ہوا کہ پہلے یہ ملک (بنوں) بقباضہ اقوام ہنی و منگل کے ہوتا

تھا۔ جب بعض کئی لڑائیوں کے ہماری قوم افغان المعروف ہوچی نے اس ملک پر پورا قبضہ حاصل کیا اور مانگل اور ہنی فرار ہو گئے۔ جس کی پوری تشریح کلیات میں درج ہے تب ہماری قوم نے مقبوضہ پرگنہ کی کئی تپے مقرر کر کے قوم وار تقسیم کرلی اس تقسیم کی رو سے یہ تپہ فی زمانہ جو بارک زئی کے نام سے مشہور ہے اور اس میں ہماری قوم کے دیہات ذیل ۱) دیہی ہذا۔ ۲) مباتی۔ ۳) تپہ غلام قادر اور بارک زئی میر باز واقع ہے۔ اور ہمارا مورث مسمی بارک زئی ابن میر ائی قوم افغان ہوچی کے حصہ میں آیا اور اس سے ہمارا سلسلہ نسب ملتا ہے ہمارے مورث نے اپنے حصہ کی اراضی پر جب قبضہ کیا اس ترود اور آبادی شروع کر دی جب تک زندہ رہا واحد مالک رہا اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مسمیان مندیو۔ نقرہ دین اور تپی باقی رہے ان نے بباعث اتحاد ترکہ پدری کو تقسیم نہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے مابین نفاق پیدا ہوا پھر عداوت میں تبدیل ہوا لہذا مندیو دوسرے دونوں بھائیوں سے خائف ہوا۔ اور اسے گاؤں سے نکال دیا گیا۔ مندیو کسی قدر زمین افتادہ پر قابض ہو گیا۔ نقرہ دین اور تپی بھی کچھ عرصہ ساتھ رہے مگر بعد میں وہ بھی علیحدہ ہو گئے جس نے جتنی زمین قبضہ کر لی اس کا مالک ہوا۔ تپی کی اولاد کا حصہ بارک زئی میر باز میں ہے۔ دیہی ہذا میں صرف ہم مالکان اولاد مندیو و نقرہ دین قابض ہیں۔ اور ابتداء سے دو مورثان سابق اطراف ذیل۔ طرف مندیو۔ طرف نقرہ دین۔ اپنے اپنے مقبوضہ کے مالک اور مشہور چلے آئے بعد ازاں جب ہم مالکان اقوام مختلف کے مورثان اوقات مختلفہ میں گرد و نواح کے دیہات سے آکر بذریعہ زر خرید یا ہبہ / بخشش یا اشتمال اراضی بوقت حد بست سر سری دیہی ہذا میں اپنے اپنے مقبوضے کے مالک و قابض ہوتے رہے تو ایک تیسری طرف۔ طرف متفرق کے نام سے دیہیہ ہذا میں اپنے اپنے قبضہ کے بلا نسبت پیمانہ قائم ہوئی اب تین اطراف۔ طرف مندیو۔ طرف نقرہ دین۔ طرف متفرق۔ ان سب کا ذکر اور تشریح کیفیت فرط وار میں درج ہے۔

وجہ تسمیہ۔ جب تقسیم برادرانہ کی رو سے یہ رقبہ بارک مورث کو ملا تو اس نے آبادی اور آباد ہوا۔ اس کی حیات تک وہ آبادی خوب معمور رہی اس کی وفات کے بعد مسمیان نقرہ دین و

تپی مندیو اس کے بیٹوں نے باصلاح باہمی آبادی بنا کر دہ والد کی چھوڑ کر اراضی موسومہ تھل میں آبادی تعمیر کرائی اور سابقہ آبادی (گاؤں) ویران ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا مندیو اس آبادی سے نکالا گیا۔ مندیو نے اپنی آبادی بنائی تپی نے بھی جداگانہ آبادی بنائی اور نقرہ دین پہلی آبادی میں اسی طرح مقیم رہا۔ مگر نقرہ دین اور تپی کی اولاد کو عداوت روزمرہ نے ایسا تباہ اور بے سروسامان کر دیا کہ انہیں اپنی اپنی ابادیوں کو چھوڑنا پڑا اور مندیو کی آباد کردہ آبادی میں آگئے عرصہ سات پشت کا گزرا ہے کہ مسمیان کالا خیل وغیرہ کے نام ہمیں یاد نہیں البتہ ان کے نشانات کو ٹنڈر کے نام سے یاد کیا جات ہے۔ (ٹنڈر سے مراد کھنڈرات ہے) اس جدید آبادی کا نام جس سے کالا خیل نے تعمیر کرایا اسے بھی مندیو مشہور کیا۔ آبادی دیہیہ ہذاچھ جگہ واقع ہے۔ خاص دیہیہ۔ دیہیہ مداخون۔ گل بدن۔ سمند خان۔ میر غلام۔ صالح خان۔

انتظام مال گزاری۔ عہد سکھان اور دورانیان میں لگان کا کوئی مقدار نہ تھا حاکم کی جی میں جتنا آیا مقرر کر دیا۔ جسے ہم نصف مزروعہ رقبے پر تقسیم کرتے تھے اور باقی نصف حصہ افراد پر بلا تمیز قبضہ اراضی۔ اس مردم شماری سے نابالغ لڑکے اور خواتین مستثنا تھیں۔ عہد انگریز نے مبلغ ۱۸۰۰ روپیہ تجویز ہوا جسے حسب رسید اراضی ہم ادا کرتے رہے۔

دستخط اور مہریں۔

ہوید۔

دفعہ اول حصول ملکیت تقسیم اراضی اولین۔

مضمون۔ حال آمد و حصول ملکیت ہماری قوم ہوچی کا شجرہ نسب کلیات پرگنہ میں تحریر ہو چکا ہے۔ تپہ سورانی بر وقت تقسیم قوم وار حصہ سورانی اور ظلام ہر سہ برادران حقیقی میں آیا۔ اور قابض ہوئے تھوڑے عرصے کے بعد مابین ہر سہ برادران نفاق پیدا ہو کر بے اتفاقی ہو گئی۔ نوٹ۔ (کتب انساب میں بحوالہ مصنف حیات افغانی ہوید و طلیم یا ظلام سورانی کے حقیقی بھائی نہ

تھے بلکہ شکیم زوجہ دوم سے تھے) اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہوید نے سورانی کے چند لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور خود اپنے چھوٹے بھائی ظلام کے ساتھ فرار ہو گئے اور اس اراضی پر جو ان دنوں میں تپہ ہوید کے نام سے ہوید مورث کے نام پر زبان زد عوام الناس تھے آکر قابض ہو گئے۔ ہوید و ظلام ہر دو مورثان کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے اس رقبہ بحساب پانچ حصے ہوید اور دو حصے ظلام کو ملے اور دو اطراف حسب متذکرہ صدر قاسمان کی معروف و مشہور ہوئیں۔ ایک عرصہ تک یہ عمل جاری رہا اراضی کا دارومدار قلنگ کی ادائگی پر تھا۔ مزید خرید و فروخت کے باعث پیمانہ جدی ورسمی غائب ہوا۔ دیگر مالکان اراضی کا بیان کیفیت ہر ایک طرف میں لکھا دیا ہے صورت بھیاچارہ مکمل ہے۔

وجہ تسمیہ۔ ہوید و ظلام مورثان بعد قابض ہونے کے اس رقبہ میں آبادی بنا کر آباد ہوئے اور نام آبادی کا ہوید مشہور کیا۔ تین پشت تک وہ آبادی بر قرار رہی بعد میں سیلاب جسے پشتو میں نیز کہتے ہیں۔ کی وجہ سے منہدم ہو گئی پھر ہمارے بزرگان نے آبادی قدیم کی جانب مشرق ایک اور آبادی بنائی لیکن وہ بھی چشمہ سے دور تھا گویا ہمارے مویشیوں کے لئے پانی دور پڑتا تھا۔ مزید وزیر لوگ پانی روک لیتے تھے اس لئے انہوں نے اس آبادی کو چھوڑ کر تیسری آبادی بنائی الا اس آبادی کی زمین شور زدہ تھی اور بوقت بارش وباران گھروں کو نقصان پہنچتا تھا۔ اور نیز عملداری سرکار انگریز کے باعث ظلم وزیادتی ختم ہوئی اقوام آزاد سے بھی بے غم کر دیا گیا۔ تو ہم نے آبادی دیگر بنائی یہ چوتھی آبادی تھی۔ جسے ہوید کہتے ہیں۔ آبادی چہارم روز آبادی سے برابر آباد ہے۔ کبھی ویران نہیں ہوئی۔ آبادی یکجا ہے اور تین کہنہ بااسامی ذیل ہے۔ زیڑ کلہ۔ زیڑ کلہ لر۔ زیڑ کلہ بر۔ رقبہ ہذا میں واقع ہے۔

نظام۔ کلنگ تپہ وار تقسیم کیا جاتا تھا۔ دیہہ ہذا پر سالانہ مالیہ مبلغ ۸۵۰ روپیہ مقرر ہوا۔

العبد العبد العبد العبد

العبد العبد العبد

میر سلام پائندہ۔ نیازی دیوانہ اسدخان۔ شیر خان۔ کریم خان۔

ہنجل نواب

مضمون۔ ہم مالکان ہنجل سے ہیں عرصہ پانچ پشت کا ہے کہ مسمی جمال ہمارے مورث نے اپنے حصے کی زمین موضع ہنجل سے جدا کر ایک علیحدہ گاؤں مقرر کر کے قابض ہوا۔ تاحیات وہ خود وحد مالک رہا۔ اس کی وفات کے بعد تقسیم ہر سہ پسران بحصہ مساوی ہوئی مگر یہ تقسیم کسی پیمانہ کے تحت نہ تھی صرف اندازہ پر ہوئی بعد میں جب پیمائش ہوئی کمی وبیشی کو اس طرح رکھا کیونکہ رسم کے مطابق شکست وریخت کو مناسب نہ سمجھا گیا۔ اور صرف قبضہ پر رواج ہو گیا۔ ہم مالکان اقوام ذیل۔

افغان اصل ہنجل۔ افغان اصل حیات خیل۔ افغان اصل میر زعلی خیل قریش۔ اروڑہ۔ چاؤلہ۔ وغیرہ کے مورثان جس طرح دیہیہ ہذا میں قبضہ کے مالک ہوئے۔ یا جس طرح ان میں تقسیم ہوئی اس کا مفصل حال تذکرہ کیفیت محازی میں درج کرا دیا ہے شاملات دیہیہ ہذ بجز ویال۔ ورخہ۔ راستہ وغیرہ نہیں۔ ہے۔ صورت بھیاچارہ مکمل ہے۔

وجہ تسمیہ۔ اصل سکونت ہماری ہنجل کی تھی جب رشید وغیرہ اولاد ہنجل نے بوجہ قلت آبادی کثیر اپنی اپنی آبادیاں جداگانہ بنائیں تب جمال مورث ہمارے نے بھی موضع مذکورہ سے اٹھ کر اس رقبہ میں کہ قدیمی ملکیت ہماری ہے یہ گاؤں آباد کیا۔ اور معہ پسران خود اصلی دیہیہ کو چھوڑ کر یہاں آیا۔ اور آبادی سے یہ گاؤں برابر آباد ہے۔ کبھی ویران نہیں ہوا۔ تپی کہنہ اندر رقبہ دیہیہ ہذا کوئی نہیں ہے۔ یہ گاؤں مورث ہمارے جمال نے بنایا اس کے نام پر قلعہ جمال مشہور ہوا پھر رمضان ملک ہوا تو قلعہ رمضان مشہور ہوا۔ بعد میں نواب خان نمبر دار مقرر ہوا۔ اور اس کے نام پر ہنجل نواب مشہور ہے۔ اب تک کاغزات میں اسی نام سے درج ہے۔ مالیہ سالانہ بعہد نکلسن مبلغ ۱۵۰

دستخط

ہنجل نورباز

دفعہ بنیاد۔ حصول ملکیت۔ تقسیم اولین اراضی۔

مضمون۔ عام مشہور ہے کہ قبل قابض ہونے ہماری قوم کے یہ علاقہ بقبضہ قوم افغان ہنی و منگل کے ہوا کرتا تھا۔ جس زمانہ میں ہماری قوم ہوچی نے کوہ شوال سے خرروج کر کے عالقہ ہذا پر قبضہ پایا۔ اس کی پوری پوری تفصیل شجرہ نسب کلیات پرگنہ میں درج کرا چکے ہیں۔ جب تقسیم ان علاقے کی مابین قوم مذکور ہوئی تو یہ رقبہ بمعہ اراضی موضع ہنجل نواب مسمی ہنجل مورث ہمارے کے حصے میں آیا۔ کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے اور جس کی اولاد ہم مالکان ہنجل کی لقب سے مشہور ہیں۔ تاحیات خود مورث ہامر ابلا شرکت قابض رہا۔ اس کی وفات کے بعد ہر چہار پسر ش ذیل۔

مبتی ۔رشید۔ ہیبت نے زمین موروثہ والد کو بحصہ مساوی تقسیم کیا۔ ل اکثر اراضی بذریعہ بیع و ہبہ بلا تمیز پیمانہ ملیت مختلف اشخاص کی طرف سے مختلف اوقات میں منتقل ہوئی تو پیمانہ جدی پورا نہ رہا اور عمل اس تقسیم کا باطل ہو کر قبضہ کی صورت نمودار ہوئی البتہ اولاد مورثان نے وقتاً فوقتاً جداگانہ آبادیاں بنائیں بندوبست سرسری کے مبابق چار موضع جداگانہ دیہیہ ہذا کی قرار دیدی گئیں۔ اب بندوبست حال میں بخیال کھوٹ و قلیل المقدار ہونے اراضیات ہر چار آبادی کے ایک موضع قائم ہو کر چار اطراف باسامی نمبرداران زیل امیر خان۔ نورباز۔ پیرت۔ برہیم۔ قائم ہوئے اور جو مالک جس آبادی میں سکونت پذیر تھا اس طرف کے ساتھ شامل ہوا تقسیم ثانی کا حال کیفیت طرف وار میں درج کرادیا گیا ہے۔ صورت بھیا چارہ مکمل ہے۔

وجہ تسمیہ۔ جب ہنجل مورث ہمارے نے قبضہ مالکانہ حاصل کیا تو وہ اس رقبہ میں آبادی بنا کر اس کا نام ہنجل رکھا بعد وفات اس کی اس کے بیٹے بھی وہیں آباد رہے۔ جب اولاد بکثرت ہوئی اور آبادی تنگ۔ اور سکونت مشکل ہوگئی تو بیٹوں نے چار جدید آبادیاں تعمیر کر لیں چنانچہ اول درازولد نمبل نے دوسری روبت خان اور تیسری گل خان شیخ خان نے اور چوتھی ہنڈول خٹک نے آبادی

بنائی ہر ایک آبادی بانی کے نام پر نامزد ہوئی اور بموجب رواج ملک پر نمبردار وقت کے نام پر نام آبادیوں کا تبدیل ہوتا رہا۔ نمبرداروں کے نام پر حسب زیل

امیر خان۔ نورباز۔ پرت۔ برہیم زبان زد عام ھے بندوبست حال میں ان چاروں سے ایک گاؤں قائم ہوا اور نام ہنجل قرار پایا جو ابتک مشہور ہے کوئی قلعہ ویرانہ دیہیہ ہذا میں نہیں ہے۔ البتہ پہلی آبادی ہنجل والی مزروعہ ہو کر بے نشان ہے۔ نکلسن نے سالانہ مالیہ مبلغ ۶۹۴ روپ مقرر کیا۔

ہنجل شیر زہ خان۔

دفعہ اول بنیاد حصول ملکیت و تقسیم اولین اراضیات۔

مضمون۔ خٹک مورث ہمارا کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا مندرجہ بالا ساتویں پشت میں ملتا ہے۔ موضع زرگی علاقہ خٹک سے اٹھ کر بمعہ چند ہمراہیان یہاں آباد ہوا اس زمانے میں قوم ہنجل و عیسکی کی اپس میں سخت مخالفت تھی قوم ہنجل نے یمت سمجھ کر واسطے رہائش کے گڑھی کہنہ ہنجل میں جو اس وقت ہنجل کے نام سے مشہور ہے جگہ دی وہ آدمی (خٹک) صاحب مقدور تھا۔ بعد گزارے چند دن کی اس نے دسواں حصہ اراضی زرعی بمقابلہ ۴۰۰ روپے قوم مذکور سے خرید کیا۔ اور مالکانہ قابض ہوا اس کے مرنے کے بعد تین پشت تک اس کی اولاد باتفاق مالکان قوم ونجل یکجا آباد اور قابض رہے جب زمانہ عزیر خان کا آیا تو انہوں نے بباعث فساد باہمی قوم ہنجل کی اپنی مقبوضہ کی زمین علحدہ کر کے جداگانہ موضع قرار دیا۔ اگرچہ پسران عبداللہ حقیت پدری کو تین جگہ پر بحصہ مساوی بنٹا لیکن ریاض لاولد مر گیا۔ اس کے حصہ سے عزیر خان و پھلوان کو بحصہ مساوی پہنچا۔ علے ہذالقیاس روز فیض اللہ میں بھی تقسیم بحصہ جدی ہوئی مگر اللہ خان و میر خان لاولد مر گئے ان کا حصہ زر خان و اللہ داد کے قبضے میں آیا۔ یہاں تک عمل جدی کا قائم رہا جب عہد ایڈورڈز آباد کی آبادی بڑھی تو بقدر۔۔۔۔ کنال اور کاکس صاحب بہادر کے وقت میں بمقدار کنال اور مسٹر تھاربرن صاحب قائم مقام ڈپٹی کمشنر

کے وقت میں شہر بڑھادیا گیا۔۔۔۔۔ کنال رقبہ ہم مالکان کا زیر آبادی ایڈورڈز آباد ہو گیا۔ اور جس قدر زمین ہماری زیر آمد شیر ہوئی وہ ہر ایک حصہ دار کی ملکیت سے بلا تمیز پیمانہ ہوئی اس لئے عمل حصص جدی کالعدم ہو کر قبضے کا رواج ہو گیا۔ اور یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ بباعث امتداد زمانہ حصول ملکیت کی اور سخت ہونے اختلاط ساتھ قوم ہنجل کے ہماری قوم بھی عوام الناس مشہور میں ہنجل

ہو لباقی اقوام ذیل۔

افغانی اصل فاطمہ خیل۔ اروڑہ۔ چکرہ۔ قریش وغیرہ۔ کے مالکان جس وجہ سے دیہیہ ہذا میں مالک و قابض قرار پائے اور جس طرح مابین ان کی تقسیم ہوئی ان امفصل حال کوئف محاذی میں درج ہے۔ شاملات بدون ویال۔ ورطہ۔ رستہ کوئی نہیں۔ صورت بھیاچارہ مکمل ہے۔

وجہ تسمیہ۔ جب ہمارے مورثان نے اپنی مقبوضہ زمین علیحدہ کی تو اولاد فیض اللہ بدستور موضع ہنجل میں آباد رہ کر تردد و کاشت اراضیات کا کرتا رہا۔ اور عزیز خان و پہلوان۔ ریاض خان پسران عبداللہ نے یہ گاؤں بسایا جس کا نام بایزادی لفظ قوم عزیر خان کے نام پر عزر خان خٹک مشہور ہوا۔ روز آبادی سے آباد ہے کبھی ویران نہیں ہوا۔ تہہ کہنہ قلعہ ویران کوئی نہی ہے۔

انتظام۔ ماضی میں کلنک کا رواج تھا مقدار مقرر نہ تھا جو حاکم کے جع میں آتا وہی کلنک بن جاتا۔ البتہ کلنگ کا دسواں حصہ ہمارے گاؤں پر مقرر تھا عہد انگریزی میں ہمارے گاؤں پر صرف مبلغ ۱۰۰ اروپیہ کلنگ مقرر رہا۔

مرزابیگ۔

مضمون۔ دفعہ اول بنیاد و حصول ملکیت و تقسیم اولین اراضی۔ جب مسمیان مرزابیگ و اسماعیل خان ہر دو برادران دشمنوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ تو مسمی میر قلم پسر مرزابیگ اور دیدار شاہ و رحیا خان پسران اسماعیل خان مشترکہ قابض رہے بعد ازاں وہ علحدہ ہو گئے چنانچہ سعادت خان و جنگی خان و امیر دل خان ہر سہ کسان اولاد میر قلم بروئے پیمانہ جدی قابض ہیں اور اپنے نصف کو

مسمیان دیدار شاہ واحیا خان ہر دو برادران حقیقی نے بروئے پیمانہ جدی بحصہ مساوی تقسیم کیا۔ ہم مالکان اس کے بعد اولاد احیا خان کل ملکیت حسب مندرجہ کیفیت محازی اپنے فروخت کر دی ہے صرف تھوڑی سی اراضی انکے قبضہ میں ہے۔ اور اقوام داؤد خیل میں سے مسمی سانک کو جو ملکیت بباعث رشتہ داری کے اقوام بہت خیل سے ملی تو مسمی پیاؤ برادر حقیقی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بلد تعین حصہ کسقدر اراضی واسطے گزارہ کے دیگر علحدہ کر دیا۔ توجب تک یہ دونوں بھائی حیات رہے علحدہ علحدہ قابض رہے جب ہر دو برادران مر گئے تو سانک کے ہر دو پسران سانال و پرک نے بحصہ مساوی ملکیت پدری کو منقسم کر کے قبضہ کیا اور پیاؤ کا ایک بیٹا فیض اللہ تھا تو وہ قابض رہا۔ فیض اللہ لاولد مر گیا۔ ایک دختر جسکی شادی سلامت کے ساتھ ہوئی اس لئے کل ملکیت مسمی پیاو کے نصف قبضہ اولاد سلامت اور نصف اولاد پیرک کے ہو گئی۔ سانال کی اولاد محروم رہے۔ وجہ محرومی یہ ہے کہ بوقت قبضہ کرنے سانال ما گیا تھا۔ اور سلامت اور پیرک زندہ ہے۔ اور بروئے شریعت بھتیجوں کو حصہ زمین نہیں پہنچا۔ اور مسمی سانال کے تین پسر ذیل سلامت۔ گوہبت۔ صحبت تھے۔ توبعد وفات والد کے ہر سہ نے بحصہ مساوی تقسیم کیا۔ توبعد تقسیم کے صحبت لاولد مر گیا۔ تو اسکی مسماۃ مکی زوجہ قابض ہو گئی بعد میں عیسکی نے کل ملکیت بمقابلہ مبلغ ۶۵ روپیہ پاس مسمی اخلاص کے فروخت کر دی اور ہم مسمیان خضر خان شاہ کوثر و قیصر نے عدالت ضلع (بنوں) میں بابت حق شفاع نالش کر کے بعد ادائے مبلغ ۶۵ روپیہ روپیہ پیش از اں ملا اخلاص اراضی فروخت شدہ پر داخل کر دی اور مسمی شاہ کوثر نے سوئم حصہ اپنا مبلغ ۲ روپیہ ۱۰ آنے دو پائی روپیہ پاس مجھ حضر خان و قیصر کے فروخت کر دیا۔ اگرچہ مسمیان ولی خان و رسول خان واعظم خان پسران گومت ہیں۔ نصف حصہ کے باب حصہ مسمات مذکور کو ہمارے ساتھ حصہ دار ہیں الا اس نے نا روپیہ دیا اور نہ حصہ لیا صرف ان کے قبضہ میں سوئم حصہ جدی ہے اور جو سوئم حصہ جدی مسمی سلامت کو ملا تھا اس کی دو زوجہ مسمات سکی بی بی و مسمات سلیم تھی مسمیان شاہ کوثر حضر خان سکم مسمات سکی بی بی و قیصر خان و شرابت خان شکم مسمات سلیم سے ہے۔ مسمی سلامت نے بحیات خود اپنے سوئم حصہ کے پانچ حصہ رسمی ایک واسطے

گزارہ خود اور چار حصہ اپنے چہار پسران کے مقرر کر کے پانچوں حصہ شاہ کوثر کو دیکر علحدہ کر دیا۔ باقی پسران سہ کو اپنے ساتھ شامل رکھا اور جب سلامت مر گیا۔ جو حصہ واسطے گزارہ کے رکھا تھا۔ مسمات سلیمہ زوجہ اسکی اور مسمات بیگم دختر اسکی قابض ہو گئے۔ دختر کی شادی ہو گئی اور مسمات سلیمہ مجھ حضر خان و قیصر خان کے شامل رہتی ہے۔ اور شرابت خان لاولد مر گیا۔ اس کا حصہ بھی بقبضہ ہم دونوں کے رہا۔ شاہ کوثر برادر نے نہ لیا اس لئے پانچ حصہ چہار حصہ میراث جدی اور کل ملکیت مسمی صحبت خان جو مسمات کی زوجہ اسکی سے بطور زر خرید ہے بھی بقبضہ ہم حضر خان و قیصر خان بحصہ مساوی ہے۔ ایک حصہ کی ملکیت میراث پدری کے بقبضہ شاہ کوثر کے ہے۔ اور ایک حصہ کی اراضی بقبضہ شاہ کوثر کے برابر نہیں ہے۔ اسکی بھی وجہ یہ ہے کہ اس نے کسقدر اراضی کو ٹکہ بازید خان سے بعوض اسکے لی ہوئی ہے۔ اور مسمی بیرک کی ملکیت رپر مسمی بیرک کی ملکیت پر مسمی عجب نور پوترا اس کا نابالغ باسر براہ پی پیاؤ قابض ہے اور مسمی بیرک نے حیات خود ایک حصہ کی ملکیت مسمی یعقوب پسر کو کہ جس کا بیٹا عجب نور موجود ہے۔ اور ایک حصہ ہر دو دختران پے پے و مسمات نورا کو دیا۔ چنانچہ مسمات نورا کی شادی ہو گئی۔ اور مسمات پے پے ابھی تک کنواری ہے۔ اس لئے مسمات نورا کے حصہ پر ہمشیرہ پے پے قابض ہے جو ساتھ عجب نور کے رہتی ہے۔ اور بحصہ مساوی مالک ہے اور اقوام کیکل سے مسمی رحمت کے چار پسر دو ایک سے دو دوسرے سے سو بحصہ مساوی ملکیت پدری کو اولاد نے تقسیم کیا۔ احمد شاہ پسر اس کا لا ولد مر گیا۔ اعظم شاہ برادر حقیقی اس کا قابض ہوا اب نصف حصہ میر اعظم شاہ اور نصف پیرولی خان و شاہ سلی خان برادران حقیقی قبض ہیں اور اقوام ترین سے مسمی ترین نے ملکیت حاصل کی اور دولت تنک کھاتہ مشترک رہا۔ بعد وفات ان کی پسران زمان شاہ۔ رحمٰن شاہ نے مساوی تقسیم کے زمان شاہ لاولد مر گیا۔ اور مسمات حکمی زوجہ اسکی ساتھ ملکیت پدری کو مسیم تقسیم کیا بعد مسمی رحمٰن برادر زمان شاہ نے نکاح کیا۔ اور ملکیت برادر پر قابض ہوا۔ رحمٰن کے وفات کے بعد ہر چار پسران اسکی مہر میر وغیرہ بحصہ مساوی قابض ہیں۔ مگر کسی کا حصہ برابر نہیں وجہ خرید و فروخت کا ہے اب عمل قبضہ موجود ہے۔ سوائے ہم مالکان اقوام بہت خیل عمل جدی معدوم

داود خیل وکیکل خیل ترین نے دیہیہ ہذا سے ملکیت حاصل کر کے قبضہ کیا ہے۔

وجہ تسمیہ۔ پہلے مورثان ہمارے موضع عابد خیل میں رہتے تھے بباعث عداوت ساتھ تربوران اس جگہ اٹھ کر موجودہ رقبہ میں آبادی بنا کر آباد ہوئے مسمی مرزا بیگ برادر کلاں تھا۔ اس کے نام پر گاؤں مشہور کیا۔ چنانچہ ابتک یہی نام مشہور ہے۔ اور درج سرکاری کاغزات ہے۔

گڑھی شاہجہان شاہ

بیان مالکان بابت حالات سابقہ دیہیہ بمطابق بندوبست ۱۸۷۸ء

مضمون۔ دفعات۔۔ دفعہ اول بنیاد۔ حصول ملکیت تقسیم اولین اراضی روایت ہے کہ ایام ماضیہ میں یہ ملک (بنوں) پر بقبضہ ہنی و منگل کے ہوتا تھا اور ہمارے مورث اعلیٰ مسمی سید نیک بین قوم سید بخاری اصلی حسنی کہ جس سے سلسلہ نسب ہمارا ملتا ہے۔ بمقام گردیز سکونت پزیر تھا۔ قوم مذکور ہمارے مورث کو بلحاظ شرافت زاتی و عظمت و مستجاب الدعوت تصور کر کے عشر کل پیداوار فصلانہ کا بطور نذرانہ دیا کرتی تھی اتفاقاً زمانہ سے انکی عقائد میں فرق آگیا اور ادائے کلنگ میں لاو نعم کی پہنچی یعنی بعض ان میں سے بدستور اپنی عادت مستمرہ پر قائم رہی اور کئی اشخاص نے ادائے نزرانہ سے صاف انکار یا اسی اثناء میں قوم بنوچی کے لوگ ہمرے مورث سے استدعائے اس دعا کی ہوئی کہ ہم کو قوم ہنی و منگل پر فتح کامل نصیب ہو انکی استدعا پر سید نیک بین نے دست بدعا ہو کر اجازت مجادلہ و مقاتلہ کی قوم بنوچی کو ہمراہ ہنی و منگل کے فرمائی بلکہ آپ بھی بزات خاص لڑائی میں شریک ہوا تب قوم منگل کے لشکر نے شکست فاش کھائی اور بنوچی فتح یاب ہو کر قابض اس ملک (بنوں) پر ہوئے فتح کی شکرانہ میں یہ اراضی جو فی زمانہ تپہ سادات کے نام سے زبان زد عام ہے ہمراے مورث کو ملکیت میں حاصل ہوئی۔ جس پر تا حال اولاد اسکی مالک و قابض چلی آرہی ہے اور ہم مالکان اقوام مختلفہ اخوند۔ قریشی۔ پورتنہ۔ افغان۔ روڑہ زرگر جٹ کی مورثان کہ جنکی تشریح اسم وار شجرہ میں درج ہے۔ باوفات جد گانہ دیہیہ ہذا میں مالک ہوتے

گئے اور فصل حال ہماری حصول ملکیت کا کوئف محاذی نام ہمارے سے نخوبی واضح ہے۔۔

جب سید نیک بین مورث نے ہمرے وفات پائی تو تو چار پشت تک گاؤں بصورت زمینداری خالص واحد وحد ملکیت رہی پانچویں پشت میں جب عبدالباقی مورث فوت ہو گیا۔ اور مسمیان حیدر شاہ و خلیل شاہ چھوٹے بیٹوں مورث نے اپنی اپنی حصص کے اراضیات میں علحدہ دیہات آباد کر لی تب سلطان ابراھیم شاہ پسر کلاں عبدالباقی نے حقیت اپنے کو اپنے ہر دو پسران میاں مسعود و میاں شاہ کی باہم بحصہ مساوی تقسیم کردی علی ہذالقیاس اولاد سید مسعود میں کسان زیل احمد شاہ۔ سید شاہ شہزادہ۔ پسران میر احمد شاہ میں بھی تقسیم وراثت جدی کی بحصہ جدی ہوئی لیکن جب محمد گل بیٹا شہزادہ لاولد مر گیا۔ تو اس کے نصف اراضی اولاد احمد شاہ اور نصف پیر سید شاہ نے قبضہ کر لیا بہادر شاہ کے لاولدی پر کل حقیت لاولد حسب مندرجہ زیل کیفیت محاذی شاجھان کی جانب منتقل ہوئی اور حسین شاہ کی اولاد نے کسی قاعدہ پر تقسیم نہیں کی جس قدر کیکو حوصلہ ہوا اسی قدر قبضہ کر لیا اور نیز میاں شاہ پسر ثانی سلطان ابراھیم شاہ و گلی بیگ شاہ ولد حسن شاہ کی اولاد سے اکثر اشخاص لاولد مر گئے۔ ان کی املاک پس ماندہ قسم اراضی باقی مستحقان سے نخوبی آباد نہ ہو سکی اور ان کی ارضیات میں سے جس قدر کوئی حصہ دار آباد کر سکا اپنے قبضہ میں لے آیا۔ اس انقلاب ملکیت ونقیر و تبدل مقبوضہ کی سبب رواج حصص جدی یا رسمی کا ہر ایک کی اولاد میں کالعدم ہو کر قبضہ کا عملدرآمد ہو گیا۔ باقی اقوام متفرق مثل اخوند وغیرہ میں تقسیم ارضی کی کسی پیمانہ یا حصہ پر نہیں ہوئی۔

وجہ تسمیہ۔ دیہیہ ہذا گڑھی شاجھان شاہ جب ہمارے مورث سید نیک بین کو ملکیت حاصل ہوئی تو وہ آبادی بنا کر آباد ہوا اور نام گاؤں اپنے نام پر موضع نیک بین رکھا اسکی وفات کے بعد بموجب قاعدہ ملک کے نام گاؤں کا نام بدلتا رہا دس پشت تک یہی حال رہا گیارھویں پشت میں جب مابین میر احمد شاہ وغیرہ اولاد سلطان ابراھیم اور اولاد حیدر شاہ و خلیل شاہ پسران عبدالباقی مورث کی بسبب بے اتفاقی و اعتناء اور فساد واقعہ ہوا تو اولاد حیدر شاہ نے موضع گل احمد شاہ اور خلیل شاہ کی اولاد نے موضع غفار شاہ تعمیر کر لیا اور یہ موضع جو فیالحال شاہ جہان شاہ کی

اسم پر نام زور ہے ہمارے مورث میر احمد شاہ نے آباد کر لیا تب اصلی آبادی بنا کردہ سید بیگ ممن مورث اعلیٰ ویران ہو گئی۔ اب جو مزروعہ ہو کر شامل آبادی غفار شاہ کی ہے ہماری آبادی شاہ جہان شاہ اور آبادی ثانی سے برابر آباد ہے کبھی ویران نہیں ہوئی اور نہ کوئی تہہ کہنہ رقبہ دیہیہ ہذا میں موجود ہے۔

انتظام مال گزاری

عہد درانیان اور سکھان میں معاملہ اس گاؤں کا بباعث اسکی کہ اصل مالک اس گاؤں کی ہم مالکان قوم سید ہیں منجانب مکام معاف تھا۔ وقت عملداری سرکار انگریز سرکار دو سال تک ہم سے کچھ معاملہ وصول نہیں ہوا بعد ازاں مبلغ۔۔۔۔۔اور یہ سرکار چہارم زمینداری جمع ہمارے گاؤں کی مقرر ہوئی۔ سو اس کو اب تک ایک مالک سے حسب مقبوضہ باچھ کر کے ادا کر دیتے ہیں۔

العبد

بہرام خان پٹواری تپہ سادات دستخط نمبردار

جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے سامراجی نظام کو ختم کرنے کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ انقلابی جدوجہد اور اسمیں بنویان کا کردار۔

جنگ پلاسی کے بعد ایک سو سال کے عرصے میں برٹش انڈیا کمپنی نے تمام ہندوپاک کو فتح کر لیا ملکی کے نظم و نسق میں انگریز حکمرانوں نے دیسی باشندوں کو کوئی حصہ نہ دیا۔ اس دور میں انگریز حکمرانوں نے کچھ ایسی حکمت عملی اور اصلاحات نافذ کیں جن کے طفیل مسلمانوں کے مذہب۔ روایات۔ ثقافت۔ تہذیب و تمدن کو برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی جگہ جگہ عیسائی مشنری عیسائیت کی پرچار میں سرگرم عمل ہوئیں۔ گرجا گھر تعمیر کئے گئے مزید ہندوستان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا گیا۔ لارڈ کارنوالس نے پچاس روپے سے زاید کی

ملازمت کے لئے ہندوستانیوں کو نااہل قرار دیا لارڈ ہاوڈنگ نے حصول ملازمت کے لئے انگریزی زبان سے آگاہی کو لازمی شرط مقرر کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں سے انتظامی صلاحیت رخصت ہو اور فلسفہ تقدیر پر قانع ہو کر غلامی اور محکومی سے سمجھوتہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ ہندوستانیوں کو جب اس کا احساس ہوا تو انہوں نے ۱۸۵۷ء میں خون ریز انقلابی جدوجہد کے ذریعے سے سفید فام آقاؤں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی محمد شاہ ظفر جو عہد مغلیہ کا آخری برائے نام تاجدار تھا سرگردگی میں متحد ہوئے۔ بدقسمتی سے اس متحدہ عظیم انقلابی جدوجہد کو سکھوں اکثر والیان ریاست اور سرحد کے پٹھانوں کی غداری کے باعث ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔

بنویان کا کردار

اس باب میں بعض خاندان اور ان کے اکابرین کا دور یہ ادا کردار نہ صرف مایوس کن رہا بلکہ رسوا کن بھی جن کا تذکرہ راقم الحروف خوف فساد خلق سے ناگفتہ چھوڑتا ہے۔ تاکہ ان کے پسماندگان کی رسوائی اور بے زاری و دل آزاری نہ ہو البتہ حیرت ہے بعض افراد اب بھی اس سامان رسوائی کا تذکرہ فخر سے کرتے ہیں۔ جو ان کے بزرگوں کو قوم سے غداری کے صلے میں عطا ہوا ہے۔ سچ ہے۔

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم آیاز
دیکھتی ہے حلقہ گردن میں ساز دلبری

اس سراب رنگ وبو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

ایک تاریخی غلطی کا ازالہ

جناب گل ایوب خان سیفی مصنف تاریخ وزیرستان نے صفحہ ۱۲۲ پر اچانک سیاق و سباق سے ہٹ کر ایک غیر منطقی اور غیر متعلقہ تاریخی شخصیت موسوم پیر روشان یا پیر طریقیت کو مصلح دین کے طور پر پیش کرنے کی جسارت کی ہے صاحب مصنف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا موصوف پیر روشان کی اصلاحی تحریک اکبر اعظم شہنشاہ ہند کے دین الہی کے رد عمل میں تھی اور اکبر کے دین الہی سے ٹھکر کی ٹھان لی تھی جبکہ صورت حال کچھ اور ہے بایزید جو اپنے زعم میں خود کو پسر پیر روشان کہا کرتے تھے اصلاح احوال تو در کنار وہ تو دین متین میں بگاڑ پیدا کرنے میں کوشاں رہے تھے بایزید کے والد عبداللہ (کانی گرم) میں ایک جید عالم با تقویٰ شخصیت تھی وہ اصل میں جالندھر کے باسی تھے ان کے فرزند بایزید نے فقہہ کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھے مگر بعد میں وہ زراعت اور تجارت کی طرف راغب ہوئے وہ بڑے ذہین اور سیمابی طبیعت کے شخص مالک تھے۔ بقول اخوند درویزہ بابا۔ بایزید ایک مرتبہ گھوڑوں کی سوداگری کے سلسلے میں ہندوستان گئے۔ موضع کالنجر میں ملا سلیمان ملحد کی صحبت میں رہے۔ اس ہم نشینی اور ہم جلیسی کے باعث بایزید کے مذہبی خیالات بگڑ گئے۔ چنانچہ وہاں سے اب ایک کافر مطلق اور منکر دین بر حق ہو کر اپنے وطن مالوف (کانی گرم) میں آگئے۔ واپسی پر اپنے والد بزرگوار سے مذہبی اختلافات کے باعث اپنے گھر سے نکالے گئے پھر اپنے غلط عقائد کا پرچار کرنے لگا۔ ان کی تعلیمات میں حد درجہ آزادہ رومی تھی ان کی تعلیمات عجیب و غریب تھیں وہ الہام اور وحی کے بھی مدعی تھے ان پر ہندوانہ اثر غالب تھا مسلہ تناسخ پر یقین رکھتا تھا ان کے مریدوں میں ہندوؤں کی کافی تعداد تھی۔ وہ مرد اور عورتوں کا یکجا محفل سرود سجاتے تھے جن میں بلا کی کشش تھی اور کافی تعداد میں لوگ اس کے حلقہ اثر میں آگئے محفل سرود میں ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ اس طرح وہ اکبر اعظم کے لئے بڑا خطرہ ثابت ہوا۔ انہوں نے ایک نئی زبان یجاد کی جو صرف وہ اور ان کے مرید جانتے تھے جس سے سادہ اور جاہل افراد کو فریب دینے

میں زیادہ آسانی ہوتی تھی انہوں نے نماز اور روزہ کی نئی توجیح اور تشریح پیش کی تھی آزاد طبع افراد جوق در جوق ان کے مرید بنتے گئے۔ قلیل عرصہ میں وہ ایک بڑی قوت ابھری انہوں نے صراط التوحید نامی کتاب لکھ کر تحفہ کے طور پر اکبر اعظم حاکم بدخشاں مرزا سلیمان کو اپنے خلفاء کے ذریعے بھجوادی اور اس طرح دونوں کو ایک ہی ادا میں راضی کر دیا۔ اکبر کی دین الہی اور پیر روشان کے عقائد میں کافی مماثلت پائی جاتی تھی دونوں بے دینی کا درس دیتے تھے نتیجۃً اخوند درویزہ بابائے بایزید کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا اکبر اعظم کی فوجوں اور ان کے مریدوں کے درمیان کئی خونی معرکے ہوئے تیراہ کے علاقے میں بایزید کا کافی اثر تھا بہرحال اخوند درویزہ بابا کی مساعی رنگ لائی۔ بایزید کے فوت ہو جانے کے بعد اس فتنہ عظیم کا زور ذرا کم ہوا۔

مگر پھر بھی ایک عرصے تک ان کے مرید ان غلط عقائد کا پرچار کرتے رہے۔ مگر علما حق کی کاوشوں سے اس شورش کا بھی خاتمہ ہوا۔ ان کی اولاد کو ارمڑ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور زبان کو ارمڑی زبان کہتے ہیں۔ یاد ہو چند سال پہلے پیر مبارک شاہ (برادر خورد جناب قبد صاحب) نے بھی مریدوں کا ایک ایسا گروہ تشکیل دیا تھا جو برہنہ جسم کی نمائش کر کے ذریعہ نجات اور پیر کی رضامندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ایک بار انہوں نے شہر بنوں پر بھی اس برہنہ حالت میں یلغار کر دیا تھا۔ جنہیں داود شاہ کے مکینوں نے بھگادیا۔ بعد میں امیر نیاز علی خان آف گرویک نے پیر مبارک شان پر شرعی حد مقرر کر کے انہیں قتل کروادیا۔ بایزید (پیر روشان) نے شریعت پر طریقت کو اور طریقت پر معرفت کو اسطرح ترجیح دی کہ اپنے مریدوں کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر دیا۔ اسطرح مروجہ اسلام سے ان کا مسلک بالکل جدا ہو گیا۔ اسلئے اخوند درویزہ بابا نے اسے پیر تاریک کہا۔ جبکہ وہ خود کو پیر طریقت کہا کرتا تھا۔ اور نجات دہندہ البتہ بایزید اور اس کے مریدوں نے پشتو شعر و ادب اور موسیقی کی خوب خدمت کی۔ اس باب میں انہوں نے ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھی جو قابل التفات ہے۔ بایزید نے خیر البیان کے نام سے ایک کتاب لکھی جس سے پشتو نثر میں ایک نئی طرح اور اسلوب کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کی اولاد اب کئی جگہوں میں پائی جاتی ہیں۔ پشاور میں ارمڑ پایان اور افغانستان میں برکی میں بھی ارمڑ آباد ہیں۔ جنہیں برکی کہا

جاتا ہے۔اب ہر ارمڑ خود کہ بر کی پکار تا ہے۔ یہ غلط العام کا نتیجہ ہے۔ورنہ بایزید کی جو اولاد بر کی میں آباد ہوئی انہیں کو بر کی کہا جاتا ہے۔ سب ارمڑ بر کی نہیں ہیں مزید یہ بھی معلوم ہو کہ بایزید کے پوتے اپنے دادا کے مسلک سے توبہ گار ہو کر اہل سنت والجماعت کا مسلک اختیار کیا۔اب انکی اولاد صحیح عقیدہ رکھتے ہیں اور سب سنی مسلمان ہیں۔بدعت سے پاک وصاف۔

ادب و فن

وادی بنوں اگر ایک لحاظ سے بہتات آب کے باعث بڑی زرخیز ہے۔ تو انسانی ذہنی اور اعلیٰ صلاحتوں کی حامل شخصیتوں کے طفیل مردم خیز بھی ہے۔ اس سر زمین بنوں نے ماضی میں مشاہیر رزم و بزم پیدا کئے۔

چونکہ یہ مختصر اور دور افتادہ وادی اپنی جغرافیائی محل وقوع کے باعث جنگ وجدل کی آماجگاہ رہی ہے مزید افغانستان اور ہندوستان کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے دونوں حکومتوں کی سیاسی وادبی تحریکات کی فیوض سے محروم رہی اور رسل ورسائل اور ابلاغ عام کی کمی کی وجہ سے غیر معروف اور پسماندہ بھی رہی ہے۔ ہر دور حکومتوں کے اثرات سے یا تو بالکل آزادی رہی یا پھر نیم آزاد۔ مگر ان نامساعد حالات کے باوجود بعض شخصیتیں بین الاقوامی شہرت کی حامل گزری ہیں۔ اور علم وفن اور ادب کے شعبہ میں نام پیدا کیا نمونے کے طور پر ایک گمنام ناخواندہ بند شاہ (بہادر شاہ) نامی شاعر کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ بازار احمد خان کا باسی ایک ناخواندہ لوہار تھا۔ وہ بڑا پر گو شاعر تھا۔ ان کے کلام میں بالا کی تاثیر پائی جاتی تھی۔ جب ان کا ایک بیٹا جوانی میں لقمہ اجل ہوا تو انہوں نے مرحوم کے حق مین ایک مرثیہ کہا تھا۔ کلام میں ایسی تاثیر اور سوز تھا کہ پتھر کو بھی گزار کر دیتا تھا۔ جو سنتا روئے بغیر نہ رہتا۔ مرحوم بندر شاہ کا ایک شعر آج بھی میرے ذہن کے پردے پر محفوظ ہے شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہے آو کچھ راز و نیاز ہو۔ محبوب رسوائی کے خوف سے ----------- جواب ملتا ہے۔ ھمارے سوال و جواب کسی حروف صوت کا مرہون منت نہیں۔ کسی کنایہ اور اشارہ کا محتاج نہیں۔ کراماً کاتبین تک سمجھنے سے قاصر ہیں وہ کہتے ہیں اور کتنا خوب کہتے ہیں۔

ترجمہ : بے حروف و صوت کلام کراماً کاتبین کی سمجھ سے بالاتر سے کیونکہ عاشق و معشوق اپنی نیم وا نگاہوں سے دل کی بات ایک دوسرے تک منتقل کر دیتے ہیں۔ ان چند لفظوں میں

ماحول، حالات، کیفیات اور قلبی جذبات کی خوب عکاسی کی گئی ہے۔ بڑا محاکاتی شعر ہے
اسمیں روح معانی کا ایجاز کے ساتھ اعجاز دکھایا گیا ہے۔

افسوس کا مقام ہے ان کا سارا کلام زمانہ برد ہو چکا ان کا ایک بیٹا جمال الدین بڑا قادر الکلام شاعر گزرا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے شعرا قعر گمنامی میں گم ہوے

طاہر کلاچوی آثار نیازی، رسد قریشی تینوں صاحب دیوان اور صاحب طرز شعرا تھے۔ اتحاد ثلاثہ کے طور انھوں نے "ادبی ٹولنہ" کو تشکیل دی۔

سیاسی سفر

آل انڈیا کانگرس کی بنیاد

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد انگریز آقاؤں نے جنگ آزادی جسے وہ غدر کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس جنگ کے اسباب و علل۔ عوامل اور عواقب پر غور و فکر کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوستان کی آبادی کے لئے ایک ایسا سیاسی ادارہ یا پلیٹ فارم مہیا ہو جہاں وہ آئینی اور قانونی دائرے کے اندر رہ کر پرامن طور طریقوں سے اپنی سماجی و سیاسی معاشی اور معاشرتی ضروریات کو حکومت وقت کے سامنے وقتاً فوقتاً پیش کیا کرے اور ان کے خیالات۔ تاثرات اور جذبات سے بروقت انہیں آگاہی حاصل ہو اور پھر ان کی شنوائی پذیرائی اور سدباب کے اسباب پر غور کیا جا سکے اس مقصد کی تکمیل کے لئے انڈیا نیشنل کانگرس کی ضرورت محسوس کی گئی ایک انگریز مدبر لارڈ ھیوم نے ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی جس کا پہلا اجلاس دادابھائی نوروجی کی صدارت میں منعقد ہوا باقی ممبروں میں موتی لعل نہرو۔ گاندھی جی۔ جواہر لعل نہرو۔ پٹیل۔ سبھاش چندربوس۔ گوکھلے۔ راج گپال اچاریہ ابوالکلام آزاد ڈاکٹر انصاری حسرت موہانی حکیم اجمل خان وغیرہ شامل تھے۔ کانگرس کا بنیادی اور دستوری عنصر عدم تشدد تھا اس لئے انگریز آقا کو اسے اپنے مفادات اور نوآبادیاتی نظام کا نتیجہ تصور کرتے تھے۔ بعد میں اور اس دوران بھی کچھ دیگر انقلابی تحریکیں ابھریں جو آزادی بالسیف کے قائل تھے جیسے بوما غدر پارٹی۔ نوجوان بھارت سبھا۔ نوجوان کشمیر نیشنل کانفرنس حاجی ترنگزئی کی جہادی تحریک۔ حاجی امرز علی خان کا اعلان جہاد وغیرہ وغیرہ۔ مگر انہیں۔ خاص مقتدرت حاصل نہ ہو سکی۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ

۱۹۰۱ء میں صوبہ پنجاب سے چھ اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان۔ بنوں کوہاٹ۔ مردان۔ پشاور۔ ہزارہ کوالگ کر کے ایک نیا صوبہ تشکیل دیا گیا لارڈ کرزن نے جغرافیائی محل وقوع کی بنیاد پر اس نئے صوبہ کو شمال مغربی سرحدی صوبہ کا نام دیا جو ابتک بر قرار اور بحال ہے۔ جو دور غلامی کی یادگار ہے۔ ہر صوبہ کو وہاں کے باسیوں کی اکثریتی زبان کے طفیل نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً پنجابی سے پنجاب سندھی سے سندھ۔ اور بلوچی سے بلوچستان معرض وجود میں آچکا ہے۔ اکثریتی زبان صوبہ کی پہچان بھی ہے اور وجہ تسمیہ بھی۔ صوبہ سرحد کے باسیوں کی اکثریتی زبان پشتو ہے مگر ان کے صوبہ کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ ہر صوبے کی اکثریتی زبان اور نام مترادف ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارا معاملہ دگر گوں ہے۔ زبان اور نام باہم متصادم اور باہم دست بگریباں ہیں۔ یہ ستم ظریفی اور بوالعجبی نہیں تو کیا ہے اگر کوئی نام ہے تو اس سے ہم مزید بدنام ہیں۔ ذلیل سے ذلیل۔ بے مایہ سے بے مایہ۔ ضعیف سے ضعیف تر حیوان کا بھی اپنا تشخص اور ذاتی نام ہوتا ہے مگر سرحد کے باسی اپنی شناخت اور نام سے بدنام محض ہیں۔ کوئی ہے جو اس نکتہ کو سمجھے۔ کیا سرحد کے باسی اتنے بے بس۔ بے کس اور بے حس ہیں جو اپنے صوبے کو اپنا نام دلوانے سے رہے۔

مسلم لیگ

انگریزی تعلیم کے رائج ہوتے ہی مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔ مسلم لیگ کے قیام سے قبل مسلمانوں کی مختلف سیاسی جماعتوں کا ایک ایجنڈا اور منشور پر اتفاق تھا۔ کہ انگریز کی غلامی سے گلو خلاصی کا ایک ہی ذریعہ ہے جہاد بالسیف یعنی انقلابی ذرائع سے آزاد اسلامی حکومت کا قیام۔ مگر سر سید اور ان کے رفقاء کا نظریہ جدا تھا لہذا انہوں نے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھ لی۔ مسلم لیگ انقلابی ذرائع کی بجائے مودبانہ گزارشات اپیلوں اور دیگر آئینی طریقوں کے

ذریعہ انگریزوں سے سیاسی حقوق حاصل کرنا تھے۔ ابتدائی مراحل پر تعلیم وہ بھی انگریزی تعلیم کا حصول تھا۔ جو حصول ملازمت کا ذریعہ ہوا نہیں سرکار انگریزی کا تعاون حاصل تھا۔

دوسرا مرحلہ ان جدید مسلمان رہنماوں کا یہ تھا کہ ہندوپاک میں انگریزی حکومت کے خلاف شورش پسند اور تخریبی عناصر کا مقابلہ کرنا اور مسلمانان ہند اپنی مذہبی و قومی روایات کی بنا پر ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے جدو جہد کرنا۔ ان جدید مصلحین قوم اور سیاستدانوں کو سرکار انگریزی کا آشیر باد حاصل تھا۔ کیونکہ ان کے آئینی طریقوں اور غیر انقلابی نظریات سے انگریزوں کے بنیادی سامراجی مفاد کو نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت یعنی مسلم لیگ کو بہت ہر دلعزیزی ملی اس جماعت کے ہاتھوں پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کو ایک آزاد حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اور جس میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ سر سید اور ان کے رفقاء کا دوررس ذہن رسا کے مالک تھے انہوں نے وقت کے تقاضے اور مصلحت کو بروقت سمجھا اور وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے جراتمندانہ اقدامات کر کے پاک وہند کے مسلمانوں کو اپنا تشخص دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کا ذکر مناسب موقع پر مزید تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ کانگرس۔ تحریک خلافت۔ خاکسار۔ خدائی خدمتگار تحریک کی پائدار کاوشیں اور جاندار قربانیاں بھی قابل التفات ہیں۔ ان کا بھی تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

۱۹۱۹ء کا سال سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے اسی دوران کئی اہم واقعات رونما ہوئے جنگ عظیم اول میں اتحادیوں (برطانیہ۔ فرانس۔ اٹلی) جرمنی اور ترکی کو مکمل شکست سے دوچار کر کے انھیں نہایت ذلیل شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جس کے نتیجہ میں عرب جو ترکوں کے زیر نگین اور زیر اثر تھا۔ اس کے تیرہ بڑے کر کے ترکوں سے آزاد کرا لیا۔ گویا ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ اور خلافت ترکیہ بلواسطہ ختم کرانے کی کوشش کی گئی۔ اسی سال امیر حبیب اللہ خان کو جو انگریزوں کا ہم نوا اور وظیفہ خوار تھا قتل کر دیا گیا۔ اور امیر امان اللہ خان نے اس کی جگہ سنبھال لی۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی انھوں نے انگریزوں سے قلعہ ٹل چھین لیا گیا۔

انگریزوں نے امیر امن اللہ خان سے صلح کرلی جس کے نتیجے میں امان اللہ خان کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اور کابل سفارتی۔ تجارتی اور امور خارجہ کے حوالے سے خود مختار مملکت تسلیم کیا گیا۔ جس کا صوبہ سرحد پر بھی بلواسطہ اثر پڑا۔

تحریک خلافت کا قیام ۱۹۱۹ء

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اول میں ترک نے جرمنی کا ساتھ دیا ۱۹۱۸ء میں جرمنی اور ترکی کو شکست ہوئی جس سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ چونکہ سلطان ترکی ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک خلیفہ اسلام تھا اس لئے ترکی کی تباہی ان کے نزدیک اسلامی خلافت کی تباہی تھی ان حالات میں ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۱۹ء میں خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے لئے آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد کیا۔ جس میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ ڈاکٹر انصاری۔ ڈاکٹر اقبال۔ حکیم اجمل خان۔ حکیم عبدالجلیل۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا عبدالحمید سندھی۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان اس تحریک کے بانی ممبران تھے۔ محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تحریک خلافت کے رہنما بنائے گئے جو بعد میں اس تحریک کے روح رواں ثابت ہوئے۔ کیونکہ علی برادران نے تحریک کو جوش وجذبہ عطا کیا۔

محمد علی جوہر بمعہ دیگر رہنما خلافت کا معاملہ پیش کرنے یورپ گئے ان کا مطالبہ تھا کہ ترک اور عرب میں مداخلات ہند کی جائے اور انھیں آزاد رکھا جائے ترکوں سے خراج وصول نہ کیا جائے ۔ مگر یہ وفد ناکام واپس ہوا واپسی پر گاندھی سے مل کر ایک نیا پروگرام وضع کیا گیا اور منشور خلافت ترتیب دیا گیا۔ اس طرح کانگرس کی آشیرباد بھی انھیں حاصل ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں قومی وحدت ایک بار پھر سامنے آئی جس نے انگریز حکمرانوں کے لئے لمحہ فکریہ پیدا کیا۔ منشور میں تلقین کی گئی کہ عوام انگریز حکمرانوں سے عدم تعاون کرے۔ خواص اپنی خطابات القابات وانعامات واپس کریں۔ طلباء سرکاری سکولوں اور وکلاء عدالتون کا

بائیکاٹ کریں۔ بدیسی مال کی بجائے دیسی مال کا استعمال شروع کریں۔ ہندوستان بھر میں سارے مسلمان سراپا احتجاج بن گئے تھے۔ قریہ قریہ۔ گلی گلی گھر گھر۔ گاؤں گاؤں خلافت کمیٹی کا پیغام پہنچا دیا گیا۔ حیرت ہے کہ پنجاب کے سجادہ نشینوں نے حسب سابقہ برطانیہ کو قرطاس سپاس پیش کیا۔ یعنی ترکی کی شکست پر انھیں مبارکباد دی گئی۔ مگر یہ بھی مقام حیرت ہے کہ اس بار سرحد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنی جہالت اور عدم آگاہی کے باعث جو منفی کردار ادا کیا تھا اس کا ازالہ اور کفارہ ادا کیا۔ صوبہ سرحد نے بلاشبہ تحریک خلافت میں صف اول کا کردار ادا کیا۔ اس باب میں بنویان کی عظیم قربانیوں نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ اس دوران جتنے بنویان پس دیوار زندان چلے گئے۔ پورا صوبہ سرحد اس کا جواب نہ دے سکا۔

۱۹۱۹ء سانحہ جلیاں والا باغ پیش آیا کیونکہ اسی سال مرکزی اسمبلی نے رولٹ ایکٹ پاس کیا۔ جس کی رو سے کسی بھی شخص کو سیاست میں حصہ لینے کے شبہ میں بغیر کسی ثبوت کے غیر معینہ عرصے کے لئے جیل کی کالی کوٹھی میں بند رکھا جا سکتا تھا۔ اس جابرانہ۔ قہرانہ۔ ناروا رولٹ ایکٹ کے خلاف اظہار ناراضگی کے طور ہندوؤں مسلمانوں کا ایک متفقہ احتجاجی جلسہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والا باغ کے مقام پر منعقد ہوا۔ ابھی جلسہ شروع ہونے ہی کو تھا کہ جرنیل ایڈورڈ ڈائیر انگریز گورنر کے حکم سے پرامن جلسے پر گولیاں برسائی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ بوڑھے۔ بچے۔ جوان۔ مرد عورتیں شہید اور زخمی ہوئیں۔ جن سے میدان کربلا کی یاد تازہ ہو گئی۔ بعد میں جرنیل ایڈواٹر ایک ظالم انگریز تھا جسے ۱۹۴۰ء میں ایک شخص نے لندن میں قتل کر دیا۔ جو ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۰ء تک اس کے تعاقب میں تھا۔ اور جب ایڈواٹر ریٹائرڈ ہو کر لندن چلا گیا۔ تو یہ شخص اس کا باورچی بن گیا۔ اور موقع پاتے ہی جلیاں والا باغ کے معصوم اور بے گناہ افراد کے قتل کا بدلہ لیا گرفتار ہونے پر اپنا نام رام محمد سنگھ بتایا اس شخص نے اس قتل کو تسلیم کیا اور اسے فوری طور پر پھانسی دے دی گئی۔ تحریک خلافت اور کانگرس کے باہمی انصرام سے ہندوستان کی سیاسی افق پر ہندو۔ مسلمان اتحاد کا ستارہ ایک بار پھر نمودار ہوا۔ انگریز حکمران نے بھی حربہ زور وزر کے علاوہ ایک نئی حکمت عملی وضع کر لی یعنی ہندو مسلمان اتحاد پر

کاری ضرب لگانا۔

جب کانگرس نے سرکار انگریزی کے سامنے ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کیا تو حکومت وقت نے ہندوؤں مسلمانوں میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل پیرا ہوئی ۔ سخت قوانین رولٹ ایکٹ۔ غازی ایکٹ۔ ۴۰ سرحدی ایکٹ جیسے ناروا قوانین لاگو کردئے گئے سرحد میں ملک اور ملا، پنجاب میں سجادہ نشینوں اور دیگر علاقوں میں پردہ نشینوں (خفیہ ایجنسیوں)۔ مسجد و مندر کو حسب منشاء استعمال کر کے ہندو مسلمانوں کے مابین مذہبی منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزید مسلمانوں کے اندر بھی دیوبندی اور بریلوی کا قضیہ اٹھایا گیا۔ اور نیم مذہبی سیاسی تحریکوں کی ہمت افزائی کر کے کانگرس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ اس وقت کانگرس اتحاد ثلاسہ کے طفیل ہندوستان کی واحد تنظیم سیاسی جماعت بن گئی تھی یعنی کانگرس میں تحریک خلافت اور خدائی خدمتگار کے ممبران بھی شامل ہوئے تھے ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر نے وائسرائے ہند کو چیلنج دیا کہ اگر ہندی مسلمانوں کے مطالبات ایک ماہ میں تسلیم نہ کئے گئے تو ہندوستان کے مسلمان پڑوس کے ملک افغانستان میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حکمرانوں نے کوئی شنوائی نہیں کی چنانچہ اسی سال جگہ جگہ ہجرت کمیٹیاں قائم ہوئیں پنجاب سے چند غریب خاندانوں نے ہجرت کی جنھیں فی کس۔ /۲۰ روپیہ دیا گیا۔ ہجرت کمیٹی کا صدر مولانا ظفر علی خان تھا۔ سندھی مہاجریں کا ایک قافلہ پنجاب سے ہوتا ہوا ٹرین کے ذریعے جان محمد جونیجو بیرسٹر کی سرکردگی میں جب پشاور پہنچا۔ سندھی جو داڑھی اور سر کے بال لمبے رکھتے ہیں۔ انھیں سکھ سمجھا گیا۔ جس سے تحریک ہجرت کو تقویت ملی سرحد میں ہجرت کو بڑی پزیرائی حاصل ہوئی۔ صاحب حیثیت لوگوں نے کوڑیوں کے بھاؤ جائیدادیں فروخت کیں۔ کونکہ مولانا لوگ ہجرت کے فضائل سناتے ٹوچی کے راستے بنوں کے کافی لوگ خوست اور کابل ہجرت کر گئے۔ بنوں سے جو لوگ ہجرت کر چکے تھے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے حوالہ تاریخ بنوں وزیرستان بیرسٹر محمد جان۔ حکیم عبدالرحیم اور مولانا گل خیداد (بازار احمد

خان) معزاللہ خان دکس خیل بازار احمد خان (ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر) کو خلافت کمیٹی کی صدارت کرنے پر آمادہ کر دیا۔ مال منڈی بنوں میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں معزاللہ خان کو ضلع بنوں کا امیر خلافت اور عبدالرحیم کو سیکرٹری جنرل نامزد کیا گیا۔ بنوں والوں نے خلافت کمیٹی کے باب میں ایسی سرگرمی اور سرشاری دکھائی جس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ کوئی ایس اگھر اور گاؤں نہ تھا جس میں خلافت کمیٹی کے ممبر نہ ہو۔ مولانا لوگ جہاد اور ہجرت کے فضائل بیان کرتے تھے جس کی وجہ سے بنوں کے لوگ خلافت کمیٹی کے ممبر بنے اور ہجرت کے لئے زاد سفر تیار کرنے لگے جن میں چند ایک افراد باعث التفات ہیں۔ جو یہ ہیں۔ معزاللہ خان۔ دکس خیل۔ بیرسٹر محمد جان عباسی۔ محمد اکبر خان سورانی اللہ دادی کلہ۔ نوبت شاہ کچوزئی۔ شیخ حقنواز۔ شیخ بدر نواز شاہ بزرگ خیل۔ سلیمہ خان۔ امیر صاحب خان۔ افضل خان شاہ بزرگ۔ ملک اکبر علیخان (سوکڑی) مولوی گل خیدادبازار احمد خان۔ خان ملنگ بازار احمد خان پیر غلام عیسکی۔ شیخ غلام سرور (موزوں) بڈا میر عباس۔ حاجی اسلم خان دکس خیل۔ سالار یعقوب دکس خیل۔ شیر نوازی عرف خلافتی (نار جعفر) حاجی زمان خان ککی۔ ملک غلام جیلانی رئیس آف منڈان۔ مولوی نصف جہان ممش خیل۔ مولوی عبدالجلیل مری۔ مولوی محمد حکیم زونڈی ملا ممش خیل مولوی غلام مصطفےٰ۔ روختی ماما عیسکی۔ حقنواز خوجڑی۔ مولوی عبدالجلیل دیگان۔ قاضی فضل قدر اسماعیل خیل۔ رحمت اللہ خان بنوں سٹی۔ امیر مختار میرا خیل۔ مولوی امیر حمزہ منڈان۔ حاجی عبدالرحمان مشر داؤد شاہ۔ قاضی حبیب الرحمان سوکڑی۔ اخوندزادہ محمد زمان بکا خیل۔ مولوی لطف اللہ عرف خان ملا کفشی خیل۔ چچا ممنواز خان۔ کنڈی ایڈوکیٹ ملک خدا بخش ایڈوکیٹ (ڈیرہ) شیخ میر ولی خان میر زعلی خیل۔ فیض اللہ (فیضل استاد) سورانی۔ عید اکبر شاہ کوٹی سادات۔ ریبات خان سورانی۔ ملک اکبر زمان مل کلہ عیسکی۔ محمد غلام خسان بڈا۔ میر عباس میرزعلی خیل۔ ملک آزاد خان سوکڑی۔ شیر باز خان آمندی۔ شیزدہ خان مشر داؤد شاہ۔ شاہ قربان ممش خیل مولوی شیر جان سمسی خیال۔ خان گل ککی۔ میرا خان ککی شیر جان استاد آزاد خان سوکڑی۔ شیر شاہ و خوبان شاہ و اکبر شاہ۔ داؤد شاہ۔ زوداد خان سوکڑی۔

چونکہ خلافت کمیٹی کے منشور کے مطابق تنازعات کو عدالتوں میں لے جانا ممنوع قرار پایا گیا تھا
اس لئے بنوں میں خلافت کمیٹی نے باہمی تنازعات خود فیصلہ کرنا شروع کئے۔
بحوالہ مصنف تاریخ بنوں وزیرستان صرف شمسی خیل (عیسکی) خلافت کمیٹی نے ۱۵۰ دیوانی و
فوجداری مقدمات فیصلہ کئے انہیں دنوں جب بنوں میں تحریک خلافت عروج پر تھی جگہ جگہ
جلسے ہو رہے تھے انگریزوں کے خلاف نعرے لگ رہے تھے تو ممش خیل۔ داود شاہ اور ممند خیل
پر لشکر کشی کی گئی۔ کھڑی فصلوں کو جلا دیا گیا اس طرح خواجہ عبداللہ بابا کے ادیرے کے نزدیک
عوام اور حکام کا مسلح تصادم بھی ہوا جس میں کافی لوگ شہید ہوئے ہجرت کرنے کا فیصلہ ہو چکا
تھا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو بنوں کے تین بڑے لیڈر گرفتار ہوئے پیر سٹر محمد جان خان عباسی حکیم
عبدالرحیم صاحب اور ملک خدا بخش ڈیروی جنھیں تین، تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔
انھیں دنوں خان عبدالغفار خان کو بھی گرفتار کر کے تین سال کی سزا ہوئی جو بعد میں رہا
ہوئے۔ اس طرح داود شاہ بازار احمد خان ککی اور غوریوالہ پر تین سال کے لئے تعزیری چوکیاں
مقرر کر دی گئیں۔ جس کا خرچ جو ۶۳ ہزار روپیہ سالانہ تھا متعلقہ علاقوں کو ادا کرنا پڑا ہجرت
کمیٹی کا صدر حاجی عبدالرحمان مشر داود شاہ تھا ملک غلام جیلانی میرزعلی خیل رئیس آف منڈان
بخل سوکڑی حاجی عبدالرحمان خان مشر داود شاہ معز اللہ خان دکس خیل حاجی امیر صاحب
خان وافضل خان سلیم خان شاہ بزرگ خیل مولانا لکی مروت (فاروقی) شیخ غلام سرور (موزوں)
میرزعلی خیل حاجی عبدالجلیل دلگان۔ مولانا عبدالجلیل مہربان۔ مولوی محمد حکیم زونڈی ملا ممش
خیل براہیم خیل۔ میاں صاحب سورنگی نے بنوں سے براستہ میرانشاہ خوست اور پھر کابل کو
ہجرت کی پشاور سے مہاجرین کا آخری قافلہ جو ۲۵ ہزار نفوس پر مشتمل تھا وہ لنڈی کوتل سے
واپسی پر مجبور ہوا جسکی قیادت ارباب محمد عباس خان کر رہے تھے انہیں کابل سے اطلاع ملی کہ
افغانستان مزید مہاجرین کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتا جبکہ موسم سرما کی بھی آمد آمد ہے مہاجرین کو
شاہ امان اللہ خان نے بتایا" کہ بجائے غیر ملک میں ہونے کے اپنے ہی ملک میں دشمن کا مقابلہ کرنا

زیادہ قرین مصلحت ہے اور جب مناسب موقع ہو تو ہم یقیناً آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے اور دشمن کو باہر نکال دیں گے "اس مہاجرت سے انگریز حکام کو فائدہ ہی فائدہ پہنچا۔ ہجرت اسی سال دم توڑ گئی۔

تبصرہ

(ا) تحریک آزادی کے قائدین کو اپنے ملک کو آزاد کرنے کی بجائے دوسرے کی سوجھی اس طرح سرکار انگریز پر سیاسی دباؤ کم ہوا۔ کیونکہ سیاسی سیلاب کا رخ دوسری طرف مڑ گیا۔

(ب) سول نافرمانی کی آڑ میں چیدہ چیدہ رہنماؤں کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔

(ج) غفار خان جیسے ملکی رہنما ہجرت کر کے سرکار انگریز کو ان سے وقتی طور پر چھٹکارا ملا۔

(د) جو صاحب حیثیت افراد ہجرت کر گئے تھے انہوں نے کوڑیوں کے دام اپنی زمینیں اور جائدادیں فروخت کر دیں تھیں۔ اور جب واپس ہوئے تو وہ کوڑی کوڑی کے محتاج تھے۔ کل جو امیر تھے آج فقیر بنے انگریز بہادر اس طرفہ تماشہ سے لطف اندوز ہوتا رہا بعض مہاجر جب واپس ہوئے تو تواپنی فروخت شدہ جائداد کی واپسی کے طالب ہوئے اس طرح درون خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوئی کیونکہ خریدنے والے جایداد واپس کرنے کا روادار نہ تھے۔ اگرچہ حکومت وقت نا خود کو ہمدرد ظاہر کرنے کے لئے اس کے لئے ایک آرڈیننس بھی جاری کر لیا تھا مگر اس پر بہت کم عمل درآمد ہوا۔

تشدد کی انتہا

خلافت کمیٹی کے ممبران جو غریب اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے سول نافرمانی کے پاداش میں انہیں بے دردی سے زدو کوب کیا جاتا موسم گرما کی تپتی ریت میں انہیں نیم دفن کیا جاتا جب بیہوشی کی حالت میں اسے باہر نکال دیا جاتا تو بعد کی زندگی ان کے لئے وبال جان بن جاتی صحت جواب دے جاتی جگرو پھپھڑے بے کار ہو جاتے اور اس طرح سسک سسک کر مرتے

گئے۔ بعضوں پر اتنا تشدد ہوا کہ وہ انتہائی تشدد سے یا تو لقمہ اجل ہوئے یا نامرد بن گئے اس طرح ان جانبازوں کی بالواسطہ نسل کشی کی گئی۔ ان پر ناروا تشدد کیا گیا۔ بر سر عام انہیں رسوا کیا گیا۔ منہ کالا کر کے کپڑے اتار کر انہیں بر سر بازار پھیرایا جاتا تھا۔ شراب پر پکٹنگ کے دوران پکڑ کر انہیں مار مار کر ادھ مواہ بنایا جاتا۔ پھر ٹرک میں ڈال کر دور بہت دور غیر آباد جگہ پر پھینک دیا جاتا تھا۔ جب ہوش میں آتا کپڑے ندارد ہوتے۔ کسی سے چادر۔ کپڑا (ستر) لے کر گھر واپس آجاتا ملامت زدہ بے حال بد حال۔ ہراساں پریشان گویا وہ آزادی کے لئے قربانی دے کر آرہا تھاس۔ غریب اب بھی دے رہا ہے۔ اللہ اکبر۔ نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

آیئے غریب کو ان قربانیوں کا صلہ دیں ہاں انہیں قربان کر کے انہین مزید قربانیوں سے نجات دلائیں جب غریب ختم ہو تو غربت کہاں رہیگی۔ یہی اس کا انجام ہے یہی اسکا انعام ا۔

دوسری طرف حکومت افغانستان پر یکبارگی اتنا مالی دباؤ آیا جس سے وہ نبرد آزمانہ ہو سکا مہاجرین کو سرکاری زمینیں دے دی گئیں انہیں وظائف دئے گئے مہاجرین کی رہائش اور آسائش کی سہولتیں مہیا کی گئیں جس سے افغان حکمران بمشکل عہدہ برا ہو سکا افغانستان کی اقتصادی حالت ویسے بھی بہت پتلی تھی مہاجرین کا سیلاب اس کمزور ملک پر اچانک امڈ آیا۔ جس نے اسکی مالی حالت ناگفتہ بہ بنادی۔ مہاجرین اور افغان حکمران کے مابین گلے شکوے پیدا ہوئے اور یہی انگریز بہادر کا منشاء اور مقصد بھی تھا۔ یہی اس کا انعام یہی اس کا انجام کہوں کہ افغانستان کے لئے ہجرت ایک سوچی سمجھی شازش تھی جس کا شکار سادہ لوح مسلمان بہت جلد بنا۔ جن لوگوں نے ھجرت کی تجویز دی تھی ان میں سے ایک بھی ھجرت نہیں کی۔ بعد میں بعض عاقبت اندیش پشیمان بھی ہوئے۔ مگر ان کی یہ پشیمانی خواہ زود کی تھی۔ یا دیر کی تھی بے وقت اور بے وقعت تھی۔

مہاجرین کی اکثریت بے نیل و مرام واپس اپنے وطن پہنچی مگر بعض ایسے بھی تھے جنہیں اس غلام ملک میں واپس آنا گوارا نہ تھا۔ جیسے خان معزاللہ خان رئیس آف عیسکی بنوں اور مولانا عبدالجلیل وغیرہ۔ ان کی جائدادیں اور زمینوں پر اغیار نے قبضہ کر لیا۔ ھجرت سے واپسی پر خان عبدالغفار

خان باچا خان کی فکر مندی

جب وہ افغانستان سے واپس وطن لوٹے تو بجائے دل بر داشتہ ہونے کے اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کس طرح افغانوں میں زہنی انقلاب پیدا کر کے جذبہ آزادی کو زندہ رکھا جائے انہیں نسخہ کیمیا سوجھا۔

افغان جرگہ کا قیام

(ا) اتحاد ن ۲ کشش باہمی یعنی اتحاد و محبت۔

یہ ایسا مداوائے مرض ملت ہے جس کے طفیل باہمی کشمکش اور آپس کی دشمنیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ وحدت فکر سے جوش کردار کو جلا ملتی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اتمان زئی میں انجمن اصلاح الافاغنہ کے نام سے ایک اصلاحی افغان جرگہ کی بنیاد رکھ لی انہوں نے مذکورہ جرگہ کی سر پرستی میں اتمان زئی میں آزاد اسکول قائم کیا جس کا سربراہ مقصود جان خان ایڈووکیٹ آف بنوں امیر ممتاز خان بی اے (بنوں) کو سکول ہذا کا ھیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ مذہبی تعلیم کا پیشواہ مولانا شاہ رسول گڑھی بالا مقرر ہوئے مقصد وحید یہ تھا کہ افغان معاشرہ اور نئی نسل میں ذہنی انقلاب برپا کیا جائے ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی اور پھر ناکام ہجرت اور حکام وقت کی طرف سے جابرانہ اور ظالمانہ کاروائیوں کے باعث جو جمود پیدا ہو چکا تھا اسے توڑ دیا جائے پشتونوں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے باچا خان ایک طویل اور طوفانی دورے کے لئے نکلے اور صوبہ سرحد کے گھر گھر۔ گلی گلی۔ گاوں گاوں پیغام عمل پیہم اور محبت پہنچاتے رہے۔ آزاد سکول کا دائرہ صوبہ بھر میں وسیع کر دیا گیا۔ ان دنوں ہندوستان کے مسلمان لیڈروں نے خلافت کمیٹی قائم کی تھی جس کی مذید روئداد پیش خدمت ہے۔

خلافت کمیٹی اور کانگرس کا باہمی انصرام وادغام۔

۱۹۲۰ء پشاور میں انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنی شاخ کھول لی خلافت کمیٹی سے منسلک کچھ لیڈر اس میں شامل ہو گئے مثلاً آغا سید لعل بادشاہ اللہ بخش یوسفی حکیم عبد الجلیل ندوی۔ خان علی گل خان و سید قاسم اور مولانا ہلالی وغیرہ۔ اسی دوران میر چند بموال مشہور زمانہ صحافی اور حکیم عبد الجلیل تین تین سال قید ہوئے۔ اسی سال کے شروع میں باچا خان جیل سے رہا ہوئے اور پھر سرگرم عمل ہوئے محبت۔ بھائی چارے اور اخوت کا درس دیتے رہے۔ انگریزوں نے اس دوران حالات پر قابو پانے کی غرض سے غیر معمولی تشدد کا مظاہرہ کیا علی برادران ابو الکلام آزاد اور گاندھی جی قید کر لئے گئے۔ جب مصطفیٰ کمال نے ترک کی عنان حکومت سنبالی انہوں نے خلافت تحریک کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ ۱۹۳۱ء میں تحریک خلافت اپنی موت آپ مر گئی مزید جنوری ۱۹۳۱ء میں محمد علی جوہر کا یروشلم میں انتقال ہوا۔ اور بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔ ویسے بھی علی برادران (محمد علی جوہر۔ شوکت علی) غفار خان۔ ڈاکٹر خان۔ محمد علی جناح۔ بیرسٹر محمد جان خان عباسی بنوں۔ حکیم عبد الرحیم بنوں۔ ذاکر حسین خلیق الزمان۔ شیخ عبد اللہ۔ عبد الصمد اچک زئی وغرہ کانگرس سے اشتراک عمل روا رکھتے تھے۔ جب کانگرس خوب مضبوط سیاسی قوت بن گئی تو اس کا وطیرہ بھی بدل گیا۔ اور مکمل آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ جسکی تکمیل اور حصول کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا گیا۔ اب گاندگی جی کانگرس اور خلافت کمیٹی کے متحدہ محاذ کے رہنما بن گئے تھے۔ انگریز آقا کی بھی آنکھیں کھل گیئں اور سمجھا کہ جن بوتل سے نکل آیا۔

۱۹۲۰ء میں باچا خان حج کے لئے تشریف لے گئے اسی سال ان کے والد بہرام خان وفات پا ئے۔ حج سے واپسی پر باچا خان کی سرشاری قابل دید تھی۔ ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے ایک ہندو ، رنگیلا رسول نامی کتاب دل ازاری لکھدی جسے راج پال نامی پبلشرز نے انارکلی لاھور سے ع کیا۔ (یہ بھی برطانوی سامراج کی حکمت عملی کا ایک شاخسانہ تھا) مسلمان جوش میں آئے جگہ جلسے۔ پھر جلوس۔ ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ شیرازہ بکھر گیا۔

مسلمان ہندہ کا اور ہندو مسلمان کا جانی دشمن بنا۔ علم دین نامی شخص نے اس پبلشر کا کام ختم کر دیا۔ وہ موقع پر سے گرفتار ہو کر اسے پھانسی دے دی گئی۔

خدمت گار تحریک

دسمبر ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا کانگرس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا۔ جس کی صدارت جواہر لعل نہرو نے کی۔ باچا خان (عبد الغفار خان) اگرچہ اس وقت تک کانگرس کے بقاعدہ ممبر نہ تھے تو بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لاہور جاکر کانگرس کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کیا۔ وہاں کانگرس کی سرپرستی میں تربیت یافتہ رضاکار لڑکے اور لڑکیوں نے عمدہ نظم و ضبط کے ساتھ فوجی پریڈ کی جسے دیکھ کر غفار خان بڑے متاثر ہوئے وہیں اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھئے اگر پنجاب میں لڑکے اور لڑکیاں اپنے اندر عسکری نظم وضبط پیدا کر سکتی ہیں۔ تو افغان نوجوان جن کی فطرت میں عسکری صلاحیت موجود ہے اس سے بہتر انداز میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اسی وقت سے باچا خان کیذہن میں خدائی خدمتگار تنظیم کا خیال جاگزین ہوا۔

اسی سال ہندو ممبر رائے بہادر سار دانند نے مرکزی اسمبلی سے ایک بل سارد ابل کے نام سے پاس کروادیا۔ جس کے مطابق کم عمری کی شادی پر قدغن لگا دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس بل کی مخالفت میں شور و شرابا برپا کر دیا۔ یہ بھی برطانوی سامراج کے جنگ زرگری کا ایک حصہ تھا۔ اس بل کی مخالفت میں مسلمان علماء نے کم عمر بچوں اور بچیوں کے درمیان عقد نکاح پڑھایا اور بل کی عملی مخالفت کرتے رہے۔ انگریز بہادر تماشہ دیکھتا رہا۔ کوئی تعرض کوئی مداخلت نہ کی یہ ہندو مسلم اتحاد پر ایک اور وار تھا۔ خدائی خدمتگار کی تنظیم بنا دی گئی

۱۹۳۰ کا سال

۱۹۳۰ء کا سال عظیم قربانوں کا سال ٹھرا اس خوں چکاں اور خوں آشام ۱۹۳۰ء کا سال ہے۔ بہت سارے شہید ہوئے۔ اور امر سال پشتونوں نے ملک کی آزادی کی خاطر اپنا کافی خون بہایا۔

ہوئے۔ خدائی خدمتگار کی تنظیم بڑی فعال ثابت ہوئی۔ انگریزوں نے اس سال وہ وحشیانہ مظالم ڈھائے جس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ جسے رقم کرتے انگلیاں فگار اور قلم خون چکاں ہو جاتا ہے۔ یہ نئی سیاسی تحریک جوں جوں ترقی کرتی گئی انگریز کے حیاسوز جبر و تشدد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ خدائی خدمتگار کے رضاکاروں کی پہلی وردی سفید کھدر کی مقرر تھی جو جلد میلی ہوتی تھی بعد میں جسے سرخ رنگ میں بدل دیا گیا۔ اب رضاکاروں کی کھدر کی بنی ہوئی سرخ چست وردی مقرر ہوئی اس طرح یہ تحریک سرخپوش کہلانے لگی۔ صوبہ سرحد میں جگہ جگہ جرگے بنے اور سیکڑوں خدائی خدمتگار تیار ہوئے نیا جذبہ نیا ولولہ تھا نئی امنگ نئی تڑپ کے ساتھ میدان عمل میں رضاکار کود پڑے تھے۔ ان کا جذبہ حب الوطنی دیدنی تھا۔ جذبہ ایثار سے سرشار رضاکار ہر قربانی کے لئےتیار تھے۔ پشاور سے لیکر ڈیرہ اسماعیل خان کے دور دراز علاقوں تک آزادی کی لہر پہنچادی گئی۔ ہندوستان بھر میں کانگرس کا طوطی بول رہا تھا۔ جبکہ صوبہ سرحد کے باسیوں کی اکثریت خدائی خدمتگار کے پیروکار تھی۔ چونکہ ان دونوں جماعتوں کا منزل اور مقصد ایک تھا۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کے ہم رکاب رہتے تھے اس وقت تک سرخپوش تحریک کا کانگرس میں ادغام نہیں ہوا تھا۔

سرخپوش تحریک میں لوگ جوق در جوق شامل ہو رہے تھے اتمان زئی میں ۲۰ اپریل ۱۹۳۰ء کو سرخ پوشوں کا ایک عظیم جلسہ منعقد ہوا صوبہ بھر سے رضاکاروں کے شرکت کی ہر ضلع کا الگ کیمپ لگا ہوا تھا ۔ ہر طرف سرخ پرچم اور سرخ پوش نظر آرہے تھے۔ عجب منظر تھا۔ باچاخان بڑے خوش نظر آرہے تھے۔ انوں نے اس موقع پر بیساختہ کہا اب اگر مر جاؤں تو زندہ دل کے ساتھ۔ گویا ان کی حسرت پوری ہو چکی یعنی پشتونوں مین بیداری اور احساس زیاں۔

باچا خان کی اس یادگار تقریر کا متن۔

"ہمارے صوبے کا بڑا حاکم چیف کمشنر ہے جو ہماری خدمت کے لئے مقرر ہے اس کے روز و شب یوں گزرتے ہیں۔ جب بہار گزر جائے سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے وہ تھیا گلی چلا جاتا ہے اسی دوران اپنی بیگم کے ساتھ تاش کھیلتا ہے عیش و عشرت کرتا ہے گرمی کم ہوئی پشاور آکر خوانین اور نوابوں کی ضیافتیں اڑاتا ہے۔ پھر نظام پور چلا جاتا ہے وہاں ہفتوں مچھلیوں کا شکار کھیلتا ہے پھر سوات جاکر مرغابیوں کا شکار کھیلتا ہے اور والئے سوات کی دعوتوں سے سیر ہو جاتا ہے۔ جب سردی بڑھ جاتی ہے بہانہ بنا کر چلا جاتا ہے۔ ان خدمات کے عوض اسے ۸ لاکھ روپیہ سلانہ ملتا ہے اور جو لوگ غربت کی وجہ سے یا با امر مجبوری مالیہ نہ دے سکے اسے حوالات میں بند رکھا جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ باچا خان کے بارے میں حکام بتاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو مالیہ دینے سے منع کرتا اور عوام کو سول نافرمانی پر اکساتا تھا۔

اس تقریر سے عوام میں انگریزوں کے بارے میں نفرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اسی سال شراب خانوں پر پکٹنگ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ پکٹنگ کیا تھا۔ جائے مقتل بن جاتا تھا۔ جس کا زکر مختلف حوالوں سے کیا جا چکا ہے پکڑ دھکڑ۔ قید و بند۔ مار پیٹ۔ زدو کوب۔ دارو گیر کا مرحلہ بھی آن پہنچا یہ سرشاری اور غم گساری کا امتحان تھا۔ آنکھوں سے جوئے خون بہنے کا مرحلہ تھا۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

اسی دوران سانحہ قصہ خوانی بازار پشاور اور سانحہ پسینہ تنگی یوں پیش آیا۔ جن سے قربانی کی شان دو بالا ہو گئی۔ خون جگر سے تحریک آزادی کی آبیاری کی گئی۔ موت کی آغوش میں عشق نے زندگی پائی۔ میدان کربلا کی یاد تازہ ہو گئی۔

موت کی آغوش میں جب عشق پاتا ہے حیات
ہر قدم پیدا زمین کر بلا ہونے بھی دے۔

سانحہ سپینہ تنگی

۲۴اگست ۱۹۳۰ء کے یادگار دن بمقام سپین تنگی ضلع بنوں کے غیور پٹھان عوام نے سامراج کے خلاف جدو جہد آزادی میں جو شاندار قربانی دی وہ پاک و ہند کی تاریخ آزادی میں سنہری حروف سے لکھی جائیگی اس جنگ آزادی نے میدان کربلا کا نقشہ پیش کیا تھا۔ایک طرف مسلح گورا فوج تھی دوسری طرف شمع آزادی کے پروانے غیر منظم غیر مسلح۔ ناکردہ گناہ کے طور اس مجمع عظیم پر گولیاں برسائی گیئں۔ بیگناہ عوام کا قتل عام ہوا بہت سارے شہید ہو کر امر ہو گئے۔ کیونکہ ان شہیدوں کا اگر کوئی قصور تھا۔ تو یہ کہ وہ بے گناہ اور بے قصور تھے۔ حصول آزادی کے لئے اپنی خواہش اور حسرت کا اظہار کرنے کے لئے میدان سپینہ تنگی میں جمع ہو گئے تھے۔ان دنوں عوام کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ وہ تحریک آزادی کے جلسے اور جلوسوں میں شرکت کرنے بیس بیس اور پچیس پچیس میل کا فاصلہ پیدل طے کرتے تھے۔

حکومت کی تمام تر استبدادی تدابیر ان جلسوں اور جلوسوں کو روک نہ سکیں حلانکہ اس وقت تحریک کے تقریباً تمام سرکردہ لیڈر جیلوں میں بند تھے۔ مثلاً خان مقرب خان۔ میر محمد اسلم خان۔ حاجی محمد اسلم خان۔ شیخ فاروق صاحب۔ سالا محمد یعقوب خان۔ خان ملنگ۔ ملک اکبر علی خان۔ شیخ حق نواز خان۔ محمد غلام خان۔ حاجی آزاد خان۔ حاجی پیر شہباز خان۔ مولوی گل خوئیدود۔ حکیم عبدالرحیم۔ قاضی حبیب الرحمان۔ بیرسٹر محمد جان عباسی۔ حاجی عبدالرحمان وغیرہ۔ جیل میں بند تھے۔بنوں شہر کو تقریباً seal کر دیا گیا تھا دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی۔ فصیل شہر کے تمام دروازے بند اور مقفل تھے جس سے شہر میں آنا جانا ممنوع تھا۔ان حالات میں جو بیرون سے شہر آبادی کے مویشیوں کے لئے چارہ بلا قیمت فصیل کے باہر کی طرف سے پھینکتے رہے۔اور پابندی کے باوجود اہل شہر کی ضروریات کو پورا کرتے رہے۔

عوام کے مظاہروں کو روکنے کے لئے جب حکومت کی تمام انسدادی تدابیر ناکام ہوئیں تو گولی چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ وہ بھی بغیر اشتعال کے۔

۲۴ اگست ۱۹۳۰ء کے روز سپینہ تنگی جو شہر بنوں سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر بنوں کوہاٹ سڑک کی مشرقی جانب واقع ہے۔ یہ ایک خشک ریگستانی علاقہ ہے بے آب و گیاہ۔ یہاں ایک زبردست بہت بڑا جلسہ ہونیوالا تھا۔ ظہر کا وقت تھا کرنل سی۔ ایچ گڈنی ڈپٹی کمشنر بنوں فوج۔ پولیس اور فرنٹیر فورس کے ہمراہ صبح سویرے وہاں پہنچ چکا تھا۔ فوج پہنچتے ہی وجہ بتائے بغیر ہیبت خان اور رائے بت خان جو منتظمین جلسہ تھے ان کے گھر جلادئے گئے۔ یہ افراد ایک دن قبل گرفتار بھی ہوئے تھے۔ ان کے آٹھ بڑے بڑے اطاق جو اناج سے بھرے ہوئے تھے نزر آتش کئے گئے۔ گھروں کے اندر سامان کے ساتھ ساتھ مویشی بھی جل کر خاکستر ہوئے دیگر آس پاس کے مکانات کو بھی نقصان پہنچا۔ اور رہایشی تشدد۔ جبر واستبداد کے شکار ہوئے گھروں کو لوٹا گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے میر داد خان۔ ایوب خان۔ قاضی فضل قادر کو اطلاع دی کہ وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں۔ گویاان کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہوا تھا۔ ان تینوں نے جواب مں کہا کہ ہم عدم تشدد پر یقین رکھتے ہیں البتہ جلسے کے اختتام پر ہم خود کو قانون کے حوالہ کریں گے۔ کیونکہ اس وقت جذباتی ماحول ہے اگر ہمیں گرفتار کیا گیا تو عوام مشتعل ہو کر قانون شکنی پر اتر آئیں گے۔ سر سی۔ ایچ گڈنی اور ایوب خان وزیر کے مابین سلسلہ جنبانی جاری تھا۔ جبکہ فوج جنگ کی تیاری میں مصروف دکھائی دے رہی تھی سارے راستے اور سڑکیں جو جلسہ گاہ تک جاتی تھیں ان پر فوج اور پولیس کا قبضہ تھا۔ کیپٹن ایش کرافٹ جو گھروں کے جلانے میں مصروف تھاان سے فرصت پر کر پرامن جسلہ گاہ مں گھس آیا۔ آتے ہی سفید ریش قاضی فضل قادر جو جلسہ کی صدارت کر رہا تھا صدارتی تقریر کے دوران داڑھی سے پکڑ کر اسے سٹیج سے گرا کر زمین پر پٹخ دیا۔ ایک رضاکار نے مداخلت کی اسے پستول کے گولی سے زخمی کر دیا۔ اس پر چندان شاہ جو بازار احمد خان کا رہنے والا تھا۔ دکیپٹن ایش کرافٹ پر حملہ کیا اور اسے لور سے مار دیا۔ جس پر فوج اور پولیس نے جلسہ گاہ پر اندھادھند گولیاں برسانی شروع کر دیں جو کئی گھنٹوں پر محیط تھیں۔ سیکڑوں لوگ شہید ہوئے بہت سارے زخمی بھی ہوئے مرنے اور زخمی ہونے والوں میں کئی خواتین بھی تھن۔ ۴۰۰ بھیڑیں۔ اونٹ اور بکریاں ہلاک ہوئیں۔

زخمیوں کی بڑی تعداد شدت گرمی پیاس۔ اور زخموں کی وجہ سے بے کسی اور بے بسی کی موت مرے اور شہید ہوئے قاضی فضل قادر میر جلسہ بھی شہید ہوئے ان کا جسم طاہر گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ ان کی لاش سرکاری تحویل میں لے لی گئی۔ اور انہیں بنوں جیل کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔ اور پھر قبر کو بے نام ونشاں کر دیا گیا۔ گویا اس پر زمین ہموار کر دی گئی۔ پاکستان بننے کے بعد کسی کی نشاندہی پر وہاں ان کا ادیرہ بنا دیا گیا۔ ہے مگر اب بھی قاضی فضل قادر شہید کی روح رہائی کا منتظر ہے۔ اور پکار پکار کر زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

حد چاہیے سزائیں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں۔

اب مجھے رہا ہو جانا چاہئے تھا۔

ملک دراز خان چک ڈڈان کہتے ہیں کہ۔ مقام عبرت ہے کہ اسی مرد مجاحد اور شہید بنوں کی والدہ نے جب راشن کارڈ کے بنوانے میں بارہا کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ممبران سے رجوع کیا تو شنوائی نہ ہوئی۔ البتہ ایک ہندو ممبر کوٹورام نے ان کے لئے راشن کارڈ بنوایا۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ذیل کے ممبران حاجی اسلم خان۔ غلام جان خواجہ خیل۔ مقصود جان میراخیل۔ ملک اکبر علی خان وغیرہ۔

قاضی فضل شہید کے علاوہ جو سرکردہ حضرات شہید ہوئے اور جو ذہن کی سیمیائی پردے پر ان کے نام محفوظ ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

ترکال خان ترخوبہ کلاں۔ مولوی محراب خان نور محمدی کلہ۔ پیاؤ خان پٹال خیل زخمی۔ زرخان پٹال خیل۔ اصل ولایت موسیٰ خیل۔ شدایر پٹال خیل۔ گنج خان موار کلہ۔ اسد خان موار کلہ۔ تھانیدار خان پٹال خیل۔ میاں محمد یوسف ممش خیل۔ محمد شیر خان شہباز عظمت خیل۔

چوبیس گوراسپاہی کے علاوہ کپٹن ایش کرافٹ کمانڈر ایف سی ہلاک ہوا تھا۔ حکومت وقت نے ۸۴ بے گناہ اشخاص کو گرفتار کر کے انہیں مختالف معیاد کی سزائیں دیں ملک میرداد خان اور ایوب خان وزیر کو چودہ چودہ سال قید۔ محمد بشیر خان کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

؎ بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

اقبال

خاکسار تحریک

اس تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ خان المشرقی تھے۔ وہ امر تسر کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے ۱۹ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ریاضی کی ڈگری لی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت چلے گئے کیمرج یونیورسٹی سے آپ نے ریاضی و فزکس اور مشرقی علوم میں امتیازی سندات حاصل کیں ۱۹۱۳ء میں آپ ہندوستان واپس آگئے۔ اور انہیں انڈین ایجوکیشنل سروس میں لیا گیا۔

عالمگیر جنگ اول کے خاتمے کے بعد جب ہندوپاک کے مسلمانوں نے ٹرکی کی حمایت کے سلسلے میں خلافت تحریک چلائی اور جس کے نتیجے میں ہجرت کی تو آپ سرکاری ملازمت میں ہونے کے باعث ان تحریکوں میں عملی حصہ نہ لے سکے البتہ اپنے زرین مشوروں سے تحریک کے لیڈروں کو مستفید کرتے رہے ۱۹۲۴ء میں آپ نے تذکرہ کی مشہور و معروف کتاب لکھی اور جب انہوں نے محسوس کیا۔ کہ اس کتاب کی کما حقہ پذیرائی نہیں ہوئی اور نہ کسی میں کتاب ہذا کی سمجھنے کی صلاحیت اور فہم ادراک موجود ہے تو انہوں نے بھاری قیمت کی پیش کش کر کے اس کتاب کو عوام کے ہاتھوں سے واپس چھین لیا۔ اور اسے تلف کر دیا گیا۔ دو سال بعد آپ نے مصر میں موتمر اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی کچھ عرصے بعد آپ یورپ بغرض سیر و سیاحت چلے گئے۔ جرمنی میں آپ نے ہٹلر سے ملاقات کی واپسی پر آپ سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ۱۹۳۱ء کے شروع میں آپ نے خاکسار تحریک جاری کی۔

آپ نے اپنی تحریک کی بنیاد اطاعت امیر۔ انتہائی فوجی نظم و ضبط جہاد بالمال بے مثال تنظیم۔ اخوت۔ خدمت خلق اور بے پناہ جذبہ ایثار کے زریں اصولوں پر رکھی آپ کا خیال تھا۔ کہ ان

اصولوں پر تربیت کرنے سے مسلمانوں کی اخلاقی و معاشرتی سطح اتنی بلند ہو جائیگی کہ وہ روئے زمین پر سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ بیلچہ کو وہ امتیازی ہتھیار کے طور ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور فوجی ڈرل کرتے وقت اس کو استعمال میں لانا ضروری ہوتا تھا۔

مراتب کے لحاظ سے تمام خاکسار کو چار گروہوں میں منقسم تھے۔ (۱) مجاہد (۲) پاکباز جو بوقت ضرورت جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ (۳) جانباز۔ جو خونی معاہدہ کے ذریعے اپنی جانوں کو ہر وقت قربان کرنے کے لئے مستعد رہتے تھے۔ (۴) معاونین۔ جو

تین ماہ کی فوجی تربیت حاصل کر کے پھر اپنے مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے۔ مگر تحریک کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ تحریک نے اپنے نظریات کو تشہیر تشریح اور فروغ دینے کے لئے اپنا اخبار الاصلاح جاری کیا تھا۔ تحریک کا اپنا بیت المال بھی تھا۔ جسمیں عوام و خواص دل کھول کر

چندہ دیتے تھے۔ چنانچہ سندھ میں ٹانڈہ بار گو کے ایک رئیس نے دس لاکھ روپے اور کچھ زمین تحریک کے نام وقف کر دی۔ ۱۹۳۸ء کے آخر میں اس تحریک نے اپنی تنظیمی صلاحیتوں اور جذبہ خدمت خلق کی بدولت ہندوستان بھر میں شہرت حاصل کر لی محلّہ وار جماعتوں کے فوجی

نظم و نسق سے عوام کافی مرعوب ہوتے تھے۔ ان کے کیمپوں سے دیگر سیاسی جماعتیں متاثر ہوئی تھیں۔

چونکہ اس تحریک کا فوجی نظم و نسق بے مثال تھا۔ اور اس کا قائد انقلابی ذہنیت کا مالک تھا۔ اس

لئے برٹش گورنمنٹ نے اسے کچلنے کی ٹھان لی چنانچہ سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب نے اس تحریک پر چند پابندیاں عائد کیں۔ مگر قائد تحریک نے ان پابندیوں کو مسترد کر دیا۔ اس پر پنجاب پولیس نے خاکساروں پر گولی چلادی تقریباً تین درجن خاکسار شہید کر دیئے گئے۔ بہتوں

کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ قائد تحریک کو مدراس کی جیل ویلور میں نظر بند کیا گیا۔ اور تحریک کو خلاف قانون قرار دے کر اسے جبر و تشدد سے کچلنے کی کوشش کی گئی۔ تقریباً پونے دو سال بعد علامہ مشرقی کو جیل سے رہا کیا گیا۔ وہ مدراس سے لاہور واپس پہنچے اور خاکساروں کو از سر نو منظم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد خاکسار تحریک کی ہر دلعزیزی میں نمایاں کمی

آگئی ہے۔

تتمہ

۱۹۵۲ء میں انہوں نے تتمہ نامی کتاب لکھی جو ایک نایاب تجربہ تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے ۱۶ اروسی نامور سائنس دانوں کے نام خطوط لکھے تھے جن میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ ان کے پاس تسخیر قمر کا نسخہ اور فارمولا ہے مگر حکومت پاکستان کے پاس وہ وسائل نہیں جن پر عمل پیرا ہو کر چاند تک رسائی ممکن بنادے عوام و خواص نے اس تجویز کا مذاق اڑایا مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔

انہوں نے ۱۹۵۶ء میں لاہور منٹو پارک میں ایک تقریر کے دوران حالات موجودہ کا تنزہی تجزیہ پیش کرتے ہوئے پیش گوئی کی کہ اگر ان کے بتائے ہوئے اصول اور راز کو در خور اعتناء نہ سمجھا گیا تو آج سے تقریبا ۱۴ اسال بعد مشرقی بازو مغربی بازو سے کٹ جائے گا۔ اور پھر خدا نہ کرے ۱۹۴۷ء کے دور سے بھی مسلمانوں پر برا وقت آئے گا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی صورت میں ہندی مسلمانوں کے لئے جائے پناہ تھی مگر اب کی بار جو انقلاب تباہی لائے گا۔ اور جو ہمارے شامت اعمال کا نتیجہ ہو گا۔ تو جائے پناہ بھی نہ ہو گی۔ ایک طرف بحیرہ عرب ہو گا اور دوسری طرف دیوار چین۔ پھر تو مسلمان ابدی طور پر شودر کے درجے میں گر جائیں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ مسلمان خود کو خدا کا سپاہی بنادے۔ علامہ کی یہ پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی اور ۱۹۷۰ میں ہم سے مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا۔

؎ سبب کچھ اور ہے جسکو تو سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زاری سے نہیں

اقبال

۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو علامہ مشرقی کا انتقال موذی مرض دماغی کینسر سے واقع ہوا۔ اور قائد کی قیادت کے بغیر تحریک مردہ جسم کی صورت میں رہ گئی۔ موجودہ وقت میں خاکساروں کے جتھے

کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ مگر ان کا سارا دم خم ٹوٹ چکا ہے۔ اسلام کے شیدائی کو بانی تحریک کے شاندار عزائم کا حسرت ناک انجام خون کے آنسوؤں رلانے کے لئے کافی ہے۔

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کس دیوانے نے موت پائی ہے

بنوں میں خاکسار تحریک کے کافی جان باز تھے جنکی فہرست بڑی طویل ہے صرف باعث التفات افراد کا نام نامی کافی ہے۔ حبیب اللہ خان مینا خیل سابق چیرمین سینٹ وزیر داخلہ۔ ڈاکٹر ستار خان ہوسائی۔ سالار سبحانی خان میر زعلی خیل بڈا میر عباس۔ پیر خان بادشاہ ممد خیل۔ سرائے نورنگ فضل قادر وغیرہ۔

کانگرس اور بنویان کا کردار

مولانا محمد علی جوہر کی وفات / شہادت اور پھر مصطفی کمال اتاترک کا سر براہ ہونا تحریک خلافت کے زوال اور پھر اختتام کی تمہید ثابت ہوئی چانچہ کانگرس کمیٹی اور خلافت کمیٹی کا ادغام اب ناگزیر ہوا۔ گاندھی جی بلا شرکت غیر دونوں سیاسی تحریکوں کا واحد لیڈر بن گیا۔ کانگرس اور خدائی خدمت گار بھی ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک عمل کرتے رہے تھے کیونکہ دونوں کا مقصد اور منزل ایک تھا۔ (ہندوستان کی آزادی) جب ہر سہ تحریکوں کا باہمی احترام، انصرام کا سلسلہ جاری تھا تو ان کا انضمام اور ادغام بھی وقت کی ضرورت تھی چنانچہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی ایما اور مشورہ پر خدائی خدمت گار تحریک بھی اس بڑے سیاسی دھارے یعنی کانگرس میں شامل ہو گئی۔ جس سے کانگرس کو مزید تقویت ملی اور حصول آزادی کے لئے کانگرس مزید فعال ہو گئی۔
دوسری طرف انگریز حکومت نے بھی اس نئی صورت حال کا متشددانہ مقابلہ کیا۔ اور وحشیانہ مظالم ڈھائے۔ اسی اثناء میں مقصود جان خان نے باچا خان کو بنوں آنے کی دعوت دی۔ باچا خان بنوں آئے اور بنوں میں خلافت کمیٹی کے سرکردہ رہنماؤں سے ملے جن میں حاجی عبدالرحمان داود شاہ۔ بیرسٹر محمد جان عباسی۔ مقرب خان سورانی۔ امیر مختیار خان میراخیل۔ حاجی زمان

خان کئی۔ وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح بنوں کی خلافت کمیٹی۔ خدائی خدمتگار اور کانگرس باہم دیگر مدغم ہو گئیں۔ اور اب بنوں میں صرف کانگرس ہی زبان زد عام و خاص رہا۔ کالی وردی ترک کر کے سرخ وردی رضاکاروں کے لئے مقرر کر دی گئی۔ ان ایام میں بنویان کی بہت بڑی تعداد جیل میں بند کر دی گئی۔ باعث التفات شخصیات کے نام درج ذیل ہیں۔

مولوی امیر حمزہ منڈان۔ حبیب اللہ خان مینا خیل مروت۔ حاجی آزاد خان سوکڑی۔ ملک اکبر علی خان سوکڑی۔ خان ملنگ بازار احمد خان۔ حاجی عبدالرحمان داؤد شاہ۔ شیخ حقنواز و بہادر نواز بازار احمد خان۔ رختی ماما حسن خیل عیسکی۔ بیرسٹر محمد جان عباسی۔ خو کپتان ممش خیل۔ شیرین کپتان ممش خیل۔ ملک میر صاحب جان ممش خیل۔ نازبیت خان اعوان بازار احمد خان۔ نصف جہان ممش خیل۔ شیروز خان عرف بعغ ممش خیل۔ خان ممش خیل عرف مونڑے خان۔ سالا یعقوب خان بازار احمد خان۔ شیر افگن خان حسن خیل عیسکی۔ حاجی محمد اسلم خان بازار احمد خان۔ جنیدی بنوسائی۔ حکم زاد بادشاہ میرائی۔ حاجی زمان خان ککی۔ جان گل ککی۔ حاجی امیر مختیار میراخیل۔ شیخ غلام سرور بڑا امیر عباس۔ ملک نورائی خان۔ صالح خان منڈان۔ میر ولی خان گڑھی میر عالم۔ شیر جان استوز سوکڑی۔ طوطی سوکڑی۔ شہزادہ داود شاہ۔ شاہ دراز خان داؤد شاہ۔ شاہ قلزم سوکڑی۔ ملک شاہ دراز خان سوکڑی۔ میر قلم جان سوکڑی۔ ملک اکبر علی خان سوکڑی۔ شیر شاہ اور خوبان شاہ داود شاہ۔ قاضی حبیب الرحمان سوکڑی۔ نظر دین وزیر سپین گل خوجڑی۔ زن ترا بیسا خیل۔ شاہنواز خان بیسہ خیل۔ جنگی صدر خان بادشاہ بیسر خیل۔ وزیر اعظم بازیدئی۔ حکیم عبدالرحیم عیسکی۔ بازی جان بازار احمد خان۔ ٹینگ سنور بنوسائی۔ میر غزادی بازار احمد خان۔ گذ رمضان بنو شہر خلیفہ امیر خان فاطمہ خیل۔ قاضی جناب دین فاطمہ خیل۔ ملک حمید اللہ خان میرز علی خیل۔ امیر صاحب خان صوبہ خیل مٹک۔ عیدالکبر شاہ کوٹی سادات۔ محمد غلام خان بڑا میر عباس۔ نصر اللہ خان بڑا امیر عباس وغیرہ۔ فہرست بڑی طویل ہے۔ جسمیں غیر بنویان اور غیر مسلم کے نام شامل نہیں ہیں۔ بنوں میں کوئی ایسا گھر گھرانہ نہ تھا جس کا کوئی فرد زیر حراست نہ تھا۔ جب بنوں جیل حوالاتیوں اور قیدیوں سے بھر گیا۔ اور اس میں مزید سمونے کی گنجائش نہ

رہی تو قلعہ شاہی کے بالمقابل کھلے میدان کے ارد گرد خار دار جنگلا نصب کر کے اسے بھی کاسب جیل کا درجہ دیا گیا۔ دسمبر کا مہینہ۔ سردی کا جوبن کھلے آسمان میں زیر حراست افراد کو رکھا گیا ان سے چادروں تک لیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو درجنوں افراد لقمہ اجل ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں ان دنوں سکندر مرزا سابق گورنر جنرل پاکستان بنوں میں اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ وہ ایک دن بازار احمد خان لیا۔ ان کے ساتھ پولیس اور نیم فوجی فورس بھی تھی۔ بستی خالی ہو چکی تھی۔ تقریباً رضاکار پس دیوار زنداں چلے گئے تھے۔ گاؤں میں لوگ سہمے ہوئے تھے سکندر مرزا نے متکبرانہ لہجے میں پکار کر کہا کوئی ہے جو آج سیاسی نعرہ لگائے عوام چپ سادھ لئے ہوئے کھڑے تھے مجمع میں سے میرغ زادی کپتان نامی شخص برآمد ہوا اور باآواز بلند نعرہ تکبیر کہا۔ مگر سامعین میں سے جواب وصول نہ ہو سکا۔ خوف کا سامان تھا۔ ہر انسان ترساں اور ہراساں تھا۔ خود ہی جواب دیا۔ اللہ اکبر۔ اسے پکڑ کر زمین پر گھسیٹا گیا۔ زدو کوب کیا گیا۔ آہنی ڈنڈوں سے مارا گیا۔ یہاں تک کہ وہ لہولہان بیہوش ہوا۔ پھر ہاتھ پاؤں سے باندھ کر فوجی گاڑی میں پھینک دیا گیا۔ اور پھر نامعلوم مقام پر لے جایا گیا۔ عوام سوالیہ نشان ششدر رہ گئے۔ گویا وہ زندہ بھی بچا ہے۔ مگر دوسرے دن معلوم ہو کہ اسے بھی دیگر حوالاتیوں کے ساتھ جیل نما میدان میں زیر حراست رکھا گیا ہے۔ اور پھر ۳ ماہ کی سزا ہوئی۔

شراب کی دوکان پر پکٹنگ تھی۔ زردار خان سوکڑی پکٹنگ کے لئے آیا اسے زدو کوب کیا گیا۔ جبڑا ٹوٹ گیا۔ دانت اکھڑ گئے۔ بیہوش ہو کر زمین پر گرا خون میں لت پت اس کے کپڑے اتار لئے گئے اسے برہنہ کر دیا گیا۔ جب ہوش میں آیا اسے خبر نہ رہی کہ اس کے جسم پر کپڑا نہیں ہے۔ وہ اسی حالت میں نیم بیہوشی میں لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھا مین چوک پہنچا کسی نے آواز دی زرداد خان تم تو ننگے ہو وہ رک گیا۔ پھر خود کو دیکھا کسی نے چادر دی خود کو ڈھانپا اور پھر چلا گیا۔ ہسپتال نہیں گھر کیونکہ ہسپتال میں اسے لینے کے لئے کوئی بھی روادار نہ تھا شہر بنوں اور مضافات بنوں میں مارشل لا لاگو تھا۔ شہر کے سارے دروازے بند تھے۔ صرف لکی دروازے کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ سیاسی نعرہ بازی۔ سیاسی تحریک میں حصہ لینا ایک سنگین جرم

تھا۔ رولٹ ایکٹ اور غازی ایکٹ اس پر مستزاد جس کے مطابق صرف اشتباہ پر قید سخت اور پھانسی تک دی جا سکتی تھی۔ رضاکار تھک چکے تھے۔ زخمی اور بیمار۔ نڈھال تھے۔ بعض سرکردہ لیڈر جیلوں میں بند تھے۔ خوف وہراس کا سامان تھا۔ ہر دل لرزاں اور پریشان تھا۔ اعلان ہوا کوئی ہے جو نعرہ تکبیر کہہ کر مارشل لا کو توڑ دے۔

سوکری میں رضاکاروں کی ایک نشست ہوئی شریک محفل میں رضاکاروں سے قربانی دینے کے لئے کہا گیا۔ کوئی ہاں ۔۔۔۔۔ تیار نہ تھا۔ مایوسی کا سامان تھا۔ ملک اکبر علی خان ۔ حاجی عبدالرحمان۔ سالار یعقوب خان۔ حاجی محمد اسلم خان ۔ خان ملنگ اور دیگر اکابرین موجود حاضرین سہمے ہوئے تھے۔ اسی لمحہ خان ملنگ بازار احمد خان نے جمود اور خاموشی کو توڑا ہاں۔ میں ہی اس جابرانہ قانون اور پابندی کو توڑوں گا۔ اس نے سرخ وردی پہن لی۔ اور پھر فقیروں کا بھیس بنالیا۔ گلے میں کچکول ڈال لی۔ اور فقیر کے بھیس میں بہنگام شب گزیدہ سحر کھڑکی میں سے داخل ہوا۔ اسکی جامع اور جامہ تلاشی لی گئی۔ اسے اندر جانے کی اجازت ملی جب اجالا ہوا۔ تو مین چوک جہاں آج کل پاکستان کا جھنڈا نصب ہے۔ چوبارہ پر آکر فقیر کا بھیس بدل دیا۔ اور سرخ وردی نمودار ہوئی۔ اسی وقت کچھ لوگ بھی جمع ہوئے۔ خان ملنگ نے باآواز نعرہ تکبیر بلند کیا۔ کچھ جواب نہ ملا۔ خود ہی جواب دیا۔ فوجی لوگ آئے اسے گرفتار کر کے نامعلوم مقام لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سے قلعہ کے اند پوچھ گچھ کے لئے لے جایا گیا ہے۔ دوسرے دن اسے قید کی سزا ہوئی۔

؎ مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

فیض

مسلم لیگ شاہراہ ترقی پر

وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں دانشور طبقہ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ ہندوپاک میں مسلمانوں کو اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لئے ان کا اپنا الگ سیاسی پلیٹ فارم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنی اسلامی روایات اور رجحانات کی پاسداری کر سکیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہوا کہ مسلم لیگ ہی واحد سیاسی جماعت ہو سکتی ہے جو ان مقاصد کی تکمیل میں مد اور معاون ہو گی۔ چنانچہ کانگرس سے بہت سارے مسلمان دانشور بددل ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے مسلم لیگ میں ان کی شرکت سے ایک نئی جان اور زندگی آئی۔ حکومت وقت کی بھی اسے آشیرباد حاصل تھی کیونکہ مسلم لیگ کا بنیادی اور دستوری طریقہ کار آئین اور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے امن اور آئینی طریقوں سے حقوق حاصل کرنا تھا۔ جن سے حکومت وقت پریشان نہ ہوئی۔

مسلم لیگ کے بعض قائدین اور اراکین کے نام زیل ہیں

سر سید احمد خان۔ سر سلیم اللہ خان۔ سر آغا خان۔ محمد علی جناح۔ خان لیاقت علی خان۔ سردار عبدالرب نشتر۔ سر نواب شاہنواز خان ممدوٹ۔ نواب افتخار حسین ممدوٹ۔ مولوی اے کے فضل حق۔ حسین شہید سہروردی۔ آئی آئی چندریگر۔ مولانا عبدالحمید بھاشانی۔ مولانا ظفر علی خان۔ پیر آف مانکی شریف۔ پیر زکوڑی شریف۔ ثمین جان خان۔ غلام محمد خان لوند خوڑ۔ خان عبدالقیوم خان۔ خواجہ ناظم الدین۔ ملک تاج علی خان۔ شاہ بزرگ خیل۔ حبیب اللہ خان۔ مینا خیل مروت۔ ملک دمساز خان شاہ بزرگ خیل۔ محمد یوسف خٹک۔ میاں ممتاز قادر دولتانہ۔ سردار شوکت حیات جان۔ میں افتخار الدین۔ محمد ایوب خان کھوڑو۔ خان جلال الدین خان۔ سردار بہادر خان۔ ملک الرحمان کیانی کوہاٹ۔ پیر صاحب مکھڈ شریف۔ میاں محمد شفیع (م۔ ش) مولانا عبدالستار نیازی۔ راجہ ظفر علی خان۔ ملک فیروز خان نون۔ سردار عبدالحمد ستی۔ نواب مشتاق احمد گورمانی ۔ حسن محمود۔ پیر صاحب پگاڑا۔ قاضی محمد عیسیٰ حمید نظامی۔

نورالامین۔ کرنل اسلم نیازی۔ سیف اللہ خان غزنی خیل مروت۔ عبداللہ ہارون۔ غلام جیلانی خان رئیس منڈان بمعہ دیگر افراد قبیلہ۔ مثلاً غلام سبحانی خان، ملک غلام خان شیخ موزوں صاحب۔

بنوں میں خدائی خدمتگاروں کا طوطی بول رہا تھا۔ ہر گھر گاؤں بستی میں سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ مگر ان نے موافق حالات میں بھی خان بہادر زادہ ملک تاج علی خان نے بنوں میں مسلم لیگ کے لئے اپنی خدمات اور صلاحیتیں بروکار لانے کا تہیہ کر کے ۱۹۳۷ء میں بقاعدہ بنوں میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھ لی۔ اس طرح انہیں بنوں کی حد تک بانی مسلم لیگ کا اعزاز حاصل ہے۔ بعد میں ملک تاج علی خان مسلم لیگ کے صوبائی صدر بھی بنے جب قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کے جملہ ممبران اپنی جاگیروں۔ مراعات اور خطابات سے دست بردار ہوں تو قائداعظم ی اس فیصلے کے ساتھ وہ اتفاق نہ کر سکے اور اس طرح ۱۹۴۵ء میں خان صاحب ملک دمساز خان شاہ بزرگ خیل بنوں میں مسلم لیگ کے صدر ہوئے۔ انہوں نے مسلم لیگ کو عوامی سطح پر مقبول بنانے کے لئے فعال اور قابل قدر کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے لئے ان کی مالی معاونت ذاتی خدمات بااصول اور جاندار قیادت باعث تقلید۔ باعث فخر اور ضرب المثل ہیں۔

اور جب خان صاحب ملک دمساز خان صدر ضلع بنوں اور عبدالقیوم خان وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد کے مابین شخصیات اور زاتیات کی نوک جھونک شروع ہوئی تو ان کی جگہ ضلع بنوں مسلم لیگ کا صدر سالار محمد یعقوب خان کو بنا دیا گیا۔ اور ساتھ ساتھ انہیں اسمبلی میں پارلیمانی سکٹری بھی بنا دیا گیا۔ اس طرح ہم خرما وھم ثواب۔

قصہ خاتون اسلام کا ۱۹۳۶ء

اس خاتون کا ہندوانہ نام رام کوری تھا۔ جو موضع جھنڈو خیل بنوں کا باسی میوہ رام کی بیٹی تھی بچپن ہی سے وہ اپنی بیوہ ماں (منہ دیوی) اور چچا ہر نام داس کی زیر کفالت رہی کیونکہ اس کا باپ

بہت پہلے فوت ہو چکا تھا۔ افغان معاشرہ میں تربیت پانے کے سبب وہ اسلام کی طرف بہت جلد راغب ہوئی۔ سن شعور کو پہنچ کر وہ بلا اکراہ و جبر کے مسلمان ہو گئی شریعت اسلامی کے مطابق پیرزادہ امیر نور علیشاہ سکنہ جھنڈو خیل کے عقد زوجیت میں آئی۔ اس خانون کا اسلامی نام نور جہان رکھا گیا۔ شروع میں نور جہان کے متعلقین نے اس شادی کی مخالفت کی مگر افہام و تفہیم کے بعد انہوں نے اپنا سابقہ تحریری بیان پولیس تھانہ ڈومیل سے واپس لے لیا۔ بات خفیہ ہاتھ تک پہنچ گئی۔ خفیہ ہاتھ فعال ہو گیا۔ اسے اپنی مرتب کردہ حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کارآمد حربہ ہاتھ آگیا۔ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ مقامی طور پر ہندو مسلم اتحاد کو زک دینے کے لئے یہ ایک زرین موقع تھا۔ جسے انگریز اپنے مقصد براری کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ خفیہ ایجنسیوں اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اس معمولی واقعہ کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ اور اسے مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین وجہ نزاع بنا دیا گیا۔ ہندوؤں کے چند با اثر افراد نے منہ دیوی والدہ نوجہان سے انگریز ڈپٹی کمشنر کعب کے نام ایک عرضیہ اشت لکھوائی گئی کہ اس سے (منہ دیوی) سے تحریری بیان بزور لیا گیا ہے کیونکہ مخالف فریق با اثر اور بار سوخ اور صاحب حیثیت تھے۔ مزید اسکی بیٹی رام کوری / نور جہان نابالغ بھی ہے۔ تصدیق کے لئے ایک ہندو ڈاکٹر سے ایک عدد عمر سرٹیفیکیٹ بھی حاصل کر لیا گیا۔ کعب انگریز ڈپٹی کمشنر نے مداخلت کرتے ہوئے پیرزادہ امیر نور علی شاہ کو خاتون نور جہان کو حکومت کے حوالہ کرنے کو کہا گیا۔ پیرزادہ امیر نور علی شاہ حالات کی نزاکت اور ناموافق حالات کے پیش نظر اپنے گاؤں کو خیر آباد کہنے پر مجبور ہوا اور علاقہ غیر میں جانے کی صلاح ٹھری مگر انہیں اپنی بیوی نور جہان خاتو کے ہمراہ تھانہ غوریوالہ کے نزدیک گرفتار کر لیا گیا۔ پیرزادہ امیر نور علی شاہ کو جیل بھجوا دیا گیا۔ مگر خاتون نور جہان کو ایک سکھ سردار سکندر شاہ سنگھ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ تاکہ وہاں اس کے عزیز و اقارب اس خاتون پر اپنا اثر ڈال کر اسے اسلام سے برگشتہ کر کے ایک بار پھر اسے کفر کی وادی میں دھکیل دیں مگر حکومت وقت کا یہ حربہ ناکام ثابت ہوا۔ کیونکہ خاتون دل و جان سے مسلمان ہو چکی تھی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس نشہ کو کافور نہ کر سکی ادھر بنوں بیان کا احتجاجی دباؤ حد سے بڑھ

گیا اور سیلاب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ایک سیلاب تھا جم غفیر تھی۔ جس کا مزید روکنا حکومت وقت کے لئے مشکل تر ہوا بیویاں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے آمادہ پیکار ہو چکے تھے۔ حکومت وقت عوامی سیلاب کے شدید دباو سے مجبور ہو کر اس مسلمان خاتون کو ایک سردار خان بہادر غلام حیدر خان شاہ بزرگ خیل کے حوالہ کر کے اسے ان کی تحویل میں دے دیا گیا۔ خاتون نے اس وقت اپنے لئے نور جہان کی بجائے اسلام بی بی کا نام منتخب کیا۔ اور اب اسے اسلام بی بی کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ خان بہادر غلام حیدر خان کی تحویل میں رہ کر اسلام بی بی سے مجسٹریٹ کیذریعے اس کا عندیہ معلوم کرنا مطلوب تھا۔ مگر پیشتر کہ اسلام بی بی کا عندیہ معلوم کیا جاتا خان بہادر غلام حیدر خان پر حکومت کی طرف سے دباؤ بڑھ گیا۔ کہ اسلام بی بی کو ڈپٹی کمشنر کے حوالہ کیا جائے۔ غلام حیدر خان اور اسلام بی بی کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ دل ہلا دینے والہ مکالمہ تھا۔ جسکی روئداد مجھے ایڈیشنل کمشنر گلزار علی شاہ نے اپنی والدہ کے حوالہ سے سنائی ان کی والدہ پیرزادہ امیر نور علیشاہ کی ہمشیرہ تھیں۔ اور جو اسلام بی بی کے ساتھ بطور نگران خانہ غلام حیدر خان میں ان دنوں رہائش پذیر تھیں۔

خان بہادر غلام حیدر خان نے اسلام بی بی سے کہا۔ بیٹی اٹھو۔ تاکہ میں تمہیں انگریز حکام کے حوالے کروں۔ جواب ملا بابا کوئی مسلمان باپ اپنی بیٹی کو کفر کے حوالہ کرنا چاہے گا۔ بیٹا میں مجبور ہوں۔ جواب۔ بابا مجھے شہید کر دو۔ مگر کفر کے حوالہ نہ کرنا۔ خان بہادر صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش رہے۔۔۔۔ توقف کے بعد بولے بیٹا میری مجبوری سمجھو۔ اچھا بابا وضو کر کے نماز پڑھنے دو۔ بیٹی نماز کا وقت نہیں ہے ابھی تو صبح نہیں ہوئی رات کافی رہتی ہے۔ بابا اگر نماز کا وقت نہیں دعا کا وقت تو ہے۔ مجھے خدا سے کچھ شکایت کرنی دو مجھے خدا سے راز و نیاز کرنے دو

اسلام بی بی وضو بنا کر صلوٰۃ حاجات پڑھتی ہے۔ نماز کے بعد خوب روئی۔ خوب روئی۔ آخر پر خان بہادر غلام حیدر کے حق میں بد دعا دی۔ جب ہنگام سحر شب گزیدہ ہو دل ستم دیدہ اور پژمردہ ہو دل سے آہ نکلے تو زمین و زماں کو ہلا دیتا ہے آنکھوں سے آنسو رواں ہو سیلاب بحر ظلم اور ظالم دونوں کو بہالے جاتا ہے۔

ے وہ آہیں جو ہلا سکتی ہیں قلب مادر فطرت
اگر سینہ میں وہ آہیں اٹک جائیں تو کیا ہو گا۔
وہ آنسو ؤں جنہوں بحر بیکراں ہونا بھی آتا ہے
اگر دامان مژگاں سے ڈھلک جائیں تو کیا ہو گا۔

شاید وقت دعا / بد دعا تھا فرش والے کی التجا عرش پر سنی گئی۔ اس خاندان کی سیاسی ساکھ خاک میں مل گئی۔ معلوم ہوتا ہے اب بھی یہی بد دعا خاندان کا تعاقب کر رہی ہے۔ اور آج بھی یہ خاندان قحط الرجال کا شکار ہے۔ عوام نے خان بہادر غلام حیدر خان اور اس کے فرزند ارجمند خان تاج علی خان کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ عوام غم و غصہ سے بد حال اور بے حال ہو رہے تھے۔ اسلام ٹی ٹی انگریز ڈپٹی کمشنر لحب کے حوالہ کی ہوئی اسے ہندوں کے حوالہ کیا گیا۔ اور اسی رات اسے امر تسر پہنچا دیا گیا۔ جہاں سنا ہے اسے شدھی بنا دیا گیا۔ پیر زادہ امر نور علیشاہ اپنی خفت مٹانے کے لئے دیار غیر چلا گیا۔ اور فقد والبحر ہوا۔ غلام حیدر خان کی طعن و تشنیع کی گئی۔ اپنے عزیز و اقارب کے نزدیک ملامت زدہ گردانا گیا۔ خاص طور پر ان کے بہت قریبی چچازاد بھائی ملک بہادر شیر خان نے جو انریری مجسٹریٹ بھی رہ چکا تھا شدید مخالفت اور ناراضگی کا اظہار کر کے اسے ملامت زدہ اور تہمت زدہ کیا۔ خان ملکنگ سکنہ بازار احمد خان نے اپنے شدید جذبات کا اظہار کیا۔ وہ اپنا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار ہوا قریہ قریہ گاؤں۔ گاؤں اور گھر گھر جا کر گھوما کہتا رہا کہ میں روسیاہ ہوں ہم مجرم ہیں ہم قوم اور اسلام کے خائین ہیں ہم نے بے مروتی دکھائی اس لئے میری طفیل ہمیں معاف کر دو۔ خود شرمسار۔ بنوں کے لوگ شرمسار مگر بے بس۔ بے کس۔ بے حس۔ اور ضعیفی ی خود ایک جرم ہے جسکی سزا بنوں والوں کو ملی اور اسلام ٹی ٹی کفر کی وادی میں چلی گئی۔

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اقبال

خان بہادر غلام حیدر خان نے کیا کہا؟
میں نے امانت میں خیانت نہیں کی مجھے ڈپٹی کمشنر نے اسلام بی بی کو امانت کے طور پر دی تھی
طلب کرنے پر میں نے امانت لوٹا دی۔ میں بنویان کے سامنے جواب دہ ہرگز نہیں۔
مزید انگریز حکام بالادست تھا۔ ہم غلام اور مجبور محض تھے ضعیفی خود ایک جرم ہے۔ میں بے بس
تھا۔ تم بھی بے بس ہو۔ غلامی ایک جرم ہے ایک لعنت ہے۔ شیخ موزوں صاحب کیا فرماتے
ہیں۔ غلام سرور خان مرحوم المعروف شیخ موزوں مرزعلی خیل بڑا میر عباس خان بنوں جنکی
اسلام بی بی کے قصہ پر گہری نظر رہی اور خود بھی باصفا باوفا ضمیر کے مالک تھے انہوں نے خان
غلام حیدر خان کی حجت اور تاویل کو رد کرتے ہوئے کہا" میں نے غلام حیدر خان کو پیش کش کی
تھی کہ ہم قبیلہ منڈان آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے اسلام بی بی کو آپ کے گھر سے اٹھا کر غیر
علاقے میں منتقل کر دیں گے۔ البتہ اسی کشمکش میں جتنے آدمی چاہو آپ انہیں گولی سے اڑا کر شہید
کر دیں اس باب میں آپ کو مضبوط جواز مل جائے گا مگر کسی قیمت پر بھی ایک مسلمان خاتون کفر
کے ہاتھ میں نہ چلی جائے مگر وہ میری اس تجویز سے اتفاق نہ کر سکے خان غلام حیدر خان نے یا تو
اخلاقی کمزوری دکھائی یا پھر کسی مصلحت کے شکار ہوئے بہر حال ان کا یہ جرم نا قابل معافی ہے۔

حاجی میرز علی خان کا رد عمل

حاجی امیر ز علی خان جو بعد میں فقیر آف ایپی مشہور ہوئے قبیلہ طوری خیل وزیر سے تعلق
رکھتے تھے وہ موضع ایپی میں ارسلا خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتداء ہی سے طبیعت میں سادگی
۔ درویشی اور خلوص پایا جاتا تھا۔ دینی شوق انہیں بنوں لے آیا۔ علاقہ نورڑ بنوں میں حصول دینی
تعلیم کے لئے ایک دینی مدرسے میں داخل ہوئے انہیں دنوں اسلام بی بی کا قضیہ پیدا ہوا۔ وہ

بڑے ٹھنڈے دل اور معتدل مزاج کے انسان تھے۔ وہ جلد اشتعال میں آنے والے انسان نہ تھے۔ انہوں نے اس واقع پر فوری جذباتی رد عمل نہ دکھایا۔ وہ انہیں دنوں نورڑ سے شہر بنوں آرہا تھا۔ کہ شہر بنوں کے ایک مسجد (ٹانچی بازار مسجد) کے بڑے دروازے کے سامنے جم غفیر جمع تھی وہ ادھر متوجہ ہوئے معلوم ہوا کسی غیر مسلم نے تحریر کردہ کلمہ طیبہ پر غلاظت ملی ہے وہ سمجھا کہ یہ ہنود اور عیسائیوں کی مشترکہ شرارت ہے اب اسے نہ رہا گیا۔ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں جب اسلام کو حقیقی خطرہ لاحق ہو، چپ سادھ لینا اور کچھ نہ کرنا جرم اور گناہ ہے۔ چنانچہ اسی لمحہ اپنے مسکن ایپی میں واپس ہوئے اپنے عزیز و اقارب کو اپنے عزم اور ارادے سے آگاہ کیا۔ اور خود کفر کے خلاف آمادہ پیکار ہوئے اور اعلان جہاد کیا۔ وہ خیسور منتقل ہوئے انگریز حکام کے خلاف صف بندی کا اعلان کیا۔ چند ایک غازی ان کے شریک محفل بلکہ شورش شریک محفل ہوئے اور غازی بننے کا اعلان کر دیا۔ بہت جلد ان کی افرادی قوت میں اضافہ ہوا۔ پولیٹکل حکام نے ان کے گھر بار چلادئے۔ ان کا گھر مسمار کر دیا گیا۔ بنوں سے کافی لوگ غازی بن کر ان کے صف میں شامل ہو گئے۔ جن میں حافظہ کی بنیاد پر بعضوں کے ناموں کا ذکر کرتا ہوں۔ گلنواز خان سورانی جو بعد میں خلیفہ گلنواز کہلایا۔ ایوب نواز خان ممش خیل جو جرنیل ایوب نواز کے نام سے مشہور ہوا۔ شیری اور رب نواز خان برادران ممش خیل جنہوں نے بعد میں بے مثال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنوں کے نزدیک ایک فوجی دستے پر خود کش حملہ کیا۔ کچھ غازی بھی شہید ہوئے مگر اس فوجی دستے کا کمانڈر کو ہلاک کر کے اس کا سر تن سے جدا کیا۔ اور اسے ساتھ لے گئے۔ بعد میں علاقے کے باسیوں کو وحشیانہ انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ شیر دل خان جرنیل سروبڈا۔ محمد امین خان شہید حسن خیل۔ فیضل استاد جی شہید سورانی۔ ماسٹر امیر صاحب خان جو اب بھی بقیہ حیات ہیں۔ وہ فقیر آف ایپی کے معتمد خاص تھے۔ مشک عالم سپر کئی وزیر جو نظم بازار بنوں میں ایک کشمکش کے دوران شہید ہوئے۔ بڑے جانباز۔ بہادر اور خوبصورت انسان تھے۔ مہر دل خٹک جو بعد میں خلیفہ بنے اور خلیفہ مہر دل مشہور ہوئے۔ وہ بنوں شہر کو لوٹنے کے لئے دن کے اجالے میں۔ معہ لشکر نکلے اور کامیاب لوٹ مار کے بعد بڑا نام پایا۔ کیونکہ

وہ دن کے اجالے میں جگنو کی روشنی پانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

بنوں شہر پر حملہ

۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے خلیفہ مہر دل خٹک اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نکل کر دن کے اجالے میں براستہ گمبتی اور بسیہ خیل علاقہ سورانی کے وسط میں سے گزرتا ہوا نیظم بازار سے ہوتا ہوا بنوں کوہاٹ روڈ پر بے شمار درخت گرا کر اسے آمد و رفت کے لئے بند کر دیا گیا۔ بارڈر پولیس لائین چھاونی قلعہ شاھی کے عقب میں سے ہوتا ہوا پولیس لائین کو بغیر کسی مزاحمت کے تھانہ صدر پولیس کے عین بالمقابل مسجد حافظ جی پہنچا۔ وہاں انہوں نے اپنے اسلامی لشکر سمیت عشاء کی نماز پڑھی پھر ریلوے دروازے کو توڑ کر شہر بنوں داخل ہوا متعدد دوکانوں کو لوٹا۔ چند ایک ہندوؤں کو یرغمال بنایا کسی شر پسند نے ایک دوکان کو آگ لگادی آگ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ آناً فاناً کافی دوکان جل کر راکھ ہو گئے بجلی کی قمقموں میں شہر بنوں سے بحفاظت نکلا چند ایک ہندو قتل بھی ہوئے اسی واقعہ نے مہر دل خٹک کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔ وہ خلیفہ مہر دل خٹک کہلانے لگا۔

حکام کا رد عمل

بڑا شدید نکلا علاقہ سورانی کے باسیوں پر بھاری جرمانہ عاید کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے لشکر کی ضیافت کی اور یہ کہ انہوں نے لشکر کا راستہ نہیں روکا تھا۔ ریلوے گیٹ کو ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ اور اسے مقفل کر دیا گیا۔ کیونکہ اسی دروازے سے خلیفہ مہر دل خٹک بنوں شہر داخل ہوئے تھے اس دروازے کو اس جرم کی پاداش میں قید کر لیا گیا۔ اس دروازے کو رہائی تب ملی جب پاکستان بنا یعنی ۱۹۴۷ء البتہ قاضی فضل قادر شہید کی سزا بدستور جاری ہے۔ وہ ۱۹۳۰ء کے سپینہ تنگی میں شہید ہوئے تھے جبکہ ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے کہ اس دوران وہ شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ اور ان کی لاش جیل خانہ کے احاطہ میں دفن ہوئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ

انہیں رہائی کب نصیب ہوتی ہے۔

خان ملنگ کا رد عمل

ایک بار پھر مجاہد بنوں خان ملنگ متحرک ہوئے انہوں نے جلسہ میں اظہار حق کے طور کہا کہ سورانیوں کو ناکردہ گناہ کی سزا ملی ہے۔ اصل قصوروار انگریز بہادر ہے۔ انہون نے مزید کہا مثال غلیظ ہے کہتے ہیں کسی جنگل میں سے ایک میاں بیوی گزر رہے تھے۔ کہ راستے میں کچھ ڈاکوں نے انہیں لوٹ کر ان دونوں کی عزت بھی لوٹ لی۔ بیوی نے پوچھا یہ کون لوگ تھے میاں نے جواب دیا میری پشت تھی۔ جبکہ ---------- کہوں انگریز بہادر کو سامنے سے لوٹا بھی اور بے عزت بھی کیا گیا۔ وہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کا زمہ دار ہے۔ اپنی ذمہ داری عوام پر ڈال رہے ہیں اور عوام کو ناکردہ گناہ کی سزا دی جارہی ہے۔ انگریز بہادر نے سورانیوں کو معاف کر دیا۔ مگر خان ملنگ کو اپنی بے باکی اور حق گوئی کی سزا ملی اور وہ تین ماہ کے لئے جیل گئے۔ واقعی حق گوئی نا قابل معافی جرم ہے۔

سچ کہنے پہ ملتا ہے یہاں زہر کا پیالہ
جینا ہے تو پھر جرات اظہار نہ کرنا۔

حاجی امیر ز علی خان کا رد عمل

حاجی امیر ز علی خان فقیر آف ایپی کی مزاحمتی کاروائیوں نے شمالی وزیرستان میں انگریزوں پر قافیہ حیات تنگ کر دیا۔ وہ شب و روز فوجی دستوں پر شب خون مارتے رہے۔ اور گوریلا جنگ کا آغاز کر کے سرکاری فوجوں کو زبردست مالی اور جانی نقصان پہنچاتے رہے۔ انہوں نے بہت سارے محازوں پر انگریزوں کا سامنا کیا۔ اور ان کا کامیاب مقابلہ کیا۔ چونکہ یہ سارے واقعات میرے موضوع سے باہر ہیں کیونکہ میرا موضوع سخن صرف اور صرف بنوں تک محدود ہے

لیکن پھر بھی قاری کے ذوق طبع کے لئے چند ایک اقتباسات حاضر خدمت ہیں۔

"ہمیں حکم ملا کہ تم نشان بازی کی مشق خوب کرنا کیونکہ تم دنیا کے بہترین نشانہ بازوں کے خلاف جنگ کرنے جارہے ہو۔ مجھے اپنے کمانڈر افسر نے کہلایا تھا۔ کہ پٹھان عورتیں مردوں کی طرح بہادر اور جفاکش ہوتی ہیں۔ اپنی عزت کی خاطر اپنی اولاد تک قربان کردیتی ہیں"۔

مزید کیپٹن فریڈلی کہتے ہیں۔

غروب سورج سے ذرا پہلے سکھ رجمنٹ کے ۲۲ فوجی جوان قلع سے باہر پانی کی تلاش میں نکلے تھے چند لمحے بعد ۱۶ جوان سہمے ہوئے واپس آگئے ان سے اسلحہ چھین لیا گیا تھا۔ ان کی آواز بالکل بیٹھ گئی تھی۔ بصد مشکل گویا ہوئے کہ ان پر پشت سے اچانک حملہ ہوا اور آن کی آن میں حملہ آور ہمارے صف میں گھس گئے۔ دیکھا سب خواتین ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں خطرناک ہتھیار پیش قبض یعنی خنجر تھا۔ ہمارے ۶ جوان ہلاک ہوئے اور ہم بمشکل جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ میں نمونے کے طور پر خیسور کی پہلی جنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء میں بنوں سے مر علی کیمپ تک اور رزمک سے ڈمڈیل کیمپ کے لئے ایک ایک بریگیڈ فوج بلائی گئی۔ تاکہ یہ دونوں دستے بیک وقت خیسور کے لئے روانہ ہوں میسور کیمپ میر علی سے ۱۴ میل اور ڈمڈیل سے ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا۔ فوجی دستوں کے عقب میں قوم کے مشران ساتھ دے رہے تھے۔ دونوں فوجوں کو ٹینک۔ توپ۔ مشین گن اور دیگر وافر اسلحہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ہوائی جہاز بھی محو پرواز تھے۔ خچر اونٹ میگزین۔ گھوڑے مستزاد تھے۔ ماہ رمضان تھا۔ فوجی الیگذینڈر نامی مقام ابھی عبور کر رہے تھے کہ ان پر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے اچانک مجاہدین نے حملہ کر دیا۔ اور پھر بقاعدہ جنگ شروع ہوئی ان فوجی دستوں پر پشت کی طرف سے مذکورہ مشران نے بھی حملہ کر دیا۔ ان کی تعداد قلیل تھی۔ مگر وہ بھی اس جہاد میں شریک ہو گئے۔ مجاہدین اس پامردی سے لڑے کہ دشمن کی توپیں بھاری اسلحہ اور ہوائی جہاز بھی مجاہدین کے سیلاب کو نہ روک سکے رزمک اور خیسور کے درمیان رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ اس طرح بنوں

اور رزمک بھی رابطہ کٹ چکا تھا اور فوج پیچ میں "سخنس گئی کر رہ گئی اب مجاہدین فوج کے اندگھس گئے دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ اسی کشمکش میں میجر ننڈال اور کیپٹن بانڈ ہلاک ہو گئے۔ اور مزید ۲۰۷ فوجی مارے گئے۔ مجاہدین میں بھی صلابت خان۔ گلہ بند خان اور عالم خان شہید ہوئے۔ اس طرح وُڈیل کے فوجی دستے پر مجاہدین نے راستے ہی میں حملہ کر دیا۔ جس میں ۷ غازی شہید ہوئے جن میں سید خون میر اور سیئل خان بہت مشہور تھے۔ دشمن کے ۹۔ ۱۳ افراد ہلاک وزخمی ہوئے ایک انگریز افسر میجر سکوپ اور چند دیگر فوجی افسر قتل ہوئے۔ انگریز فوج اب تتر بتر ہو کر بھاگنے پر مجبور ہوئی۔ اور شکست کھا گئی۔ غازیوں کے قبضہ میں بہت سارا اسلحہ میگزین۔ خچر۔ اونٹ گھوڑے سامان خوراک آیا۔ اور بہت سارے گرم کپڑے بھی ہاتھ آئے جنکی غازیوں کو ضرورت بھی تھی۔ سب ملا کر کل ۲۳۷ فوجی ہلاک ہوئے جبکہ مجاہدین کی طرف سے ۲۵ غازی شہید ہوئے جن میں ایک نامور غازی مامکائی توری خیل وزیر بھی شامل تھا۔

ایک ہی وقت میں متعدد فقیر

شاید فقیر آف ایپی صاحب کی حیثیت کو کم یا گھٹانے کی خاطر انگریز حکام کی ایما پر متعدد فقیر ظہور پزیر ہوئے۔

جنوبی وزیرستان میں دین فقیر

تحصیل لکی مروت میں امہ خیلے فقیر

کوہاٹ۔۔۔ کربوغ والا۔۔۔ کربوغ ملایا فقیر

درہ کرم اور درہ ٹوچی کے سنگم پر شیر اللہ فقیر

عربی النسل شامی فقیر۔۔۔ جو اپنی اہم مشن خاص کی تکمیل اور مطلوبہ معاوضہ ملنے کے بعد روپوش ہو کر شام واپس چلا گیا۔ اور شاید کسی اور مہم پر کسی اور جگہ بھجوا دیا گیا۔

حاجی ترنگزئی کے باب میں بھی یہی ہوا تھا۔ کہ ان کے مقابلے میں ایک جعلی فقیر کو لایا گیا۔ مگر

اس سے حاجی ترنگ زئی کی اہمیت کم نہ ہو سکی اسطرح فقیر آف ایپی بھی کسی طور زیر دام یار ام نہ ہو سکے جیسے کہ کنگھم کے ایک خط سے واضح ہے کہ انگریز گورنر فقیر ایپی صاحب سے کتنے پریشان حال رہے تھے۔

مولوی نصف جہاں

تحریک خدائی خدمتگار اور باچا خان پر فدا تھے باچا خان کو ولی کا درجہ دیتے تھے نام نصف جہان اور معنی کل جہان تھے مستقل مزاج نڈر اور صاف گو انسان تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ عنفوان جوانی میں قید ہوا تھا۔ باچا خان نے جیل ہی کے اندر مجھے نماز عید کا خطبہ دینے کو کہا۔ میرا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ سارا بدن لرز رہا تھا۔ انہوں نے میری کیفیت دیکھ کر مجھے اپنا لعاب دہن دیا اور پھر مجھ میں حوصلہ پیدا ہوا اور ہمت کر کے خوب خطبہ دیا۔ وہ باچا خان کے بڑے گرویدہ تھے وہ ان کے کشف کرامات کے بہت سارے قصے سناتے تھے جب باچا خان کا ذکر کرتے تو از راہ وارفتگی ان کے انکھوں میں آنسوؤں آجاتے۔ ایک بار مجھے خوب یاد ہے مسجد قصبان میں نماز ظہر کے بعد کسی نے باچا خان کا ذکر بد کیا۔ وہ بہت بڑا ملک تھا۔ نصف جہان نے ان کے منہ پر ایک زبردست مکا رسید کیا۔ جس سے ان کی ناک سے خون بہنے لگا۔ نصف جہان نے اسے کہا کہ تم کمبخت ناک کے سامنے جھولی پھیلاؤ تاکہ تمہارا خون مسجد کو ناپاک نہ کرے اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ لوگ بیچ میں آگئے اور معاملہ کو رفع دفع کیا گیا۔ خدائی خدمتگار کے وہ بڑے مخلص کارکن تھے۔ ماسٹر حسن علیشاہ ان کے دوست کا بیٹا ہونے کے ناطے سے دونوں میں باہمی محبت تھی۔ ماسٹر حسن علیشاہ ان کی عقیدت مندوں میں شامل تھا۔ ہر روز انھیں ظہر کی نماز کے وقت چائے ضرور پلاتا اور خوش ہو تا باتوں میں ایک دن ماسٹر صاحب نے نصف جہان صاحب سے کہا کہ تم نے ساری زندگی جیلوں میں گزاری ہے اب جب کانگرس کی حکومت بنی تو تم کو کیا ملا۔ نصف جہان صاحب نے اسے بہت برا منایا اور کہا کہ تم نے میری کم قیمت لگادی۔ کیا

میں کسی صلہ کے لئے سیاست کرتا رہا۔ میرا صلہ تو ملک کو آزاد کرنا تھا۔ میرا صلہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ البتہ انہوں نے ماسٹر صاحب کے ساتھ چائے نوش کرنا بند کر دیا۔ سخت جان ان کی قدو قامت قلیل تھی۔ مگر مقصد اور حوصلہ جلیل وہ بڑے خوددار انسان تھے ان کی زندگی جیل کی عسرت اور معاش کی غربت میں گزری مگر قناعت کے ساتھ۔ وہ اس شعر کی مجسم تشریح تھے۔

مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بےباک

خان ملنگ مرحوم

سرخیل سرفیوش خدائی خدمتگار تحریک کے سرگرم رضاکار تھے۔ ان کے والد کا نام امیر پیاؤ تھا افغان قبیلہ جنگی خیل (فاطمہ خیل) کے بطن جلیل تھے۔ ابتداءمیں تحریک خلافت میں رہے۔ جسکی پہلی وجہ وردی کالی ہوا کرتی تھی۔ جب تحریک خلافت ختم ہوی۔ تو وہ خدائی خدمتگار تحریک میں شامل ھوے۔ اور سرخ وردی پہننے لگے۔ خدائی خدمتگار تحریک کا نشان اور منشور عوام کی خدمت کرنا، عوام میں احساس زیاں اور احساس زمہ داری پیدا کرنا تھا۔ قریہ قریہ گھر گھر، گاؤں گاؤں جاکر عوام میں حصول آزادی کے لیے عملی جدوجہد پر ابھارنا۔ ان میں نیا جوش وجذبہ ہمہمہ اور ولولہ پیدا کرنا تھا اور خود اپنی مدد آپ کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔ اس غرض کے لیے خان ملنگ اپنے ہم خیال ساتھیوں کو لے کر چوک، حجرہ اور گلیوں کو خود صاف کرتے۔ بڑے بوڑھے، چھوٹے سب اپنے ہاھوں میں جھاڑو لیے ہوئے سماجی مرکزوں کو خود صاف کیا کرتے تھے۔ خود کھدر کے کپڑے پہنتے تھے۔ سادگی اختیار کرنے پر زور دیتے تھے۔ بدلیش مال سے نفرت کا اظہار کرتے رہے۔ گویا عوام وخواص تمہں باہمی بھائی چارے، محبت، اخوت سادگی، خدمت خلق کا جذبہ، اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا سکھاتے تھے۔ اور یہی اس انقلابی تحریک کی روح بھی تھی۔ اور راہ ورسم بھی۔

محنت و مشقت کے ملت دی اسے برقرار رکھنے کے لیے قیمت ادا کرنا ہوتی ہے۔ اور یہی حق شکر بھی ہے جو کوئی غیرت کی پاسداری اور حفاظت نہ کرے۔ وہ کفران نعمت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اظہار حق کی سزا

خلیفہ مہر دل خٹک نے پہاڑ سے دن کے اجالے میں اتر کر قمقموں کی روشنی میں بغیر کسی مزاحمت اور مدافعت سرکار کے بنوں شہر کو لوٹا۔ ہندوؤں کو اغوا کیا اور شہر کو جلا کر دوکانوں کو خاکستر کر دیا۔ خلیفہ موصوف جس راستے سے آیا جس دروازے سے شہر کے اندر داخل ہوا سب کو قابل تعزیر گردانا گیا۔ اہل سورانی کو ۲۵ ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ کیونکہ یہاں کے باسیوں نے خلیفہ صاحب کا راستہ نہیں روکا تھا۔ دروازے کو سربمہر کر کے اسے بھی ہتھکڑی پہنادی گئی کیونکہ وہ بھی قابل دست اندازی کا جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ دروازے سے ہتھکڑی اس وقت کھول دی گئی۔ جب پاکستان بنا۔ مگر قاضی فضل قادر کی قبر آج بھی جیل کے احاطہ میں موجود ہے جو منتظر رہائی ہے۔ خان ملنگ سے چپ نہ رہا گیا۔ انہوں نے علاقہ کے بے بس باسیوں کی احتیاج کو احتجاج میں بدل دیا۔ اور ایک جذباتی تقریر کی جس سے ہیجانی ماحول پیدا ہوا۔ انہوں نے بتایا۔ کہ حکومت وقت اپنے فرض منصبی کو بالائے طاق رکھ کر عوام کو ناکردہ گناہ کی سزا دے رہی ہے۔ انہون نے ایک غلیظ مثال سے حکومت وقت کو جنجھوڑ کر اسے موردالزام ٹھرایا۔ عوام کا جرمانہ معاف ہوا مگر اظہار حق کی سزا خان ملنگ کو بھگتنا پڑی اسے قید کر لیا گیا۔ اظہار حق بھی عجب گل کھلاتی ہے۔ اسی کو بے جرم پائمالی کہتے ہیں۔

خان ملنگ ایک نڈر اور مخلص سیاسی کارکن رہے ہیں ان کی ساری زندگی (جوانی بڑھاپا دونوں) کشمکش۔ قید و بند سے عبارت رہی۔ ۱۹۳۲ء کا سال ہے ہری پور جیل ہے۔ تحریک آزادی معراج کو چھو رہی ہے سول نافرمانی ہے انگریزی سرکار کے تیور بدل گئے ہیں وہ انتہائی ظلم پر اتر آچکا ہے۔ ظلم کی داستانیں رقم ہو رہی ہیں۔ جلسے جلوس ہو رہے ہیں۔ لوگ گرفتاریاں پیش کر رہے ہیں۔ گاندھی جی اور وائسرائے ہند کے مابین افہام و تفہیم ختم ہو چکی ہے جنوری کا مہینہ ہے

ہے۔ خان ملنگ سے چپ نہ رہا گیا۔ انہوں نے علاقہ کے بے بس باسیوں کی احتیاج کو احتجاج میں بدل دیا۔ اور ایک جذباتی تقریر کی جس سے ہیجانی ماحول پیدا ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت وقت اپنے فرض منصبی کو بالائے طاق رکھ کر عوام کو ناکردہ گناہ کی سزا دے رہی ہے۔ انہون نے ایک غایظ مثال سے حکومت وقت کو جنھجھوڑ کر اسے موردالزام ٹھرایا۔ عوام کا جرمانہ معاف ہوا مگر اظہار حق کی سزا خان ملنگ کو بھگتنا پڑی اسے قید کر لیا گیا۔ اظہار حق بھی عجب گل کھلاتی ہے۔ اسی کو بے جرم پائمالی کہتے ہیں۔

خان ملنگ ایک نڈر اور مخلص سیاسی کارکن رہے ہیں ان کی ساری زندگی (جوانی بڑھاپا دونوں) کشمکش۔ قید وبند سے عبارت رہی۔ ۱۹۳۲ء کا سال ہے ہری پور جیل ہے۔ تحریک آزادی معراج کو چھو رہی ہے سول نافرمانی ہے انگریزی سرکار کے تیور بدل گئے ہیں وہ انتہائی ظلم پر اتر آچکا ہے۔ ظلم کی داستانیں رقم ہو رہی ہیں۔ جلسے جلوس ہو رہے ہیں۔ لوگ گرفتاریاں پیش کر رہے ہیں۔ گاندھی جی اور وائسرائے ہند کے مابین افہام و تفہیم ختم ہو چکی ہے جنوری کا مہینہ ہے۔ پنڈت نہرو تصدیق احمد شیروانی اور دیگر اکابرین کو گرفتار ہو کر دور دراز جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ مہاتما گاندھی اور سردار پٹیل بھی گرفتار ہوئے نینی تال جیل میں جواہر لعل نہرو کو دو سال کے لئے قید کر لیا گیا۔ پورا ہندوستان عقوبت خانہ بن چکا ہے۔ سرحد کی حالت سب سے ابتر ہے۔ باچا خان اور ڈاکٹر خان صاحب دونوں کو ہندوستان کے دوسرے سرے پر واقع مزاروالی باغ جیل بھیجا گیا۔ جو ہندوستان کے دوسرے آخری سرے پر واقع ہے۔ قاضی عطاء اللہ اور خان سعد اللہ خان کو بنارس جیل بھیجا گیا۔ سرحد کے دیگر قیدیوں کو سرحد کے مختلف جیلوں میں بھیجدیا گیا۔ لیکن سب سے زیادہ قیدی ہری پور جیل میں تھے تعداد زیادہ ہونے کے باعث انتظام میں خلل پیدا ہوا۔ نظم وضبط کا مسلہ شروع ہوا۔ قیدی جیل کے قواعد کی خلاف ورزیاں کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بعض قیدیوں نے جیل کے ملازمین پر تشدد بھی کیا۔ ایک دن جیل خانہ جات کے جرنیل برائرے نے جیل کا معائنہ کیا اسی دوران اس پر بھی پتھر مارا گیا۔ جس سے وہ شدید زخمی ہوئے دوسرے دن گورا فوج کو بلایا گیا۔ جیل کے اندر مارشل لا لاگو ہوا۔ اگلے دن

نماز عید ادا کرنا تھا۔ جسکی بھی اجازت نہیں تھی۔ مسلح گورا سپاہی سنگین تانے ہوئے نظر خشمگین سے قیدیوں کی طرف گھورنے لگے تھے۔ جیل کے ملازمین کو آہنی ڈنڈے دے دئے گئے۔ حکم تھا جو قیدی باہر نظر آئے اسے مار کر ڈھیر کر دیا جائے حکم کی تعمیل جاری تھی۔ باہر کے قیدی اندر بارکوں میں واپس آدھمکے۔ خوف پھیل گیا۔ مار دھاڑ کا معرکہ گرم ہوا۔ جو باہر نظر آتا اسے آہنی ڈنڈوں سے تواضع کی جاتی جیل کے ملازمین اپنے مخالفین کے تعاقب میں تھے۔ خان ملنگ بڑے بے باک اور صاف گو انسان تھے انہوں نے راقم الحروف کو خود بتایا کہ اسی دوران چند قدم کے فاصلے پر ایک قیدی کو سر پر ڈنڈا رسید کیا گیا۔ اس کا سر پھوڑ دیا گیا۔ سر سے بے تحاشہ خون بہ نکلا اتنا خون کہ ہمارے بارک میں خون کی لہر اندر آئی دیکھا۔ کہ وہ ہمارے گاؤں بازار احمد خان کا باسی ہے۔ جس کا نام شاجان تھا۔ شاجان کو اس بیہوشی کے عالم میں چھوڑ دیا گیا۔ کسی کو حوصلہ نہ رہا۔ کہ اسے گھسیٹ کر بارک کے اندر لایا جائے دوسرے دن معلوم ہوا کہ وہ علاوقہ سورانی کا باسی تھا۔ جو شاجان کا ہم شکل تھا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ لوگ بغیر وضو کے قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ تاکہ کسی جیل ملازم کی اس پر نگاہ نہ لگے۔ عجب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ قیدیوں میں سے چن چن کر تقریباً ۲۰۰ یا اس سے کچھ زیادہ قیدیوں کو الگ کر دیا گیا۔ معلوم نہ تھا ان کا کیا حشر بننے والا تھا۔ حکم صادر ہوا تھا کہ کل نماز عید نہیں ہو گی۔ یہ بھی لمحہ فکریہ تھا۔ تمام قیدی حوصلہ ہار چکے تھے۔ مگر عبید اللہ خان نے جو ڈاکٹر خان کے برخوردار تھے ایک جذباتی تقریر کی خان ملنگ نے ان کا ساتھ دیا۔ فیصلہ ہوا کچھ بھی ہو نماز ضرور پڑھی جائیگی۔ خدا نے خان ملنگ کو زبردست گونج دار فلک شگاف آواز دی تھی۔ اسکی اواز اتنی زور دار ہوا کرتی تھی کہ ہزاروں کا مجمع بغیر کسی لاوڈ سپیکر کے اسکی آواز سن سکتا تھا انہوں نے گرجیلی اور گونجیلی آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس کا مثبت ردعمل سامنے آیا۔ اور قیدی ایک بار پھر امتحان وفا کے لئے تیار ہو گئے۔ خان ملنگ بتاتے ہیں۔ کہ ان کا ایک ساتھی راستے ہی میں اس سے بہک گیا۔ اور پیشاب کا بہانہ بنا کر لب سڑک منتظر نتیجہ رہا۔ جب نماز عید ادا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ہوں کا ایک اور صاحب بھی شریک شورش نہیں ہو سکے تھے۔ خطبہ کے انجام پر دہ صاحب

دوڑتے ہانپتے مسجد میں داخل ہوئے اور کہا ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔ انہوں نے ایک دلدوز نظم سنائی لوگوں کو رلایا انہوں نے کہا اس نظم کی تخلیق میرے لئے باعث تاخیر ہوئی۔ کیونکہ وقت گزرتا گیا۔ اور مجھے احساس تک نہ رہا۔ بہر حال ان کی یہ تاخیر باعث تحقیر نہ بن سکی مگر جب قیدی مسجد سے نکلے اور اپنی اپنی بارکوں میں جانے لے دیکھا کہ وہی صاحب بر لب سڑک محو استراحت ہیں۔

؎ عقل عیار ہے سو بھیس بدل دیتا ہے

ایک اور واقعہ امتحان کرب وبالا کا

دفعہ ۱۴۴ نافذ تھا۔ فصیل شہر کے سارے دروازے بند کئے گئے تھے لکی گیٹ کی طرف سے ایک کھڑکی آمدورفت کے لئے کھلی تھی۔ مگر ہر ایک کی جامہ تلاشی لی جاتی سرخ وردی ممنوع ہو چکی تھی۔ نعرہ تکبیر کے لئے خاص قانون کے ذریعے غازی ایکٹ ۱۴ سال قید بامشقت مقرر ہو چکی۔ سوکڑی کریم خان میں خفیہ میٹنگ بلائی گئی۔ میر محفل ملک اکبر علی خان تھے چند اکابرین جو جیل سے باہر رہ کر مفروروں کی طرح خود کو حکام کی نظروں سے چھپا کر رکھتے تھے۔ کوٹورام۔ حاجی اسلم خان۔ سلار یعقوب۔ حاجی عبدالرحمان داود شاہ وغیرہ کے سامنے مسلہ درپیش تھا۔ کہ کل کون ہوگا۔ جو شہر میں داخل ہو کر اس نئے ضابطہ کی خلاف ورزی کرے گا۔ کہتے ہیں کہ ماحول بڑا مایوس کن تھا۔ لوگ تھک چکے تھے جو باقی تھے وہ نڈھال ہو رہے تھے سب چپ چاپ خاموش اور سر بگریبان تھے۔۔۔۔۔ خان ملنگ سے نہ رہا گیا۔ خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا کہ میں انشاء اللہ کل ضرور اس ضابطہ کو توڑ دوں گا۔ سب کے چہروں پر رونق آگئی۔ کل شب کی تاریکی میں صبح کاذب سے کچھ پہلے سرخ وردی پہن کر خان ملنگ نے فقیروں جیسی گڈری پہن لی اور کوئے یار سے روانہ ہو کر سوئے دار چلے کھڑکی میں سے داخل ہوئے ہی اسے فقیر جانا گیا۔ اور چھوڑ دیا گیا۔۔۔۔۔ خان ملنگ نے مسجد جعفر خان میں صلوٰۃ حاجت پڑھ لی کیونکہ ابھی وقت نماز نہیں تھا۔ وہ اپنی منزل اور مقتل کی طرف بڑھے جب عوام کی کچھ گرما گرمی ہوئی تو اس جگہ پر جہاں آج پاکستانی پرچم لہرا رہا ہے۔ کھڑے ہو کر جلدی جلدی اپنی گدڑی اتار لی سرخ وردی

نمودار ہوئی اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ کیونکہ کسی میں یہ حوصلہ نہ تھا کہ اس نعرہ کی قیمت ادا کر سکتا۔ باوردی فوجی آئے خان ملنگ کو گاڑی میں بیٹھا کر نامعلوم مقام کی طرف لے گئے۔

ایک جذباتی فیصلہ

ایک خاتون مسلمان ہوئی اس کا نام اسلام بی بی تھا اسے بازار احمد خان کے ایک خان غلام حیدر خان اور خان تاج علی خان کے پاس امانت کے طور رکھا گیا۔ جب بامر مجبوری وہ اس امانت کو نہ نبھا سکے اسے انگریز ڈپٹی کمشنر کے حوالہ کر کے اسے ھندووں کے حوالہ کیا گیا۔ تو شدید رد عمل کے طور پر خان ملنگ نے اپنا منہ کالا کر کے سب بنوں والوں سے مذکورہ کے لئے معافی کا خواستگار ہوا۔ جس کی بہت بڑی قیمت انہیں اور ان کی اولاد کو ادا کرنا پڑی یا پڑ رہی ہے۔

جولائی ۱۹۵۳ء کا سال ہے خان ملنگ جیل میں ہے بقر عید سے ایک دن قبل اس کے رشتہ داروں نے گویا بڑے بر خوردار نے ان کی ضمانت کرالی خان ملنگ پر گراں گزری۔ وہ دل برداشتہ ہوئے کہا باچا خان کو کیا جواب دوں گا۔ عید کے دوسرے دن وہ روٹھ گئے۔ اور نصف صدی کی تاریخ آزادی اپنے سینے میں سمو کر رخصت ہوئے۔

؎ وہ جو روٹھے یوں منانا چاہیے
زندگی سے روٹھ جانا چاہئے

خان ملنگ جان پر سوز۔ سخن دلنواز اور نگہ بلند کی زندہ تصویر تھے۔ جوش کردار کے مالک تھے شیریں گفتار۔ غریبوں اور بے نواؤں کا غمگسار تھے۔ وہ گفتگو میں نرم تھے۔ مگر جستجو آزادی میں سرگرم۔ وہ عوام کے ترجمان غریبوں کا درماں اور سچے مسلمان تھے۔ وہ باچا خان کے صحیح معنوں میں پیروکار تھے۔ وقت دعا میں باچا خان کا ذکر کرتے وقت ان کی انکھوں میں آنسو کی لڑی لگ جاتی وہ ان کے لئے اکثر درازی عمر کی دعا فرماتے۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھی مگر جذبہ جوان تھا۔ انکی مالی حالت ناگفتہ بہ حالت تک خراب ہو چکی تھی۔ وہ جب اس جہاں سے اٹھے تو اپنے پسماندگان

کو نانِ جویں کا محتاج چھوڑا۔ فکر معاش اس پر مستزاد۔

؎ غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

خاندان ملک میر عالم میرز علی کی مزید روئداد

ملک میر عالم خان وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ۱۸۴۸ میں انگریزوں کے خلاف سکھوں کا ساتھ دے کر بنوں کے شاہی قلعہ پر قبضہ کیا تھا۔ مگر جب سکھوں کی دوسری جنگ میں انگریزوں کو فتح حاصل ہوی اور پنجاب پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد قلعہ لکی فتح کیا۔ تو ملک میر عالم خان کابل کے ولیعہد کے ہمراہ خوست فرار ہوئے۔ اور اسطرح بنوں پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ جناب ملک سبحانی خان ملک میر عالم خان کی اولاد میں سے نمائیندہ شخصیت ہیں جو ہمہ جہت خوبیوں کے مالک ہیں ان سے ایک ملاقات کے دوران ان کے خاندان کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں جو قاری کے ذوق طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔ جناب سبحانی صاحب فرماتے ہیں :۔

"ہمارے خاندان اور خود ہمیں جذبہ خدمت خلق اور جذبہ آزادی ورثہ میں ملا ہے۔ ہمارا جد امجد ملک میر عباس خان کا شہداء بالاکوٹ (سید احمد شاہ شہید، سید اسمعیل شہید) سے خاص تعلقات تھے۔ جن کا ثبوت مجھے ۱۹۴۲ میں بنگال میں ملا۔ جب میں خاکسار کے ایک جتھہ کے ساتھ قحط زدگان بنگال کی امداد فراہم کرنے کے سلسلے میں علامہ مشرقی کے حکم پر بنگال گیا ہوا تھا۔ ہمارا امیر مولانا محمد امیر صاحب فاضل دھوبند عرف بنی ملا سکنہ سرائے نورنگ ضلع بنوں تھے۔ ہم ضلع مرشد آباد گئے جہاں ہم نے غدار ملت میر جعفر کی قبر کو دیکھا۔ اور میدان پلاسی بھی دیکھا۔ جہاں سراج الدولہ کا خون گرا تھا۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ سارے بنگال میں

تری کی ابتر صورت حال تھی۔ مگر مرشد آباد میں ایک علاقہ جس کا نام پولندہ تھا۔ جہاں سو فیصد مسلمان اہل حدیث آباد ہیں اور اسلام کے احکامات کی بجا آوری میں سرشار رہتے ہیں وہاں قحط کے کوئی اثار نہیں پائے گئے یہ ایک معجزہ تھا۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب اور آباد تھا۔ یہاں احمد نگر بدنی مسجد میں درس قران کے بعد ایک بوڑھا شخص حاجی سراج الدین پٹھان سے ملاقات ہوی۔ دریافت کرنے پر میں نے انہیں بتایا کہ میں (سبحانی خان) بنوں سے تعلق رکھتا ہوں تو انھوں نے مجھ سے مزید پوچھا کہ بنوں میں ان کا ایک دوست ہوتا تھا ملک میر عباس خان منڈان میر زعلی خیل جن سے پہلی بار ملاقات بالا کوٹ میں ہوی۔ اور پھر دوستی ہوگئی۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ میرے دادا تھے وہ فورا اٹھے اور مجھ سے بغلگیر ہوے۔ اور دیر تک مجھے اپنے بازوں میں دبائے رکھا شام کو ایک پر تکلف دعوت دی اور ساتھ ہی کھڈی کا ایک خوبصورت جوڑا بھی عنایت کر دیا۔

اس علاقہ کا یہ معمول تھا کہ خواتین آٹا چاول یا روئی جو کچھ وہ پکانا چاہتیں ان کا آٹھواں حصہ جدا کر کے ایک برتن میں جمع کیا جاتا اور مہینے کے بعد وہ جمع شدہ ذخیرہ فروخت کر کے چندے کی صورت میں اجتماعی طور پر بالا کوٹ روانہ کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ شہدائے بالاکوٹ کی اولاد میں تقسیم کا جاتا تھا۔ کیونکہ پولندہ کے مجاہدین کی اولاد بھی وہیں بالا کوٹ میں اب رہائش پذیر ہو چکی تھی۔

ہم بنگال (کلکتہ سے) یکم جنوری ۱۹۴۳ علامہ مشرقی کے حکم پر پیدل لاہور روانہ ہوے۔ اور دو ہزار میل کی مسافت ساڑھے تین مہینوں میں طے کر دی۔

میرے پردادا ملک میر عالم خان نے ۱۸۴۸ میں قلعہ بنوں پر حملہ کیا۔ وہاں انگریزی فوج اور فتح خان ٹوانہ قلعہ دار تھا۔ لڑای میں انگریزوں کو شکست ہوی فتح خان مارا گیا۔ میر عالم خان نے اپنے بھای میر افضل خان کو کابل بھیجا۔ تا کہ کابل کی طرف سے معاونت حاصل ہو۔ ولیعہد کابل محمد اعظم خان ان کے ہمراہ آئے اور قلعہ بنوں پر قبضہ مکمل ہوا انہوں سے ۴۰ ہزار روپیہ لگان وصول ہوا مگر بد قسمتی سے پنجاب میں انگریزوں کے ہاتھوں سکھوں کو زبردست شکست ہویی

انگریز عیسی خیل خوانین اور بعض دیگر خوانین مروت کی معاونت سے لکی کا قلعہ دوبارہ قبضہ کیا جس سے محمد اعظم خان اور ملک میر عالم خان بد دل ہو کر افغانستان فرار ہوئے۔ اور قلعہ بنوں کو خالی چھوڑ دیا۔ جس پر انگریزوں نے بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔ اس وقت انگریزی فوج کی کمان میجر ٹیلر کے ہاتھوں میں تھی۔ انہوں نے ڈیرہ سے بھی مدد حاصل کی تھی۔ اس کشمکش میں بنوں میں انگریزوں کا ہم نوا ملک لال باز خان قید ہوا تھا۔ اور گجرات میں قیدی بنا تھا۔ جبکہ ان کا دوسرا بھائی انگریزوں کا حمایت کار ملتان میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سکھوں سے نبرد آزما تھا۔ جب سکھوں کو شکست ہوی تو لال باز خان کو رہا کر دیا گیا۔ اور دونوں بھائیوں کو کافی مراعات دیدی گئیں۔ ملک جعفر خان آف غور ہوالہ نے بھی انگریزوں کی افرادی مدد کی تھی۔

لعل باز خان اور جعفر خان کو ملک میر عالم خان کی جاگیر دیدی گئی۔ میر عالم خان والئے کابل امیر دوست محمد خان کی سفارش پر خوست سے واپس بنوں آئے۔ کسی قدر جاگیر واپس ملی مگر ملکی پر شکر اللہ کا قبضہ تھا۔ اسے بحال رکھا گیا۔ جس پر ایک بار پھر ملک میر عالم خان خوست چلا گیا۔ اور وہیں وفات پائی ان کا مزار شریف خوست میں میر عالم آباد میں ہے۔

۱۹۲۰ میں میرے والد ماجد ملک جیلانی خان رئیس اعظم تپہ منڈان۔ تپہ بجل وسوکڑی وتپہ فاطمہ خیل نے میرے چچا شیخ غلام سرور خان مازون صاحب کے ہمراہ کابل ہجرت کی شیخ موزون صاحب صوبہ سرحد کے ایک مشہور مذہبی، روحانی اور سیاسی شحصیت تھے۔

شیخ مازوں سے امان اللہ خان شاہ افغانستان نے ایک ملاقات میں بتایا کہ آپ لوگوں کو چاہئے کہ موزون وقت کا انتظار کر کے اپنے ہی ملک میں اپنے دشمن کا مقابلہ کریں۔ تو زیادہ بہتر ہے۔

بقول ملک سبحانی صاحب صوبہ سرحد بھر میں بنوں سے مقابلتاً بہت ذیادہ تعداد میں لوگ ہجرت کر چکے تھے۔

ملک غلام سبحانی صاحب اپنے بچپن کا ایک واقع بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ہندو تھانیدار شیر شمبو ہمارے گاوں آیا اسوقت میری عمر بہت کم تھی شاید ۸ سال کی ہو گی۔ شیر شمبو کے ساتھ اسماعیل خیل کا ملک عبداللہ جان خان بھی تھے۔ جو سابق غلام اسحاق خان کا چچازاد

بھائی تھا۔ ان کی موجودگی میں میں نے شیر شمبو تھانیدار جو بڑا جابر افسر سمجھا جاتا تھا۔ کو کہا کہ تم انگریز کی نوکری کیوں کرتے ہو۔ اور یہ کہ انگریز کے خلاف ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ توقف کے بعد بولا پیٹ مجھے مجبور کر رہا ہے۔ میں نے جواب دیا خدا کا دیا ہوا ہمارے پاس بہت ہے۔ آپ نوکری چھوڑ دیں ہم آپ کو بہت کچھ دیں گے، میری اس حرکت پر وہ خوش بھی ہوئے اور لاجواب بھی مزید ان کا غصہ بھی جاتا رہا۔

ملک سبحانی کہتے ہیں کہ ان دنوں لوگ جلسے میں شرکت کرنے کیلئے کوسوں میل کا فاصلہ طے کرتے تھے۔ کہیں جلسہ تھا۔ میں چھوٹا تھا۔ پیدل جانا پڑا فاصلہ ۷، ۸ میل کا ہوگا۔ میرے پاوں سوجھ گئے اور ایک ناخن انگلی سے الگ ہوا سخت تکلیف میں لیگڑاتا ہوا جلسے کے اختتام پر واپس آیا تمام رات بے خوابی میں گزاری۔ میں پھر بھی خوش تھا۔ کہ میں نے قاضی فضل قادر شہید کی تقریر سن لی تھی۔ ملک سبحانی صاحب کو اس بات پر افسوس ہے۔ کہ پاکستان بننے کے بعد جن لوگوں نے صعوبتیں اٹھائیں تھیں آج بھی وہ محروم ہیں۔ مگر جنہون نے کاروان آزادی کو روکنے کہ کوشش کی تھی آج حکمران طبقہ بن چکا ہے۔ گویا منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

سبحانی خان مزید کہتے ہیں ہمارے خاندان کے افراد نے مختلف ادوار میں آزادی کی مختلف تحریکوں میں سرگرم حصہ لیا ھے۔ جسے ضبط تحریر میں لانا ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ اس مختصر نشست میں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ھے۔ ایک حقیقت بیان کروں کہ ہمارے خاندان کو جو رئیسی ملی ھے وہ انگریزوں کی عطا کردہ نہیں ھے۔ ہم نے تو انگریز کی شروع سے آخر تک مخالفت کی ہے۔ ہمارے آباواجداد کو درانیوں یعنی افغانستان کے حکمرانوں نے یہ اعزاز دیا ھے۔

میرے والد صاحب وار کونسل کے ممبر تھے۔ جب انگریزوں نے ۱۹۴۰ میں ایران پر حملہ کیا۔ تو والد ماجد نے ممبری سے استعفی دے دیا۔ جس پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ نار میں جو زمین (ایک مربع) تھی سے بحق سرکار ضبط کیا گیا۔ بقول سبحانی خان یہ زمین جوڑھای سو کنال تھی کلک تاج علی خان شہ بزرگ خیل کو دیدی گی۔ ہمارے خاندان کے ۱۹۳۰ میں تحریک آزادی کے سلسلے

۲۰ افراد جیل گئے۔ شیخ مازوں صاحب نے حاجی ترنگ زی اور فقیرا۔۔ پی کے ساتھ جہاد میں بھر پور حصہ لیا مولانا آزاد سبحانی صاحب نے لاکھوں روپے ہندی مسلمانوں سے چندہ کے طور پر جمع کر کے شیخ مازوں کو دیا تاکہ وہ فقیرا۔۔ پی صاحب کو پہچادیں شیخ صاحب فقیرا ایپی کا معتقد خاص تھا۔ شیخ صاحب نے جولائی ۱۹۷۱ میں جمعہ کے دن رحلت فرمائی ان سے چند کرامات بھی سرزد ہوئیں ہیں وہ صاحب حال شخص تھے۔

ہمارے بزرگوں نے جب محسوس کیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائیندہ جماعت ہے تو ۱۹۳۶ میں خدائی خدمتگار سے توبہ گار ہو کر تحریک سے علحدہ ہوئے۔ اور ضلع بنوں میں مسلم لیگ کو متعارف کرایا۔ اور خود مسلم لیگ میں شامل ہوے۔

میں خود خاکسار تحریک سے منسلک رہا اور ۱۹۳۸ء میں لکھنو یوپی محاذ میں ڈاکٹر ستار خان اور حبیب اللہ خان مینا خیل مروت سابق چیرمین سینٹر فلک شیر خان اور محمد غلام خان والد ملک ریاض خان ڈیویژنل صدر پی پی کے ہمراہ گرفتار ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں علامہ مشرقی نے خاکسار تحریک کو ختم کیا۔ تو میں بھی ملکی حالات کے پیش نظر نظریہ پاکستان کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ڈپٹی کمشنر بنوں ایس پی بنوں اور چند دیگر مسلم لیگیوں نے ہندووں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا جبکہ جس کے خلاف میں اور وکیل عبدارزاق نے بالا اشخاص کے خلاف لکھا اور اشتہار چھپوائے جس کی پاداش میں ہم دونوں کو چالیس سرحدی کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ عوامی دباؤ کے پیش نظر بعد میں ہم دونوں کو رہا کر دیا گیا۔ ہماری کوششوں سے پاکستان بھر میں پہلی بار اینٹی کرپشن انسداد رشوت کا محکمہ وجود میں آیا صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگار تحریک کے خلاف عبدالقیوم وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد نے غیر جمہوری اور غیر اخلاقی سلوک روا رکھا۔ تو پیر مانکی شریف کی قیادت میں جناح عوامی مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ بانی ممبران میں یہ خاکسار بھی شامل تھا۔ ۱۹۵۶ء میں حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان نے ون یونٹ کے مسلہ پر اختلاف پیدا ہوا۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء کے آخر میں عوامی نشنل پارٹی وجود میں آئی صوبہ سرحد سے پیر مانکی شریف ہمارا قائد پنجاب کے میاں افتخار الدین اور سندھ کے جی ایم سید

بلوچستان کے عبد الصمد اچکزئی نے اس پارٹی میں شامل ہوئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں نشنل عوامی پارٹی پاکستان میں سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں ہمارے خاندان کے افراد جیل گئے تھے۔ شیخ غلام سرور خان موزون۔ شیخ غلام احمد۔ ملک غلام جیلانی خان۔ ملک غلام حیدر خان۔ ملک محمد غلام۔ غلام ربانی خان۔ محمد ایاز خان۔ نصر اللہ خان۔ حاجی عبد الرحمن۔ غلام غفار خان۔ گل حسن شاہ۔ ڈاکٹر نسیم اللہ خان۔ غلام علی خان وغیرہ۔ تحریک پاکستان کے غلام ربانی خان۔ نصر اللہ خان۔ عزیز الرحمن خان۔ عنایت اللہ خان و مولی سلیم شاہ صاحب فضل غنی خان۔ امان اللہ خان وغیرہ جیل گئے۔ اور قید کیے گئے۔

ڈاکٹر نصر اللہ خان ٹی بی ایسوسی ایشن کے تاحیات ممبر رہے۔ اور تاحیات صدر رہے۔ عنایت اللہ خان مخلص سماجی کارکن ہیں۔ مختلف سماجی تنظیموں میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ بنوں کسان جرگہ کے بھی ممبر ہیں۔ ٹی بی ایسوسی ایشن کے فعال ممبر ہیں۔ آج کل ایسوسی ایشن کے سینئر نائب صدر ہیں۔ مخلص سماجی کارکن ہیں۔

رازونیاز

مکرم جناب ایم شمشیر علی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔

عنوان۔ غزل اور غزل گو۔ کے تحت آپ کا بہت ہی شستہ و رفتہ مضمون روزنامہ جنگ کی اشاعت مورخہ ۱۳ جون بغور اور بشوق مطالعہ کیا۔ آپ نے غزل اور غزل گو شاعروں کو چند سطور کے ذریعے اپنے حلقہ خیال میں لے لیا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ بہت ہی مختصر ہے مگر آپ نے اختصار میں جامعیت دکھا دی ہے۔ آپ نے یہ بالکل میرے قلب کی بات بزبان قلم کاغذ پر رکھ دی ہے۔ کہ غزل کا آرٹ غیر تخلیقی نہیں۔ اور نہ سکونی ہے۔ اس میں زندگی ہے جان ہے۔ حرکت اور نمو اس کی فطرت ہے اس لیے اس کی معنی آفرینیوں کی کوئی حد نہیں پھر آپ نے زندگی علم و حکمت اور غزل کی ترقی یافتگی کے بارے میں نئے تقاضوں کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا ہے۔ اور یہ بھی سچ فرمایا ہے کہ غزل گو شاعر اس وقت تک اپنے فن سے مطمئن نہیں ہو تا جب تک وہ اس کی رنگ امیزی میں خون جگر کی آمیزش نہ کرے وہ اپنے فن کو ادھورا اور نامکمل خیال کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے ساز میں صاحب ساز کا لہو شامل ہونا چاہیئے۔ میں نے آپ کے اس قابل قدر مقالے کے چند الفاظ اس لئے لکھ دیے ہیں کہ آپ کم از کم یہ جان لیں کہ کہنہ سال شاعر (جو غزل گو بھی ہو اور دوسری پرانی اصناف کے ساتھ نئی اصناف کا مخترع بھی جانا گردانا گیا ہے) آپ کا کس قدر ہم خیال ہے ملک اشعراء گرامی صاحب نے کہا تھا کہ

شعرم را بہ مدرسہ کہ برد

مگر حفیظ کہتا ہے کہ اے اہل مدرسہ بیاورید کہ بدیں جا بود سخن دانے چنانچہ الحمدو للہ چند اور بھی ہیں آپ بھی مل گئے۔ ضعیف انگلیوں سے یہ سطور گھسیٹ رہا ہوں اور کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس غزل اور جن جدید غزل گو شعراء عالی قدر کا تذکرہ آپ نے فرمایا ہے ان میں کتنے ہیں جو تحسین باہمی کی انجمن کے سہارے نمودار ہیں اور کتنے خون جگر کو بروئے کار لاتے ہیں۔

میرے پیارے استاد پروفیسر صاحب محض ادعا سے مدعا سامنے نہیں آجاتا یہ آپ بھی جانتے ہیں
میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایسا نبض شناس اور منصف ہاو ہو۔ اور شور شر سے بے نیاز ہو کر
زندہ شاعروں میں سے ان کو سامنے لائیں جو معیاری ہیں۔ باقی رہے نظم گو شعرائے کرام میری
رائے یہ ہے کہ نظم گیت نغمہ نوحہ ترانے کچھ بھی ہو جب تک غزل پر شاعر حاوی نہیں نظم میں
شاعر تاثر پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ خدا کرے کہ آپ کو اس بارے میں مجھ سے اختلاف نہ ہو۔ غزل
یہ شاعری کی جان ہے۔ میں نے یہ سطور ایک جذبہ بے ساختہ سے دھر گھسیٹی ہیں۔ علیل ہوں
مگر آپ کا مقالہ پڑھنے کے بعد چپ نہ رہا گیا۔ یہ واہ کا مقام تھا۔

دعا گو حفیظ

۱۹۶۸/۶/۱۳

جناب حفیظ صاحب کی خدمت میں دست بدستہ سلام عرض ہے۔
آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ آپ نے میرے ناچیز و خام خیالات کو جس استحسان نظر سے دیکھا ہے اور
پھر جس جن توصیفی اور ستائشی کلمات سے اپ نے میری حوصلہ افزائی کی ہے یہ محض آپ کی
ادب پروری اور ادب نوازی کا نتیجہ ہے

؎ کشش نہ جام نگاریں کی پوچھ اے ساقی
جھلک رہا ہے میر آب و رنگ تشنہ لبی

آپ کا ایک ایک حرف میرے لئے سرمایہ ناز ہے اور میں تا زیست ان پر فخر کروں گا۔ آپ کی
زات گرامی دنیائے ادب میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس سے ہمہ جہت ہدایات

اور رہنمائی کی حوصلہ افزا شعاعیں برابر پھیلتی رہتی ہیں۔آپ مختلف اصناف سخن کے بحاطور پر مختر ع ہیں اور سرچشمہ علوم ہیں۔ کتنے تشنگان ادب ہیں جنھوں نے یہاں سے فیض خاص حاصل نہ کیا ہو۔آپ کی ذات گرامی بذات خود ایک انجمن ہے بلکہ ایک ادارہ ہے جہاں قدیم وجدید صالح رجحانات کے مختلف تلخ وشیریں (تلخابہ شیریں) دھارے آکر حسین امتزاج کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔آپ کا کلام بلا مبالغہ آپ کی شخصیت کی جلوہ گری ہے۔جس میں مختلف اصناف سخن مختلف رنگ و آہنگ کے ساتھ قوس و قزاح کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ اردو ادب کو آپ جیسی شخصیت کی از حد ضرورت ہے۔ کیونکہ گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے۔ خداوند پاک آپ کو تادیر زندہ رکھے آمین ثم آمین۔

جناب حفیظ صاحب۔ میں خوش قسمتی سے یابد قسمتی سے نہ تو نقاد ہوں اور نہ محقق نہ ادیب ہوں اور نہ شاعر بہر حال ان تمام کا قدردان ضرور ہوں دنیا میں ہر انسان اپنے زعم میں مخصوص اقدار اور نظریات خواہ وہ ادبی ہوں یا سیاسی، معاشی ہوں یا سماجی سینے سے لگائے بیٹھا ہے اور ان ہی کے پیش نظر کسی چیز کی مدح یا قبح بیان کرتا ہے میں بحیثیت ایک انسان کے کچھ اس فقسم کے نظریات رکھتا ہوں مگر آج تک ان کے اظہار کی جرات کھلے طور پر نہ کر سکا۔

مجھ میں ایک کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ مردوں کی قدر کرتا ہوں اور زندوں سے ڈرتا ہوں۔ مگر آپ کا گرامی نامہ پڑھکر کچھ ہمت ہوئی ہے۔ اور اب کی دفعہ کچھ کھل کر اظہار مدعا پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں امید ہے کہ میرے ضمیر کی یہ آواز آپ پر گراں نہ گذرے گی۔ اور نہ سمع خراشی کا باعث بنے گی۔ بلکہ آپ مزید حوصلہ افزائی کر کے ان خیالات و نظریات کے اخراج کا موقع دیں گے۔ جو میرے گوشہ ذہن کے سیمائی پردوں پر مدت مدید سے محفوظ پڑے تھے۔ اور اب ان نقوش کے مدہم اور ضائع ہونے کا خدشہ لاحق ہونے والا تھا۔

حفیظ صاحب میرے اس مقالے بعنوان غزل اور غزل گو کے محرک کچھ نفرت انگیز رجحانات جو غزل کے خلاف رواج پا رہے ہیں اور کچھ بعض معتزلین شعراء اور نقادان ادب کی وہ آراء ہیں۔ جو صنف غزل کے حق میں منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔ جنہون نے غزل کی تعریف (حرف زدن

بہ زنان) کی اور خود ایک بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جو بجائے اسکے کہ اس صنف سخن کو وہ قابل قبول بناتے انہوں نے الٹا اسے نقصان پہنچا کر قابل نفرین صنف سخن بنادیا ہے۔ اور بعض خود متغزلین شعراء جنہوں نے اپنی ذہنی الجھنوں اور جنسی بے راہ رویوں کی وجہ سے اس صنف سخن کو بدنام کر کے عفونت میں سنڈاس سے بھی بدتر بنادیا ہے۔

جناب حفیظ صاحب میں نے آپ کو بلواسطہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس صنف سخن (غزل) کا ظرف اتنا تنگ اور محدود نہیں جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے نیز یہ بھی احساس دلانے کی کوشش کی کہ ہماری آج کی غزل کن خوبیوں اور کس کس قسم کے ارفع وپاکیزہ خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ یعنی غزل مشاہدہ حق کی گفتگو۔ رمز اور ایما کے پردے میں کلام کرنے کا نام ہے اور کچھ نہیں۔ میرا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ موجودہ تمام متغزلین شعراء ان پیمانوں اور معیار پر صحیح اتر رہے ہیں۔ جن کا میں نے اپنے مقالہ میں زکر کیا ہے۔ بلکہ میرا مدعا یہ تھا۔ کہ غزل انہی خوبیوں اور اقدار کی حامل ہونی چاہیے۔ گویا اظہار ادعا کو مدعا بنا کے چھوڑ دیا۔ اب مذاق سلیم ہی فیصلہ کرے گا کہ وہ شعراء کتنے اور کون ہیں جن کا کلام انہی خوبیوں کا حامل ہے؟

حفیظ صاحب! آپ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ کتنے شعراء ہیں جو تحسین باہمی کے سہارے زندہ ہیں واقعی ازل سے فن کار اپنے فن کی صرف ایک اور ایک ہی قیمت وصول کرنا چاہتا ہے اور یہ قیمت اس کی دایمی شہرت ہے فنکار لاکھ بار دعویٰ کرے کہ اسے کسی ستائش کی تمنا نہیں ہے اور نہ صلہ کی پرواہ لیکن یہ فطرت انسانی کا خاصا ہے کہ ہر فنکار اپنے سامع اور قاری سے داد اور تحسین کا متمنی رہتا ہے یہ تمنا یا تو اسکی زندگی ہی میں پوری ہوتی ہے (ایسے خوش نصیب کم ہیں) اور یا پھر موت کے بعد (اکثر فنکاروں کا یہی المیہ ہوتا ہے) تیسری قسم سستی اور وقتی شہرت کی ہوتی ہے جو یا تو فیشن پرستی کا ثمرہ ہے اور یا پروپیگنڈا کا نتیجہ ہے۔ یہ تیسری قسم کی شہرت عام بقائے دوام کی ضامن نہیں بن سکتی یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہر فنکار کی شہرت چند بنیادی اقدار۔ ٹھوس اصولوں۔ لازوال صداقتوں اور چند معیاروں پر استوار ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی شہرت دائمی بھی ہوگی اور لازوال بھی۔ میرا ایمان ہے کہ یہ دائمی اور لازوال شہرت فنکار کا اپنا

حق ہے اور دنیا کی مختلف قوتیں اور سرگرمیاں اسے کسی طور پر بھی اپنے حق سے ہمیشہ کے لئے محروم نہیں رکھ سکتیں۔ شہرت عام اور بقائے دوام اسے ملے گی اور ضرور ملے گی۔ جلد یا بہ دیر۔

وقت خود ایک پارکھ اور کسوٹی ہے جو ہر برے بھلے میں امتیاز کرتی رہتی ہے آج ذوقی کم ہیں اور غالبی غالب۔ سودائی کے مقابلہ میں میری زیادہ نظر آتے ہیں۔ یہ محض وقت کا تقاضا ہے جو اٹل بھی ہے اور مستحکم بھی اقدار کے سانچے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اقدار کی تبدیلیاں نظریات میں تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں ۔ چاہے کہ فنکار جن اقدار پر ایمان رکھتا ہو وہ آفاق گیر ہوں ان میں وسعت لچک اور کشش ہو اور دائمی اور لازوال اہمیت کے ھامل ہون۔ عدالت، شجاعت اور صداقت کچھ اس قسم کے اقدار ہیں ممکن ہے زمانہ بدل جائے۔ زمانہ کچھ سے کچھ ہو جائے ستاروں کی گزرگاہوں کی نشان دہی بھی ہو جائے زمانہ کے چہرہ افکار سے پردے بھی اٹھ جائیں سورج کی شعاعیں انسان کی گرفت میں آجائیں انسان چاند پر پہنچ جائے وہ عرش نشین ہو جائے مگر ان اقدار کی اہمیت امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتی جائے گی ہر دور میں ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ ان کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی انکار نہ کر سکے گا۔

اقبال مجھے اس لئے عزیز ہیں کہ وہ اظہار صداقت کے لئے دل میں تڑپ رکھتے ہیں۔ اور اس طرح سے ان کے پیکر تصور میں جان آگئی ہے۔ چاہیے کہ ہمارا ہر شاعر اس قسم کے اقدار کو کلام میں ترویج دے یہ ان کے فن کے حق میں اچھا ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کا فن بامقصد اور عفت تخیل کا حامل ہو جائے گا۔ وہ شاعر عظیم شاعر بن جائے گا کیونکہ عصمت میں عظمت ہے۔ دوم اس کا کلام سامع کے لئے بھی مفید ثابت ہو گا۔ وہ حرم کے درد کا درمان بن جائے گا۔ اور بہ مططع پر ساں کا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔ اور اس طرح سے حق و صداقت کے اظہار سے وہ قوم کے اند عظیم انقلاب لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابات حق و صداقت کے اظہار سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک اس لئے آج کا عظیم شاعر کلمہ حق کے اظہار ہی میں پہچانا جانا چاہیے۔ حفیظ صاحب! میں جب بھی کسی کے کلام کا مطالعہ کرتا ہوں

تو زبان وبیان کی خوبیوں کے علاوہ میں اس تلاش میں ہو تا ہوں کہ مجھے وہ اقدار مل جائے جو اس فن کی تخلیق کے باعث بنے ہوں اور جب یہ اقدار ہاتھ آجاتے ہیں تو ان کی نشان دہی سے صاحب فن کا مطالعہ کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ تصویر اور مصور میں ہم آہنگی ہے یا نہیں بعض اوقات مایوسی ہوتی ہے ۔ فنکار ہاتھ نہیں آتا کیونکہ اس کا فن ٹھوس اقدار چند مقاصد اور نظریات کی غمازی کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک سرے سے یہ تخلیق ہی نہیں بلکہ لہو ولعب ہے۔ دل کے بہلانے کا ایک زریعہ ہے۔ بعض مل جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کے فن میں صداقت ہوتی ہے چند مقاصد اور اقدار اس تخلیق کے موجب ہوتے ہیں ان کو دل و جان سے عزیز رکھتا ہوں تصور میں ان کے ساتھ شریک محفل ہو جاتا ہوں کچھ ان کی سنتا ہوں کچھ اپنی سناتا ہوں ان کی راحتیں میری راحتیں بن جاتی ہیں اور ان کی مسرتیں میری مسرتیں ہو جاتی ہیں۔ یہ صاحب دل لوگ ہوتے ہیں ان کے خیالات با مقصد ہوتے ہیں۔ باہمت ، باعصمت ہوتے ہیں حسن بیان دلکش ہوتا ہے یہ لوگ بجا طور پر دیدہ بینا اور چہرہ زیبائے قوم ہوتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں عظیم ہوتے ہیں۔ اور لازوال شہرت کے مالک اس تلاش اور زہنی سفر میں بعض اوقات میری ملاقات اس قسم کے فنکاروں سے ہوتی ہے جن کے سامنے مقصد تو ضرور ہوتا ہے مگر گمراہی کا شکار ہوتے ہیں وہ مقصد اور ذریعہ میں فرق نہیں کرسکتے وہ روٹی کو خدا سمجھتے ہیں وہ ہر صداقت کو روٹی پر قربان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے اقبال کو بے جا طور پر اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا دیتے ہیں وہ اقبال سے پوچھتے ہیں

جہاں غریب کو نان جویں نہیں ملتی — وہاں حکیم کے درس خودی کو کیا کہئے

ہم کھاتے اس لئے ہیں کہ زندہ رہیں زندگی کھانے کے لئے نہیں بلکہ کھانا زندگی کے لئے ہے گویا زندہ رہنا مقصد ہے اور روٹی اس مقصد کے حصول کا ایک زریعہ ہے۔ کوئی فرد بیمار ہو جائے تو بیماری کہ پھر حالت میں روٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اسکے سامنے اولے مقصد صحت کی بازیابی ہے۔ ہو جاتا روٹی زیلی چیز ہے۔ صحت مقدم ہے معلوم ہوا صحت یابی مقصد ہے

جبکہ روٹی مقصد نہیں لہزا مقدم کے برے کو زریعہ پر قربان کرنا دانشمندی کا فعل نہیں ہے بہر حال مل تو جاتے ہیں لیکن ہاں ـــــــــ نزدیک خیالات میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے بہت جلد ایک دوسرے سے ہم جدا ہو جاتے ہیں جناب حفیظ صاحب ! میرے نزدیک شاعری پیغمبری کا دوسرا نام ہے یہاں مشاہدہ حق کی گفتگو مراد ہے مگر پردے میں رمز اور ایما میں شاعر آج ان پیغمبروں فلسفیوں کا جائز وارث اور جانشین ہے جنہوں نے حکم حق کے اظہار کے لئے عسرتیں تکالیف اور مصائب جھیلیں آج ان آزمائیشوں، کوششوں اور کاوشوں کا نام خون جگر پڑ گیا ہے۔ فنکار سے اس کی تخلیق تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنا قلم کے علاوہ صاحب نظر بھی ہو اگر وہ محض شاعر ہے تو میرے نزدیک وہ عظیم نہیں کیونکہ میں برائے ادب کا قائل ہی نہیں مجھے تو انسان شاعر کی تلاش ہے (انسان یعنی انسان کامل) جن کے سامنے واضح مقصد ہو اور جس کے پاکیزہ خیالات عفت تخیل کے حامل ہوں اور جس کے دامن شاعری پر مومن کی نماز پڑھی جاسکتی ہو اور اس کے باطن ظاہر سے زیادہ صاف ہو بلکہ صاحب فن کے دامن کو اگر نچوڑا جائے تو اس پر فرشتے وضو کرنا اپنا فخر سمجھے۔ ایسا شاعر جو حرم کے درد کا درمان ہو اور جو مصطفےٰ تک رسائی میں معاون ہو وہ مگہ فید سخن دلنواز اور جان پر سوز کا مالک ہو ایسا شاعر خود بھی حسین ہو گا اور اسکی تخلیق بھی حسین ہو گی کیونکہ شاعری اگر ہمارے عقائد (اسلامی) نظریات، اقدار اور مقاصد کی نقیب ہو تو وہ زندگی کو سمجھنے، پیش کرنے اور آگے بڑھنے میں مد اور مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک شاعری انسانی روح کی داستان ہونی چاہیئے جو بے چین بھی ہو اور برگزیدہ بھی ہو۔ جو اعلےٰ بھی ہو اور ارفع بھی ہو جو زندگی کے لئے بھی مفید ہو اور روحانی بالیدگی کا بھی باعث ہو جو زندگی آمیز بھی ہو اور زندگی آموز بھی۔ جناب حفیظ صاحب ! مزید شاعری جو گھن، گوج ہاہو، مار دھاڑ، پکڑ دھگڑ، شور، شان و شوکت الفاظ محض کھوکھلے نعرے بازی، غوغاں ظاہری نمائش سطحی جذباتیت، جنسی بے راہروی، ذہنی الجھنوں، لفظی ملمع کاری کی حامل ہو اور جو صرف جنسی بھوک کی تسکین ہی جانتی ہو۔ تخریب پر ایمان رکھتی ہو۔ ایسی شاعری قوم کے اندر کسی قسم کا انقلاب لانے سے قاصر ہے اور یہ محض انقلاب کا ایک نعرہ بن کر رہ جاتی ہے اور

کچھ نہیں اس نعرہ بازی سے سامع کے کان کے پردے اس طور پر پھٹ جاتے ہیں۔ پھر سامع کے کان میں حق و صداقت کی گونج نہیں پہنچ سکتی وہ حق و صداقت کے سننے کے لئے بہرہ ہو جاتا ہے زان و بیان کی ظاہری ملمع کاری سے آنکھیں اس طور پر خیزہ ہو جاتی ہیں کہ پھر دیکھنے والے کو برے بھلے کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کا شاکی ہو جاتا ہے ایسی شاعری میرے نزدیک ہلاکت اور فلاکت اور قومی تنزل کا باعث بنتی ہے۔ یہ سرے سے شاعری ہی نہیں ہے۔ یہ بع لہبی ہے طاغوتی اور شیطانی فعل ہے جس سے لادینیت اور الحاد کی فضا پرورش پاتی ہے وہ ایسی شاعری ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں سورۃ الشعراء میں کیا گیا ہے۔ (وماھم الغاوٗن) کے زمرے میں ایسے شعراء اور اس کے مداح آتے ہیں۔ گویا قران کے الفاظ میں یہ سب گمراہ ہیں۔ جناب حفیظ صاحب! قوم کے حق میں بعض شعراء اور ادیبوں کا یہ رجحان ہے کہ وہ فن میں۔ تنہائی آزادہ روی اور بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عظیم خطرعہ کے لئے تمہید تصور کرتا ہوں۔ زادہ روی اور بے باکی انی فحہ اچھی خوبیاں ہیں۔ کیونکہ یہ سوز دل اور نگاہ پاک کا ثمرہ ہیں۔ جب آزادہ روی اپنے زعم میں بے راہ روی کا روپ دھار لے اور بے باکی گستاخی کی سرحد چھو جائے تو میرے نزدیک معیوب و معثوب ہی نہیں مقہور بھی ہے۔ کیونکہ میں زاتی طور پر شکوہ کے مقابلے میں شکر کا زیادہ قائل ہوں۔ شکوہ کرنا تو تخریبی فعل ہے جو تعمیر کے مقابلے میں آسان بھی ہے اور پر خطر بھی۔ گرانا تو سب کو آتا ہے مگر فنکار کا کمال تو اس میں ہے کہ وہ گرتوں کو تھام لے۔ شاعری بامقصد ہو تو جو حسین بھی اور مفید بھی اور یہ مقصد بلند بھی ہو اور صالح بھی۔ چاہتا ہوں کہ صاحب ساز کی جو بھی حرکت ہو خواہ وہ زہنی ہو یا فعلی حقیقی ہو یا خیالی رائگاں نہ ہو یہاں تک کہ شاعری حسرت و یاس کی حالت میں قومی ہلاکت و تباہی کو دیکھ کر خون کے آنسو بھی رلائے وہ ضائع ہو بلکہ صاحب فن کا ہر آنسو ایک شعر ہے اور خون کی ہر بوند ایک مصرع ہے مزید قوم کی شام فراق کی اس تیراہ شبی میں شاعر کی دائمی خون آلود آنکھیں شمع فروزاں کا کام دے سکیں۔

؎ جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

حفیظ صاحب اب اپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کتنے شعراء ہیں جنھوں نے قوم کی تیراہ شبی میں خون کے چراغ روشن کئے ہوں۔

خدا حافظ

شمشیر علی

استاد شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ہوں

مورخہ ۲۰ جون ۱۹۶۸ء

کب ڈوبے گا سرمایہ داری کا یہ سفینہ ؟ شمشیر علی پوچھتے ہیں۔

(ڈاکٹر ظہور احمد اعوان)

جواب حاضر ہے

ہمارے ایک دوست ہیں پروفیسر شمشیر علی خان بنوں کے رہنے والے سفید ریش ، رفیق تارڑ جیسی قراقلی ٹوپیوں کے رسیا چند سال پہلے ریٹائر ہو کر وکالت کی پریکٹس شروع کی مگر دل اس کام میں نہ لگا کہ دل کے مریض ۔ایک بے قرار روح اور تڑپتی آتما کے مالک ہیں سماج کی ناہمواریوں اور انسان کے دکھوں پر رونے ، چیخنے والے آدمی ہیں رونا انکو بہت آتا ہے بھلکڑ ایسے ہیں کہ عینک آنکھوں پر لگا کر گھنٹوں عینک ڈھونڈتے رہیں گے بیس برس پہلے ہم دونوں ڈیرہ کالج میں اکٹھے پڑھاتے تھے مارشل لاء کا جابرانہ دور تھا میں ڈیرہ میں سزا کاٹ رہا تھا اور طرح طرح کی اذیتوں سے گزر رہا تھا۔ رہنے کو جگہ نہ مہینوں تک تنخواہ ملتی ، چھٹیاں منسوخ ، ڈیرہ سے باہر نکلنا ممنوع غرض ایک ایسا دور تھا جب زندگی سے زیادہ موت سے پیار ہونے لگا تھا میں گھنٹوں ایک اکیلا دریائے سندھ کے کنارے بیٹھا یہی سوچتا رہتا تھا کہ زندگی کا کیا فائدہ ہے کیوں نہ جاؤں اس عالم میں شمشیر علی خان میری ڈھارس کی دیوار تھے چپ چاپ میرے قریب آکر دریائے سندھ کے کنارے بیٹھ جاتے اور مجھے وہاں سے اٹھا لے جاتے کبھی خفیہ پولیس والوں سے بچاتے خود اپنی چیزیں رکھ کر بھول جاتے مگر میری تواضع اور خبر گیری کرنا نہ بھولتے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ شمشیر علی خان مجھے وہاں نہ ملتے تو میں کہاں ہوتا کئی مرتبہ میرا استعفیٰ میرے اور میرے پرنسپل کے ہاتھوں سے لے کر پھاڑا شمشیر علی خان ایک ہر دل عزیز استاد تھے مگر لکھنے سے گریزاں رہتے میں بار بار ان سے یہی کہتا کہ کچھ لکھیں آپ کے دل میں بہت کچھ ہے دماغ معمور ہے قلم کاغذ موجود ہے میری ان کی یہی لڑائی رہتی مگر وہ اس طرف نہ آتے بارے اب انہوں نے قلم اٹھا لیا ہے پشاور کے بارے میں ڈاکٹر امجد حسین کی کتاب عالم میں انتخاب چھپی اس کی رودادیں اخباروں میں شائع ہوئیں تو شمشیر علی خان نے کتاب لکھی تو جی میں آیا کہ بنوں کی تاریخ و ثقافت کو کتاب میں محفوظ کیا جائے شمشیر علی خان بڑی محبت

کرنے والے انسان ہیں میرے کالم پڑھتے اور بڑے دردناک خط لکھتے تھے ان کا بھی یہی مشن ہے کہ اس معاشرہ وسماج کو کس طرح سنوارا جائے کرپشن بدعنوانی اور دھاندلی کا تدارک کس طرح کیا جائے معاشرہ سے تعصب وتنگ نظری کے چراغوں کو گل کر کے ترقی پسندی اور روشن خیالی کی قندیلیں کس طرح روشن کی جائیں شمشیر علی خان انقلابی آدمی ہیں۔ اور انقلاب کی راہ دیکھ رہے ہیں قائداعظم علامہ اقبال، علامہ مشرقی اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے لیڈروں کے پرستار ہیں وہ ایک ایسے نظام کے متمنی ہیں جو انسان کی زندگیوں سے غموں دکھوں اور پریشانیوں کو مٹا کر وہاں مسرتوں اور آسانیوں کے سویرے اجال دے وہ یہی کہتے ہیں کہ اس سرمایہ داری نظام کو کیسے ختم کیا جائے انہیں رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا سے سرمایہ داری نظام کی جڑیں کٹ رہی ہیں جبکہ ہمارے ہاں اس نظام کے پنجے مضبوطی سے گڑے جا رہے ہیں۔

شمشیر علی خان اسلام کو انسان کے سب دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں مگر اس اسلام کو جسے اسلام کے ٹھیکیداروں نے مقید کر رکھا ہے اور اس کی جگہ ایک نمبر دو اسلام لا کے بٹھایا ہوا ہے اس نمبر دو اسلام سے سرمایہ داری نظام کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جعلی اور جھوٹے حکمرانوں کی فرعونیتوں اور زراندازیوں کے لئے گنجائش نکالی گئی ہے اگر گزشتہ پچاس برسوں میں ہمارے مذہبی طبقے اسلام کو حکمرانوں کے درباروں کی لونڈی بنا کر اپنے حلوے مانڈوں کا بندوبست نہ کرتے تو آج پاکستان کا انسان سیاسی ومعاشی طور پر آزاد ہو چکا ہوتا مذہبی اجارہ داروں نے اپنی اپنی مذہبی دکانیں کھول کر انسانوں کو تقسیم اور غلام بنانے کا کاروبار جاری رکھا ہوا ہے۔ ان کی اور حکمرانون کی منشا یہی ہوتی ہے کہ پاکستان کے غریب انسان کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے لئے سیاسی اور معاشی فیصلے نہ کرنے پائیں اس لئے پاکستان کی سچی قیادت کو کافر قرار دینے کے مشن کو حرز جان بنایا ہوا ہے سرسید احمد اٹھے اور برصغیر کے مسلمانوں کو زیور علم سے آراستہ کر کے قومی نصبہ سنوارنے کا کام شروع کیا تو ان طبقوں نے انہیں کافر قرار دے ڈالا اقبال اور قائد اعظم نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا ڈول ڈالا اور پاکستان کے حصول کو ممکن بنایا تو یہ دو ہستیاں ان اجارہ داروں کی آنکھوں مین کھٹکنے لگیں۔ انہیں بھی کافر قرار دے دیا گیا پھر

ذوالفقار علی بھٹو آئے انہوں نے پاکستان کے غریبوں کو پنجابی سندھی بلوچی پٹھان کے نسلی چکروں سے نکال کر ایک پارٹی بنایا اور استحصالی اقلیت کے خلاف ایک طوفان اور سیلاب بنانا چاہا تو یہ استحصالی طبقہ اس کے خلاف ہو گیا اسے کافر قرار دیا پھر سب نے مل کر اسے مروادیا شمشیر علی خان سوچتے رہتے ہیں روتے ہیں اور بار بار مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہو گا پاکستان کا کیا بنے گا عالم اسلام کا کیا بنے گا؟ مسلم دنیا کے اکثر حکمران خاندان غلاماں سے تعلق رکھتے تھے سب نے اپنی رعایا کو غلام بنا کر خود امریکہ و یورپ کی باج گزاری قبول کر رکھی ہے ایک ارب افراد پر مشتمل مسلم امہ کا کیا بنے گا شمشیر علی خان کے سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں اس کے درجنوں خطوط میرے پاس پڑے ہوئے ہیں ہر خط میں سوالوں کے طور مار ہوتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی غریب اکثریت منتشر و خستہ حال ہے بے جہت ہے بے رہنما ہے یہ اکثریت بہت طاقتور ہے مگر اسے قیادت میسر نہیں ہے حکمرانوں نے انہیں ناخواندہ جاہل، بے روزگار اور اپنے حال سے بے خبر رکھ کر اپنے لئے آسانیاں پیدا کر لی ہیں۔ یہ اکثریت اگر ایک مرتبہ بیدار ہو کر سڑکوں پر نکل آئی تو پاکستان کے جابر و قاہر استحصالی طبقوں کو پناہ نہیں ملے گی مگر سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اس اکثریت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیسے کیا جائے انہیں سندھی بلوچی، پنجابی اور پٹھان کے عصبیتی لسانی علاقائی نسلی نعروں کی زد سے کیسے نکالا جائے یہ کام کون کرے گا کسی کو معلوم نہیں شمشیر علی خان یہ مجھے بھی نہیں معلوم۔ پاکستان میں انقلاب کا پھوڑا پک کر تیار ہو چکا ہے۔ کب پھوٹے گا کچھ معلوم نہیں سرمایہ داری نظام کے تاج و تخت کب اچھالے جائیں گے شمشیر علی خان مجھے نہیں معلوم لیکن اتنا پتہ ہے کہ ضرور اچھالے جائیں گے ہم دیکھیں یا نہ دیکھیں ایسا ہو گا ضرور۔

قلمی خاکہ

الحاج افسر علی خان

ممتاز ماہر تعلیم ہیں درس و تدریس سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ اس دشت کی سیاحی میں ساری زندگی گزری ہے وہ صاحب شعور، مصفا قلب وزہن کے مالک ہیں۔ وہ کردار اور گفتار میں اللہ کی برہان ہیں۔ ان کے قول و فعل میں صداقت پائی جاتی ہے۔ صائب الرائے انسان ہیں۔ ان کے مزاج میں استقامت ہے بااصول اور صاحب تقویٰ انسان ہیں۔ ان کی شخصیت بڑی عظیم ہے۔ جو تجزیہ اور مداحی سے ماورائی ہے۔ وہ متحرک مبلغ ہیں۔ تبلیغ حق اور طلب حق سے ان کی زندگی عبارت ہے۔ وہ خشک زاہد نہیں۔ ہمہ جہت خوبیوں کے مالک ہیں۔ جب دیگر تبلیغی دوست حضرات مجھے بن باس لکھنے سے باز رکھنے کی تلقین کرتے تو الحاج افسر علی خان میرا حوصلہ بڑھاتے۔ وہ کہتے کہ تاریخ نویسی ایک مقدس کام ہے جسے تم بخوبی نبھار ہے ہو۔ انہوں نے بعض امور میں میری رہنمائی بھی کی اور ٹھوس شواہد کے ساتھ کچھ تاریخی واقعات کی بھی نشاندہی کی۔ وہ بڑے دراک انسان ہیں۔ معاملہ کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے ہیں۔ تبلیغ دین بہت ہی محترم اور مقدس شعبہ حیات ہے۔ اسے افسر علی خان ارفع اور مقام قصویٰ تک پہنچانے میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے ہیں۔ الحاج افسر علی خان میرے نزدیک ایک معیار ہیں۔ مکمل نمونہ اور قابل تقلید ہستی ہیں۔ وہ مرنجان مرنج اور کشادہ طبعیت کے انسان ہیں ان کے بول میں مٹھاس ہے۔ شریں گفتار ہیں۔ نرم دم گفتگو۔ گرم دم جستجو ہیں۔ وہ ہمہ جہت اور سچے مومن ہیں۔ بن باس کے مرتب کرنے میں افسر علی خان کی رعنائی خیال شامل حال رہی۔ اور ان کی آرا میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔

حاجی زمان خان مرحوم آف کئی

تحریک آزادی کے ممتاز رہنما

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حاجی زمان خان کا شمار ان ممتاز محبان وطن میں ہوتا ہے جنھوں نے جوانی سے لے کر بڑھاپے تک جان ومال کی عظیم قربانیاں دے کر اپنے وطن عزیز کو انگریزوں کے شکنجے سے چھڑایا پاکستانی قوم پر ایک ایسا احسان کیا جس کی مثال مشکل سے قوموں کی تاریخ میں ملتی ہے آپ کا تعلق موضع کئی کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ آپ کی سن ولادت ۱۸۷۵ء تھی آپ نے لڑکپن میں دینی تعلیم مختلف مکتبوں اور مدرسوں سے حاصل کی دینی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی قومی اور دفاعی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اور جلد ہی اپنے اخلاص اور ہمدردانہ روئے سے ضلع بنوں کے باشندوں کو اپنا گرویدہ بنالیا لہذا ہر قومی اور ملی معاملات میں اس کا وجود ہونا ضروری سمجھا جانے لگا۔ ۲۲۔۱۹۲۱ء میں ہجرت کا دور دورہ تھا۔ آپ نے یہاں بھی اپنی خدمات پیش کیں اور قوم کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے ناخدا کا کردار ادا کیا۔ ۱۹۲۸ء میں خان عبدالغفار خان کے ساتھ مل کر تحریک خلافت کے ایک سرگرم رکن بنے اور خواب غفلت میں پڑی قوم کو جگانے کی انتھک کوشش کی۔ ۱۹۲۹ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ اور وہیں سے یہ عہد کر کے واپس ہوئے کہ جب تک اس کی قوم لعنت سے آزاد نا ہو جائے وہ آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ چنانچہ آتے ہی بنوں کی تاریخ کو ایک نئی موڑ پر لا کھڑا کر دیا۔ اور ۱۹۳۰ء میں انگریزوں کے خلاف اپنے آبائی گاؤں کئی میں خدائی خدمتگاران کی تحریک کا اجراء کر کے ایک عظیم وشان جلسے کا اہتمام کیا۔ جس کی صدرارت خام عبدالغفار خان نے کی انگریزوں نے اس کی پاداش میں آپ کو جیل بھیج دیا۔ جیل سے رہائی پانے کے بعد بنوں کے مختلف قبیلوں کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کرنا

شروع کر دیں اور انگریزوں کے خلاف آزادی کے لئے عدم تشروی جنگ لڑنے کی تلقین کی۔ قبیلوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور خدائی خدمتگار تحریک میں جوق در جوق شامل ہو گئے اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ انگریزوں کو آپ کی یہ کاروائیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ چنانچہ آپ کو سیفٹی ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے پر ایک بار پھر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھی میں بند کر دیا۔

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم

سوبار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

دوبارہ جیل سے آتے ہی اپنے مشن کو جاری رکھا اور دن رات ایک کر کے سر زمین بنوں کو ایک انگارہ بنادیا جس پر انگریزوں کا قدم جمانا محال ہو گیا۔ یہاں سے فراغت پاتے ہی آپ نے ۱۹۳۹ء میں وزیستان کے قبائل کو انگریزوں کے خلاف جہاد پا اکسانے کا منصوبہ بنادیا۔ اور خود بھی ان کے ساتھ رہ کر دو تین سال انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ آخر کار ستمبر ۱۹۴۹ء میں ضلع بنوں کے کانگرس کی ہائی کمان کی طرف سے مولوی عبد المنان اور میر اکبر شاہ کی میت میں آپ کو وزیستان میں انگریز حکومت کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا مقدس فرض سونپا گیا۔ آپ نے جس خوش اسلوبی سے یہ فرض ادا کیا۔ قوم اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی انگریزوں کو آپ کا یہ رویہ پسند نہیں آیا اور تیسری بار گرفتار کر کے سنٹرل جیل بنوں لایا گیا۔ جہاں سے آپ کو مشروط طور پ رہا کیا گیا۔ اور قرار پایا کہ آپ کا داخلہ وزیرستان میں ممنوع ہو گا۔ لیکن آپ نے اس پابندی کو ہیچ سمجھتے ہوئے ایک بار پھر اپنی قوم کو بیدار کرنے کے لئے وزیستان کا رخ کیا۔ لیکن آپ کی یہ کارگزاری ایک کانٹے کی طرح چبھتی تھی چنانچہ آپ کو وہیں سے گرفتار کر کے تین سال قید بامشقت سنائی گئی۔ چنانچہ آپ کا دوسرا گھر جیل بن چکا تھا۔ لہذا آپ نے محسوس تک نہ کیا۔

۱۹۴۵ء میں پھر جیل کی ہوا کھانی پڑی لیکن چند دن گزرنے کے بعد وزارتی سطح پر حکومت میں تبدیلی عمل میں لائی گئی۔ اور آپ کو رہا کر دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء جون کو پہلی بار مارشلاء کے دوران آپ کو تین سال قید بامشقت کی قید بھگتنی پڑی آپ نے قید کے یہ ایام سنٹرل مچھ بلوچستان سنٹرل

جیل جہلم اور ہری پور میں گزارے بڑھاپے کی وجہ سے آپ جیل میں اکثر بیمار رہے۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۳ء کو جب آپ رہا ہوئے تو ہون سے کئی تک ۱۰ میل کے فاصلے پر دورویہ کھڑے لوگوں کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ جگہ جگہ بندوقوں کی لاتعداد فائرنگ سے سلامی دی گئی۔ اور آپ کی سواری پر پھولوں کو نچھاور کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد آپ کی صحت اور آنکھوں کی دید قید کی مصیبتیں جھیلنے سے کافی حد تک اثر انداز ہو چکی تھی۔ لہذا آپ دور دراز پھرنے اور دورہ کرنے کے قابل نہ رہے یہاں تک کہ ۲۴ مئی ۱۹۶۹ء میں کمزوری بہت بڑھ گئی اور اس قدر علیل رہے کہ صاحب فراموش ہو گئے بہتیرہ علاج و معالجہ کیا گیا۔ لیکن تقدیر کے لکھے کا علاج نہ ہو سکا اور مورخہ ۱۳ اگست بوقت دو بجے بعد از دوپہر یہ مرد مجاہد اور تحریک آزادی کا یہ رہنما اس جہان فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ اور اپنے پس ماندہ گان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گیا۔ ۱۴ اگست کو آپ کی تجہیز و تکفین کی رسم ادا کی گئی۔ تمام قوم ماتم کناں تھی اور کئی علاقے میں مکمل طور پر ہڑتال تھی اور ہر قسم کا کاروبار بند تھا۔ نماز جنازہ میں ضلع بنوں کے ہزاروں معززین نے شرکت کی اور پس ماندہ گان کو صبر جمیل کی دعا دی۔

میزان ماضی

بحساب فی روپیہ وزن اشیاء

سال	گندم	جو	مکئی	چنا	گڑ
۱۹۰۴ء					
۱۹۱۲ء					
۱۹۵۹ء					
۱۹۹۹ء	۴۰۰ روپیہ فی من				

۱۹۶۵ء سونا۔ /۱۲۳ روپیہ فی تولہ

۱۹۹۹ء سونا۔ /۶۰۰۰ روپیہ فی تولہ

سال	مزدور	مستری
۱۸۷۰ء	۳ تا ۴ آنے یومیہ	۴ آنے تا ۱۲ آنے یومیہ
۱۹۱۱ء	۴ آنے تا ۵ آنے یومیہ	۸ آنے تا ۱.۵ روپیہ یومیہ
۱۹۵۷ء	ایک روپیہ یومیہ	۸۔۲ روپیہ یومیہ
۱۹۶۵ء	۸ آنے۔ایک روپیہ یومیہ	۳ روپیہ یومیہ
۱۹۷۰ء	۲ روپیہ یومیہ	۶ روپیہ یومیہ
۱۹۹۹ء	۷۰ روپیہ یومیہ	۲۰۰ روپیہ یومیہ

۱۹۷۰ چینی آٹھ آنے تا ایک روپیہ فی سیر

۱۹۹۹ء چینی ۱۸ روپیہ فی سیر

۱۹۷۵ء تیل پٹرول ۔ /۳ روپیہ فی گیلن

۱۹۹۹ء تیل پٹرول ۔ /۱۲۵ روپیہ فی گیلن

نوٹ۔ ماضی میں دودھ۔ گھی کی فروخت کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مذید ہر فرد و بشر اس معاملہ

میں خود کفیل تھا۔ بوقت ضرورت ایک دوسرے کو یہ اشیاء مستعار دی جاتی تھیں۔ پھر اسے لٹا دیا جاتا تھا۔ جب آبادی بڑھ گئی ساتھ ضروریات زندگی بھی بڑھ گئیں۔ اور تجارت کو فروغ ملا۔ مشینی دور نے احساس مروت کو کچھ دیا۔ تو دودھ اور گھی جیسی اشیاء بھی خریدنے کو مل گئیں۔

نوحہ بنوں

ع دکھادوں گا جہاں کو جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

یہ امر واقعہ ہے کہ سرزمین بنوں نہ صرف زرخیز ہے بلکہ مردم خیز بھی اس سرزمین نے ماضی میں بہت سے مشاہیر ازم و بزم پیدا کئے ہیں۔ جن پر ہم کو فخر ہے۔ اور جنہوں نے ہر دور کی فرعون سامانیوں کا جم کر مقابلہ کیا۔ خواہ وہ مغلوں کا شور و غلغلہ ہو سکھوں کے ظلم و ستم کا دور ہو انگریزوں کے جبر و جبروت کا زمانہ۔

کبھی تو ترک مولدت۔ کبھی ہجرت۔ کبھی تحریک خلافت کی دہلیز پر خدائی خدمت گار تحریک کے سلسلے میں سول نافرمانی میں پیش پیش رہے۔ شہید ہوئے اور اس طرح سے تحریک آزادی کو زندہ رکھا جن کے نتیجہ میں پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

بنوں کی گزٹ ایر گواہ ہے کہ زندہ دلان بنوں کی جتنی زیادہ تعداد تحریک آزادی کے جدوجہد کے سلسلے میں پس دیوار زندان چلی یعنی قید و بند سے دوچار ہوئی۔ پورا صوبہ سرحد بھی اس تعداد کا حساب نہ دے سکا یہی وجہ ہے کہ جہاں انگریزوں کے نقش ثانی کے طور پر ہر علاقے سے نواب خان بہادر خان صاحب وغیرہ ابھرے وہاں بنوں محروم رہا۔ اور شاذونادر ہی ایسے القابات سے بنویان کو نوازا گیا۔ جو ہمارے لئے وجہ افتخار ہے۔ جو ہماری جہاد آزادی کے لئے سرشاری کی دلیل ہے مگر شرمساری کا باعث نہیں

ترقی معکوس

مگر اہل بنوں (بنویان) کو ان تمام عظیم قربانیوں کا صلہ ترقی معلوس کی صورت میں ملا۔ جس کی تفصیل ماضی و حال کے آئینے میں محفوظ اور منعکس ہے۔

تصویر درد

داستان بڑی پر درد اور طولانی ہے مگر مشتے نمونہ از خروار ملاحظہ ہو

۱) قبل تخلیق پاکستان شہر بنوں میں کل پانچ مردانہ ہائی سکول تھے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ تعداد گھٹ کر چار رہ گئی۔ مگر حال ہی میں نمبر ۳ ہائی سکول کو بھی نمبر چار ہائی سکول میں ضم کر دیا گیا۔ کیونکہ نمبر ۳ ہائی سکول مرحلہ انہدام میں تھا۔ موجودہ پیٹیل ہائی سکول حالت نزاع سے گزر رہا ہے۔ گویا تعلیمی حالت پست بلکہ نہایت ہی ناگفتہ بہ ہے۔ یہ ۵۰ سالہ ترقی معکوس کی واضح مثال ہے۔ گویا ہم پیچھے کی طرف پھسلتے گئے۔

۲) کمشنری کے قیام کے لئے ہر لحاظ سے بنوں موزوں ترین انتخاب ہو سکتا تھا۔ مگر اب یہ خدا خدا کر کے بنوں کو ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا۔ ہے مگر برائے نام صورت حال پہلے جیسی ہے۔ بعض دفاتر ڈیرہ اسماعیل خان میں اب بھی قائم و دائم ہیں۔ محکمہ تعلیم میں معمولی آسامیوں کے لئے بھی انٹرویو وغیرہ ڈی آئی خان ہی میں ہوتے ہیں۔

۳) ریڈو سٹیشن کے قیام کا بنویان کا دیرینہ مقدمہ / مطالبہ تھا۔ مگر بے مانگے یہ کسی اور کے پلے باندھ دیا گیا۔ ورنہ سیاسی اور جغرافیائی لحاظ سے بنوں کی اہمیت مسلم ہے۔ بنوں افغانستان کے بہت ہی قریب ہے۔ ریڈیو سٹیشن قوت سماعت یعنی شنوائی اور روشنائی کا ذریعہ ہے۔ جس سے بنوں والوں کو محروم رکھا گیا۔

۴) ہائی کورٹ ڈویژن بینچ کی تشکیل کے لئے بنوں کا مطالبہ برحق ہے مگر۔۔۔

۵) ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کا صدر دفتر ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے بنوں کے باب میں اسکی کارگزاری مایوس کن ہے۔

۶) گومل یونیورسٹی کے قیام کے لئے بنوں موزوں مقام تھا مگر۔۔۔۔۔۔ ہمارے ساتھ یونیورسٹی ہذا میں مناسب اور متناسب نمائندگی دینے کا وعدہ ہوا تھا۔ مگر۔۔۔۔ اور سیکنڈ کیمپس کھولنے کا منصوبہ تھا مگر۔۔۔۔ یہ سب کچھ گویا یہ ادعا بھی محض مدعا بن کر رہ گیا۔

۸۔ صوبائی حکومت کی طرف سے نصد مشکل ۱۹۹۸ء میں منانہ کالج قیائم ہوا ہے مگر اس کا ہاسٹل پانی کا انتظام نہیں ہے اور نہ یہ سائنس ڈگری کالج کا درجہ حاصل کر سکا ہے۔

۹۔ پولی ٹیکنیکل انٹی ٹیوٹ اور کامرس کالج کا درجہ مذید نہیں بڑھایا گیا۔

۱۰۔ زنانہ ہائی سکول میں ہاسٹل نہیں ہے۔

۱۱۔ ن جامع ہائی سکول کے ہاسٹل پر بنون ہائر سکنڈری بورڈ نے قبضہ مخاصمانہ کر رکھا ہے اسکے لئے بنون ٹاون میں جو زمین خریدی گئی تھی سنا ہے کمیشن کی حرص میں اسے بھی بیچ دیا گیا ہے اور جامع ہائی سکول کے طلباء کو ایک جائز سہولت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

۱۲۔ بنوں ہر دور میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے کھلاڑیوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ مگر یہاں سپورٹس کمپلکس کی جو صورت بد ہے وہ سب پر عیاں ہے۔

۱۳۔ بنوں میں آکرہ ایک تاریخی اور قدیم شہر تھا۔ جس کے کھنڈرات زمانہ برد اور انسان برد ہونے کے باعث صفحہ ہستی سے مٹ رہے ہیں۔ ان کھنڈرات سے بہت سارے نوادرات دریافت ہوئے مگر کسی اڈیٹوریم کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا تو صائع ہوئے یا پھر برآمد کی گئیں۔

۱۴۔ بنوں کی پسماندگی کے پیش نظر یہاں انڈسٹریل سٹیٹ کھولنے کی اشد ضرورت تھی مگر اس پر کماحقہ توجہ ہی نہ دی گئی۔

۱۵۔ ضلع بنون کو دیگر دنیا سے موثر طور پر منسلک کرنے اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے بڑی ریلوے لائین بچھانے کی ضرورت ہے مگر۔۔۔۔۔۔ البتہ چھوٹی لائن کو بھی منہدم کر کے پٹڑیوں کو فروخت کر دیا گیا ہے۔ گویا اس معمولی سی سہولت سے بھی بنوں کو محروم کر دیا گیا۔

۱۶۔ ضلع بنوں کو سندھ ہائی وے گویا شاہراہ اعظم سے باہر رکھا گیا۔ یہ ننگی بے انصافی نہیں تو کیا ہے؟

۱۷۔ بنوں کالج قدامت کے لحاظ سے قابل التفات ہے مگر ابھی تک اسکی عمارت مکمل نہیں ہو سکی ہے۔

۱۸۔ بنوں کے لئے ایک ہسپتال اور ایک مزید کالج کی منظوری تھی مگر۔۔۔ خدا کا شکر ہے

انتظار بسیار کے بعد اب دوسرا کالج ایک مستعار عمی بلڈنگ میں شروع ہو چکا ہے۔ ماضی میں مختلف ادوار میں بنوں کالج کی تعمیر کے لئے رقم مختص ہوتی رہی مگر مصلحت کے تحت اس رقم کو کہیں اور جگہ منتقل کیا جاتا رہا۔ غزنی خیل کالج اور کرک کالج بنوں کا مرہون منت ہونا چاہئے۔

۱۹۔ شہر بنوں کی مضافاتی زرخیز اور قیمتی زمین پر مختلف کالونیاں۔ سکول۔ کالج۔ ہسپتال۔ وولن ملز جیسی کمرشل منڈی وغیرہ تعمیر کر کے حقیقت میں شہر بنوں کے پھپھڑے کاٹ دئے گئے ہیں۔ ورنہ متذکرہ منصوبوں کے لئے شہر سے مناسب فاصلے پر کم زرخیز زمین کم قیمت پر حاصل کی جاسکتی تھی۔

۲۰۔ بنون کے لئے ہوائی سروس کا مناسب انتظام نہیں ہے۔

۲۱۔ بنوں برقی قوت کی تخلیق کا منبع اور سرچشمہ ہے مگر یہاں بیشتر دیہات اس نعمت سے محروم ہیں۔

۲۲۔ تحصیل بنوں میں علاقہ ممہ خیل۔ میریان۔ نورڑ۔ مندیو۔ شاہ دیو۔ منڈیڈاک اور عیسکی کا بیشتر حصہ کشت ویران پڑا ہوا ہے۔ زرانم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ ان علاقوں کے لئے خاص منصوبہ بندی کے تحت متعدد ٹیوب ویل درکار ہیں۔ کیونکہ یہ علاقہ سیم وتھور کی زد میں ہے اور کینسر کی طرح زمین کی زرخیزی کو چاٹ رہی ہے۔ ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے یہ علاقہ ایک بار پھر زرخیز بن سکتا ہے۔

۲۳۔ ضلع بنوں کی بیشتر اہم سڑکیں (لنک روڈ) ہنوز کچی ہیں۔ ورنہ کین سس سے پختہ کی جا سکتیں تھیں۔

۲۴۔ دریائے کرم کی وجہ سے یہاں کی سینکڑوں کنال اراضی آب برد ہو چکی ہے اس اژدہانے ماضی میں بہت ساری زمین نگل لی ہے۔ اسکی بازیابی ممکن ہے۔ البتہ دریائے کرم کی سرشاری اور لاابالی پن کو قابو کیا جائے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کی جائے۔

روئیدادِ گل خوئیداد (مولوی)

مولوی گل خوائیداد جید عالم۔ صاحب قلم و عمل اور تحریک آزادی کے صف اول کے رضاکار رہے ہیں۔ ان کی زندگی مسلسل جدوجہد دے عبارت تھی۔ وہ صرف مولوی نہ تھے۔ اور نہ ان کی سرگرمیوں کا محور صرف اور صرف محراب و ممبر تھا۔ بلکہ ان کا نکتہ نظر وسیع اور مشاہدہ حق وقیع تھا۔ وہ بڑے وسیع المشرب انسان تھے ان کا حلقہ احباب وسیع تر تھا۔ وہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ ان کے حلقہ ارباب واحباب میں مولانا ابوالکلام آزاد ۔ سر سید احمد خان۔ علامہ محمد اقبال۔ قائداعظم محمد علی جناح۔ مولانا شبیر احمد عثمانی۔ خواجہ محمد عباداللہ۔ خواجہ احمد دین۔ عرشی صاحب۔ مولانا احمد علی لاہوری۔ غلام محمد اور محمد اسلم جیراجپوری جیسے اکابرین کا نام نامی ہے۔ مولانا کی بڑی اچھی لائبریری تھی اس میں نایاب قلمی نسخے تھے معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہو چکا ہو گا۔ کیونکہ ان کے پسماندگان میں ان کا صحیح جانشین اور سجادہ نشین پیدا نہ ہو سکا۔ مولانا گل خوئیداد بازار احمد خان میں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوا اور وہیں سن کبیری ۱۹۷۹ء میں وفات پائی۔ انہوں نے طویل عمر پائی مگر ان کا جوش و جذبہ ہمیشہ ہمیشہ جوان رہا۔ ان کی ذات میں عجب کشش تھی۔ صغیر و کبیر ۔ فقیر و امیر انہیں ہم جلیس اور ہم انہیں سمجھتے تھے۔ مولانا تحریک خلافت کے سرگرم اور فعال کارکن رہے ہیں۔ ان کی مساعی سے بنوں کا ہر فرد و بشر خلافت کمیٹی کا ممبر بنا تھا۔ انہیں کی تجویز پر ملک معزاللہ خان شاہ بورگ خیل خلافت کمیٹی ضلع بنوں کے صدر بنے۔ انہوں نے تحریک ہجرت کو کامیاب بنانے کی کوششیں کی۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے خاص معتمد تھے۔ کابل اور مولانا ابوالکلام کے درمیان جو اہم پیغامات کا تبادلہ ہو تا رہا۔ وہ انہیں کے ذریعے ہو تا رہا۔ حکومت کی مختلف ایجنسیاں ان کے تعاقب میں رہتی تھیں۔ ایک بار اہم دستاویزات مولانا ابوالکلام کو منتقل اور مطلوب تھے۔ اور جو حکومت افغانستان کی طرف سے انہیں کے وصیلے بھجوائے گئے تھے۔ مولوی گل خوائیداد نے ان سب کو حفظ ماتقدم کے طور ازبر کر لئے اور پھر ان دستاویزات کو ہمراہ دہلی لے گئے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ زیر نگرانی ہیں۔

اور یہ کہ انہیں دستاویزات سمیت گرفتار کیا جانیوالا ہے۔ مولوی صاحب کسی بیت الخلا میں گھس گئے اور متعلقہ دستاویزات کو جلا کر انہیں تلف کر دیا۔ جب باہر آئے گرفتار ہوئے مگر ان سے کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا لہذا چند دن کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ ساری روئیداد مولانا ابوالکلام آزاد کو سنائی اور ساتھ بے کم و کاست اس پیغام / پیغامات کو زبانی اسی ترتیب اور ترسیل کے ساتھ سنایا۔ جس سے مولانا ابوالکلام آزاد بڑے خوش اور مطمئن ہوئے۔ جب تحریک خلافت اور کانگرس باہم شیر و شکر ہوئے تو وہ بھی کانگرس کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر گئے۔ مگر جب مسلم لیگ کی ہوں میں افتتاح ہوئی تو وہ ملک تاج علی خان خان زادے کے ساتھ ملکر مسلم لیگ کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ممبر طلباء کے ساتھ شمالی وزیرستان کا دورہ کیا۔ جبکہ مسلم لیگ کے لئے وہاں کی فضا بڑی سازگار نہ تھی۔ مگر مولانا گل خوئیداد ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کا خوگر تھا۔

مولوی صاحب حاجی میرز علی خان فقیر آف ایپی مجاہد اعظم کے معتمد ساتھی رہے ہیں وہ ان کے لئے چندہ فراہم کروانے میں کوشاں رہتے تھے۔ کئی بار وہ گرفتار بھی ہوئے۔ جب پاکستان بنا۔ تو عملی سیاست سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اور درس و تدریس سے سروکار رکھا۔ مولوی صاحب کی زندگی بڑی قدآور۔ قیمتی اور گرانمایاں تھی۔ ان کی زندگی کوششیں ناتمام سے عبارت رہی۔ مولوی صاحب بڑے بے باک اور صاف گو انسان تھے۔ جرات اظہار کے لئے ضرب المثل تھے۔ ایک دفعہ ایک مذہبی تقریب (فاتحہ خوانی) میں عجب صورت حال پیدا ہوئی۔ بازار احمد خان کا ایک متمول صاحب زر زدر سربرآوردہ شخصیت ان کے چارپائی پر بیٹھ کر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کسی عالم دین کی ہجو بیان کی۔ مولوی صاحب نے اپنی چادر سے منہ ڈھانپ لیا اور کہا تم غلاظت سے آلودہ ہو۔ تم سے سخت بدبو آرہی ہے۔ بیچارہ وہاں سے فوراً اٹھا اور خود کو ٹٹولنے لگا۔ مولوی صاحب سے پوچھا بظاہر غلاظت تو نہیں ہے۔ جواب ملا یہ غلاظت تم کو محسوس نہیں ہوتی کیونکہ تم اس کے خوگر ہو چکے ہو ماحول پر سکوت اور محویت چھا گئی۔ بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ وہ صاحب زر و زور شخص سود و زیاں سے سروکار رکھتے تھے۔ سود اپنا۔
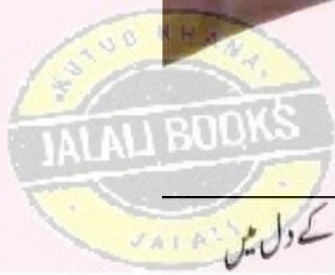
زیاں اوروں کا۔ مولانا گل خوائیداد مجاہد مولوی تھے۔ نڈر صاف گو اور بے باک۔ ان کے دل میں سوزِ الٰہی تھا۔ نگاہ میں پاکی تھی اس لئے گفتار میں بے باکی پائی جاتی تھی۔ واقعی

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

مُلّا کی آذاں اور مجاہد کی آذان اور

سانحہ بنوں

کیا تاریخ خود کو دہراتی ہے

بنوں شوگر ملز کے ذیلی اور عارضی دفتر پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا گیا۔ حملہ کرنے والے علاقہ غیر سے تعلق رکھنے والے وزیری تھے۔ نتیجے میں چوکیدار امیر نواز خان مروت شہید ہوئے کلرک غنی الرحمٰن مروت اور چپڑاسی محمد صدیق مروت کو اغوا کیا گیا۔ یہ سانحہ جنوری ۱۹۶۸ء کو پیش آیا۔ علاقہ ممش خیل نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ کیونکہ یہ سانحہ انہیں کے علاقہ کے اندر پیش آیا تھا۔ دلاباز خان داود شاہ کے باسی انقلابی اور سیمابی طبعیت رکھتے تھے۔ ان کی تحریک پر سارا بنوں سیخ پا ہوا۔ اسی دن جائے وقوعہ کے نزدیک ایک ہنگامی جلسہ ہلدی منڈی مین ہوا۔ جسکی صدارت اے ڈی رب نواز خان ممش خیل نے کی فیصلہ ہوا کہ رد عمل کے طور میر انشاہ روڈ کو بند کر دیا جائے اور وزیرستان سے تعلق رکھنے والے افراد بسوں اور ٹرکوں سے اتار کر انہیں انتقاماً یرغمال بنایا جائے چنانہ اس پر فوری عمل ہوا تقریباً ۵۰ افراد یرغمال بنادئے گئے۔ جنہیں منظر خون وزیر سکنہ بنون کی تحویل میں رکھا گیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ۱۲ جنوری ۱۹۶۸ء میں ایک عوامی جلسہ ہوگا۔ جس میں بنون بھر کے عوام شرکت کریں گے۔ انتظام اور انفرام کے لئے مجلس عاملہ تشکیل دی گئی جس کے ممبران محمد حیات خان سوکڑی۔ بہادل خان آمندی۔ میر ولی خان آمندی۔ عمر ایاز خان۔ شیرین خان محمد نور بادشاہ۔ محمد امین شاہ ذولجنان مولوی محمد رحمٰن اور علی خان ممش خیل وغیرہ تھے۔

۱۲ جنوری ۱۹۶۸ء مقررہ جگہ پر جلسہ عام ہوا۔ (ہلدی منڈی) جس میں مروت کے کچھ خوانین نے بھی شرکت کی اس جلسے کی صدارت بھی اے۔ ڈی رب نواز خان ممش خیل نے کی ذیل لیڈروں نے خطاب کیا۔ سالار محمد یعقوب خان بازار احمد خان۔ مولوی عبد الرحمان شاہ بنوں سٹی۔ قاضی حبیب الرحمٰن سوکڑی۔ مولوی عبد الطیف بنوں سٹی۔ نعمت اللہ خان مروت۔ منور خان ایم پی اے۔ نواب شیر افضل جنگ مروت۔ ملک خان زادہ سورانی۔ مولوی نصف جہان

ممش خیل۔ پیر سخی زمان نورڑ مریان۔ عمر جان خان ایڈووکیٹ۔ اور دلاباز خان۔ موضر الذکر نے جلسے میں خوب گرمی پیدا کر دی۔ جس کے نتیجے میں تحصیل بنوں کی سطح پر ذیل ممبران پر مشتمل دفائی کمیٹی بنادی گئی۔ حق داد خان منڈان۔ ملک حمید اللہ خان منڈان۔ امیر خان مغل خیل۔ ملک دراز خان جھنڈو خیل۔ محمد اسلم خان۔ ملک اکبر علی خان فاطمہ خیل۔ عمر جان خان ایڈووکیٹ ککی۔ محمد خان ککی ملک ولی خان بارک زئی۔ پیر سخی زمان مریان رحم زاد خان میراخیل ولد باز خان داود شاہ اے۔ ڈی رب نواز خان ممش خیل۔ فیصلہ ہوا کہ ۲۸ جنوری ۱۹۶۸ء کو ہلدی منڈی میں پھر جلسہ ہو گا۔ مگر مقررہ راتیخ سے پہلے ۲۳ جنوری ۱۹۶۸ء کو جناح پارک بنوں میں تاریخ کا ایک عظیم وشان جلسہ ہوا۔ شاید حکومت کی ایما پر یہ جلسہ ہوا۔ اب پس پردہ حکومت وقت بنویان اور قبیلہ مروت کے جذبات اور رد عمل کو اپنی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کا حصہ بنانے کی درپے ہوئی۔ جیسے کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے ذیل کے افراد نے خطاب کیا۔ ملک بہادر خان سورانی۔ نواب زادہ رحم دل خان مروت۔ نعمت اللہ خان ممرزئی خیل مروت۔ عطاء اللہ خان ایڈووکیٹ۔ خاجی تاج علی خان ایڈووکیٹ قاضی حبیب الرحمان سوکڑی۔ ملک رضا خان ممد خیل مروت خلیفہ میر احمد لنڈیوہ مروت۔ دلاباز خان داود شاہ۔ امیر داد خان عیسکی۔ منور خان ایڈووکیٹ۔ ایم پی اے۔ سالار محمد یعقوب خان بازار احمد خان عیسکی۔ عبد الرحمٰن شاہ نار شیر مست اور رحم زاد خان میراخیل۔

قرار دادیں

ا۔ سرائے بکا خیل میں پولیس تھانہ قائم ہو۔ لیوی پولیس میں وزیروں کی بجائے دیگر قبائل مثلاً بنویان۔ مورت۔ بیٹنی کو بھی جگہ دی جائے اور ان میں ان قبائل سے ہی خاصہ دار لئے جائیں ۲۔ ایجنسیوں کو توڑا جائے۔ ۳۔ ۲۴ جنوری ۱۹۶۸ء کو شمالی وزیرستان کا نمائیندہ وفد ڈپٹی کمشنر ضلع بنون اور پولیٹیکل ایجنٹ کی موجودگی میں اقوام ضلع بنوں کے ساتھ بات چیت کرے۔ (صاف ظاہر ہے قرار داور زبان وبیان نے ظاہر ہے کہ کسی اور کی طرف سے

گویا خفیہ ہاتھ کے اشارہ پر یہ سب کچھ ہوا جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔ مزید بکاخیل کے مقام پر پولیس تھانہ قائم ہو چکا ہے ایجنسی کے بارے میں ادغام کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

تاریخ مقررہ سے قبل وزیر اور بنویان بشمول قوم مروت کے درمیان بقاعدہ لڑائی شروع ہوئی جس میں ۱۲ بنویان بشمول ملک غوث علی شاہ بزرگ خیل اور ایک مروت اقبال خان مینا خیل شہید ہوا۔ عوام کہتی ہے یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی جو ذہن و نظر رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔

؎ دنیا کے بے شمار سخنہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

خون ارزاں اور خرابی بسیار کے بعد مسعود قبائل نے مداخلت کر کے اس جنگ کو روک لیا۔ اور ایک عہد نامہ مرتب کرالیا۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ آئیندہ ایسا سانحہ رونما نہیں ہوگا۔ اگر ہو جائے تو قوم مسعود سے رجوع کیا ۔ دونون قبائل براہ راست اقدام اٹھانے سے گریز کریں گے۔ اگر اس کے بعد وزیروں نے کسی کو اغوا کر کے یرغمال بنایا تو قبیلہ محسود اپنی ذمہ داری پوری کرے گا۔ اور مجرموں سے ۲ لاکھ روپیہ کانڑہ (جرمانہ) وصول کیا جائے گا۔ مگر یہ صرف کاغذی کاروائی ثابت ہوئی۔ کیونکہ چندماہ بعد بنوں کی ایک بہت بڑی بزرگ ہستی کو دن دھاڑے اغوا کیا گیا۔ اسے یرغمال رکھا گیا۔ عوام نے شور مجایا ہائے بابائے بنوں کو اغوا کیا گیا۔ مگر کچھ بھی نہ ہو سکا پتھر (کانڑہ) اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ البتہ اس عہد نامے کے مرتب کرنے اور کرانے سے ایک بار پھر وزیر قبائل کی دور اندیشی اور دراکی ثابت ہوئی ہے اور بنویان کی روایتی سادہ لوحی۔ باہمی منافرت اور سطح بینی اجاگر ہوتی ہے۔ یہ ایسا موقع تھا جس کے طفیل قوموں کی شیرازہ بندی کی جاسکتی تھی۔ وزیروں سے اس عہد نامہ پر ۱۶ اشخاص نے صاد کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ مروت قبیلہ نے ۵ اشخاص نے دستخط کئے۔ جبکہ بنویان کی طرف سے صرف ۳ اشخاص شریک محفل ہوئے گویا ملک بہادر خان۔ ملک حمید اللہ خان اور پیر سخی زمان۔ اور جو شریک شورش محفل تھا۔ اور جو اخوت باہمی۔ اتحاد کا مظہر اور ہیرو تھا۔ یعنی دلاباز خان انہیں باہر

رکھ دیا گیا۔ گویا عضو معطل۔ بعض افراد ان کی ہر دلعزیزی سے خائف ہوئے۔ اور بعد میں انہیں اپنے ہی بھائی کے ہاتھوں شہید کرادیا گیا۔

ہاں تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ دہراتی رہیگی۔

؎ منزل ملی انہیں جو شریک سفر نہ تھے

شجرہ نسب شاہ فرید عرف (شیتک)

۱) برہم خیل۔ مند تخیل و شیشے برادران پسران نقرہ دین

۲) نقر دین۔ غازی خیل، خوجک خیل برادران پسران مندیو

۳) ابراہم خیل۔ ممو خیل برادران پسران احمد خیل

۴) قمری خیل۔ گیدڑ خیل برادران پسران کاکا خیل

۵) خواجہ۔ کرک برادران پسران نمبر

۶) کاکا خیل۔ نمبر۔ برت، فتح خان خیل اور بیتا خیل برادران پسران جو نشم خیل

۷) احمد خیل۔ میر تبر۔ جو نشم خیل اور مدار خیل برادران پسران بالے

۸) پید خیل۔ عمر خیل امن خیل اور بائید خیل برادران و پسران بری

۹) مینا خیل۔ کاکا خیل اور نمبر برادران اور پسران رستم

۱۰) بورا خیل۔ موسیٰ خیل اور رسپ خیل برادران اور پسران زرگر خیل

۱۱) فتح خیل۔ اللہ خیل اور لیوان برادران اور پسران غزنی خیل

۱۲) ملیب حسن۔ جعفر خیل اور خوجک خیل برادران اور پسران محبوب

۱۳) مندیو اور تپہ ئ برادران اور پسران بارک زی از زوجہ دوئم

۱۴) سرکی خیل اور ابراہیم خیل برادران اور پسران نقرہ دین

۱۵) نقرہ دین پسر بارک زی از زوجہ اول

۱۶) شوبک اور وتخل برادران اور پسران عمر خیل

۱۷) کاپر اور میر نان خیل برادران اور پسران شادی خیل

۱۸) شادی خیل۔ عمر خیل اور پیرو خیل برادارن اور پسران محبوب

۱۹) ماندی خیل۔ مالی خیل۔ داوت خیل اور برمل خیل برادران اور پسران مہدیو

۲۰) کالا خیل۔ بوتی خیل۔ دریپ خیل اور میلاگان برادران اور پسران میسو

۲۱) اخوند خیل۔ تر گل خیل۔ میر گل خیل اور ریشم خیل برادران اور پسران تپّی

۲۲) ملیو۔ مندیو۔ تپّی برادران اور پسران نورڑ

۲۳) نورڑ پسر میرئی از زوجہ چہارم

۲۴) کگی اور بھرت برادران اور پسران میرئی از زوجہ سوئمل

۲۵) ممہ خیل پسر میرئی از زوجہ دوئم بارک زئی پسر میرئی زوجہ اول

۲۶) پیرا خیل۔ عمر خیل ارشادی خیل برادران اور پسران محبوب

۲۷) عمر خیل پسر کرئی

۲۸) کرئی۔ محبوب ارلیدی برادران اور پسران بھرت

۲۹) مغل خیل ارجی خیل برادران اور پسران لیدی

۳۰) واخیل اور قلندر خیل برادران اور پسران سر کی خیل

۳۱) عالم گل خیل اور خدا خان خیل برادران اور پسران قلندر خیل

۳۲) میری اور سمی (سمیع) برادران اور پسران کیوی

۳۳) کیوی اور سورانی برادران اور پسران شیتک زوجہ اول

۳۴) داوڑ پسر شیتک زوجہ دوئم

۳۵) زیلم اور ہوید پسران شیتک زوجہ سوئم

۳۶) ابو خیلی پسر حسن خیلی

۳۷) حسن خیلی۔ ٹوپکی اور غونڈو برادران اور پسران فریلم ہوید

۳۸) سمعیل خان۔ تپی منڈان اور ایسپ برادران اور پسران

شجرہ نسب سیمی پسر کیوی پسر شیتک

۱) منڈان۔ عیسکی۔ صنوبر یاسعیہ ور اور تیپئے برادران اور پسران سمی
۲) بازید خیل فتح خیل۔ بیتا خیل چٹ اور شادیو برادران اور پسران منڈان
۳) بالیست خیل اور بیست برادران اور پسران بازید خیل
۴) شہداد خیل۔ میاں داد خیل۔ قاسم خیل۔ ملک دین۔ کیگر اور حیدر خیل برادران اور پسران بیتا خیل
۵) سکندر خیل۔ کفشی خیل اور لیدی برادران وپسران چیٹ
۶) بنگش خیل۔ ختک خیل۔ خانئے اور صابو خیل برادران وپسران بادیو
۷) عنایت خیل۔ خونی خیل اور افضل خیل برادران وپسران فتح خیل
۸) زنوئی اور زنی خیل برادران وپسران خانئے
۹) حبجہ خیل۔ عیسٰی خیل اور پائی خیل برادران اور پسران صابو خیل
۱۰) لنداخیل۔ میرز علی خیل اور ممیت خیل برادران وپسران دنی خیل
۱۱) تاجی خیل پسر شہداد خیل
۱۲) مائک خیل اور میاں خیل برادران وپسران سکندر خیل
۱۳) بہادن خیل۔ بارک خیل اور میری خیل برادران وپسران میاں خیل
۱۴) پہاڑ خیل۔ کلک۔ دیدان اور بشر خیل برادران وپسران مائنک خیل
۱۵) خواجہ مد۔ عباس خیل اور مدی برادران وپسران لیدی
۱۶) بہرام خیل۔ شاہی خیل اور کالان خیل برادران وپسران مدی
۱۷) خان خیل۔ شغال خیل۔ سجا خیل اور گلستان خیل برادران وپسران عباس خیل
۱۸) روڑی خیل۔ کٹی خیل۔ بایک خیل اور عقیب خیل برادران وپسران خواجہ ور
۱۹) دراز خیل پسر روڑی خیل
۲۰) کمال خیل۔ داد خیل۔ انس خیل۔ محبّ خیل۔ کڑا خیل اور منکر شاہ خیل برادران و پسران کنفتی خیل

شجرہ نسب عیسکی

۱) حسن خیل و سکندر خیل اور شمشی خیل برادران و پسران عیسکی از زوجہ اول

۲) نقرہ دین پسر عیسکی از زوجہ دوم

۳) سرور پسر عیسکی از زوجہ سوئم

۴) منگر خیل۔ مانک خیل اور سمل خیل برادران و پسران حسن خیل

۵) مستی خان خیل و سلیمہ خیل و محبت خیل اور الملی خیل برادران و پسران سکندر خیل

۶) سیر وا اور بڑا خیل برادران و پسران سرور پسر عیسکی

۷) سلامت خیل اور بہلونی برادران و پسران بڑ خیل

۸) شہباز خیل پسر مستی خان خیل

۹) شکی اور شجاع برادران و پسران محبت خیل

۱۰) غزنی خیل پسر ملنگر خیل

۱۱) شش پل اور خان خیل پسران غزنی خیل

۱۲) شش پل شاہ بزرگ خیل کا جد اعلیٰ ہے جس کا ذکر آنے کو ہے

۱۳) بابر خیل اور کلہ خیل برادران و پسران از زوجہ اول

۱۴) اسمٰعیل خانی پسر نقرہ دین از زوجہ دوئم

۱۵) بدل اور میلو برادران اور پسران نقرہ دین از زوجہ سوئم

۱۶) کبیر خیل اور خانان خیل برادران و پسران اسمٰعیل خانی

۱۷) جھنڈو خیل پسر نقرہ دین از زوجہ اول

۱۸) سرمست پسر جھنڈو خیل

۱۹) عبیت خیل و ملیک خیل اور اعظم خیل برادران و پسران سرمست

شجرہ نسب سیناوریا صنوبر

١) اینجل یا ہنجل پسر سیناور از زوجہ اول

٢) سوکڑی اور خوجڑی یا خوزڑی برادران و پسران سیناور از زوجہ دوم

٣) رشتی خیل و مستی خیل و ہیبت خیل اور مصری خیل برادران و پسران ہنجل

٤) والی خیل و شودی خیل و حسن خیل اور کمال خیل برادران و پسران سوکڑی

٥) سفید خیل و شامہ خیل وزیبا خیل اور سرقومی برادران و پسران خوجڑی

٦) وزیر خیل اور یعقوب خیل برادران و پسران شودی خیل

٧) بہادر خیل پسر والی خیل

شجرہ نسب سورانی پسر شیتک

۱) پک وغرزئی ومنداخیل وہیگ برادران وپسران سورانی

۲) خوزک وحسن خیل وکویزی وھیسکی یاموسکی برادران وپسران پک پسر سورانی

۳) داؤدشاہ ومحش خیل اورآمندی برادران وپسران خورک پسر پک پسر سورانی

۴) میر خوجہ (مشر) اور احمد خان (کشر) برادران وپسران داؤدشاہ پسر خوزک پسر پک پسر سورانی

۵) جونئی پسر حسن خیل پسر پک پسر سورانی

۶) مسودی خیل اور ملی زئی برادران وپسران ہیسکی پسر پک پسر سورانی

۷) ولہ خیل اور نصر الدین برادران وپسران ملی زئی پسر ہیسکی پسر پک پسر سورانی

۸) سلطان خیل اور ملا خیل برادران وپسران مسودی خیل

۹) خدی اور بوزی خیل برادران وپسران ولہ خیل

۱۰) بوبک خیل اور سنگی خیل اور زوزی خیل برادران وپسران خدی

۱۱) توربٹر وعالم گل بر وحاجی بڑا اور عالم خان بر برادران وپسران ملا خیل

۱۲) احمد خیل ومیسو خیل وآدم خیل اور میانگان برادران وپسران نصر الدین

۱۳) فضل حق اور مخل خیل برادران وپسران آدم خیل

۱۴) بوزی خیل اور مخل خیل برادران وپسران میر خوجہ مشر پسر داؤدشاہ

۱۵) لدی خیل اور گلہ خیل برادران وپسران احمد خان کشر پسر داؤدشاہ

۱۶) مستی خیل وحیران خیل اور پلی خیل برادران وپسران احمد خان کشر پسر داودشاہ

۱۷) ظفر خان وستال اور عثمان خیل برادران وپسران لدی خیل پسر احمد خان کشر

۱۸) موسم خیل اور خدز خیل خان برادران وپسران ظفر خان پسر لدی پسر احمد خان کشر

۱۹) صاحب خیل وممیت خیل اور عزیز خیل برادران وپسران گلہ خیل پسر احمد خان

۲۰) خٹک خیل وعبیر خیل اور حجا خیل برادران وپسران ممیت خان پسر گلہ خیل کشر

۲۱) حیات خیل اور ریمی برادران وپسران ممش خیل پسر خوزک پسر یک پسر شورانی

۲۲) کبوی خیل اور شوب خیل برادران پسران آمندی پسر خوزک پسر یک پسر سورانی

۲۳) اتمان خیل اور جانی خیل برادران وپسران شوب خیل پسر آمندی خیل پسر ممش خیل

۲۴) دولت خیل وسید خیل اور غیرت خیل برادران وپسران حیات خیل پسر ممش خیل

۲۵) امبورک خیل یا عنبرک خیل وبامی خیل وخوجہ خیل وارین خیل خدی خیل وسورنگی اور براہیم خیل برادران وپسران ریمی پسر ممش خیل پسر خوزک پسر یک پسر سورانی

۲۶) سرمست پسر موسم خیل پسر ظفر خان پسر لدی پسر احمد خان کشر

۲۷) غیبی خیل اور برہیم خیل برادران وپسران خدر خان پسر ظفر خان پسر لدی خیل پسر احمد خان کشر

۲۸) کمال خیل واشرف خیل وحاجی خیل ورکیت خیل وسمال تتار برادران وپسران یلی خیل پسر مخل خیل پسر مرخوجہ مشر پسر داؤد شاہ پسر خوزک پسر یک پسر سورانی

۲۹) فضل خیل اور مخل خیل برادران پسران آدم خیل پسر نصرالدین پسر ملی زئی پسر موسکی پسر یک پسر سورانی

شجرہ نسب غرزئی

۱) والہ دین اور خونی برادران وپسران غرزئی پسر سورانی

۲) دہرمد خیل دہرمہ ملکہ زوجہ اول والہ دین پسر غرزئی پسر سورانی

۳) فتح خان اور دریا خیل برادران وپسران والہ دین از زوجہ دہرمہ ملکہ زوجہ اول

۴) ہیبک پسر فتح خان پسر والہ دین از زوجہ اول دہرمہ ملکہ

۵) طلحہ پسر ہیبک پسر فتح خسان پسر اللہ دین از زوجہ اول دہرمہ ملکہ

۶) مغل پسر طلحہ پسر ہیبک پسر فتح خان پسر والہ دین از زوجہ اول دہرمہ ملکہ

۷) بابر خیل اور دوران برادران وپسران مغل جو بسب اہمیت والدہ دھرمہ ملکہ دھرمہ خیل مشہور ہے

۸) خانون خیل اور عابد خیل برادران وپسران واللہ دین از زوجہ دوئم پسر غرزئی

۹) سلطان خیل پسر خانون خیل پسر واللہ دین پسر غرزئی پسر سورانی

۱۰) شجاع خیل پسر سلطان خیل

۱۱) طوطہ خیل پسر شجاع

۱۲) بوزہ خیل اور زکر خیل برادران وپسران خونی خیل از زوجہ دوئم خونی پسر غرزی پسر سورانی

۱۳) مشکی خیل اور رویا خیل برادران وپسران کچوزئی

۱۴) امیر اللہ خیل پسر کچوزئی

۱۵) جیون شاہ خیل وحیات خیل وخوبی خیل وچندن خیل وپنداخان برادران وپسران زکر خیل پسر خونی پسر غرزئی پسر سورانی

۱۶) حسنی اور سڑنی خیل برادران وپسران خونی از زوجہ اول پسر غرزئی

۱۷) چنا خیل اور ایروت خیل برادران وپسران حسنی پسر غرزئی پسر سورانی
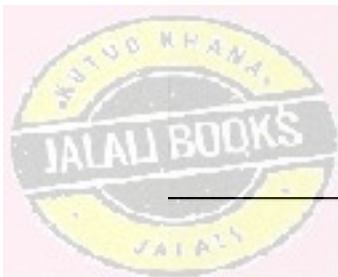
۱۸) حیات خیل وصدری خیل ولڑخیل ومیوہ خیل اور پخونی برادرانو پسر اند سڑنی خیل پسر خونپسر غرزئی پسر سورانی

۱۹) دواخیل اور کرکل ملیش خیل برادران وپسران عابد خیل پسر واللہ دین پسر غرزئی پسر سورانی

شجرہ نسب منداخیل

۱) لعلوزئی ولیبا خیل ومالیو اور چاوزئی برادران وپسران منداخیل

۲) مر خیل اور شوروٹر ابرادران اور پسران لعلے زئی

۳) عیسک خیل وہگلی خیل اور کم کتکی برادران وپسران بیسا خیل

۴) مندی زئی وتورکی وونده خیل اور بازیدی برادران پسران مالیو

۵) مس خیل وبرہیم خیل وحمزہ خیل اور بوبکر خیل برادران پسران چاوزئی

۶) میر قلم بڑوبہرام ٹبر اور عابد خیل برادران پسران مر خیل

۷) جونی خیل پسر ہگلی خیل

۸) شومی خیل پسر کم کتکی

۹) بالاخان وبہادرخان وخزر ٹبر وعلی زی اور کوپار برادران پسران تورکی

۱۰) کمال خیل وکوکل خیل وملی زئی وابراھم خیل اور آکم خیل برادران پسران بازیدی

۱۱) سمعیل پسر بالاخان

۱۲) بدرٹباک پسر سمعیل

۱۳) دوری خیل پسر کمال خیل

۱۴) باجی خیل پسر ملی زئی

۱۵) اسمل خیل پسر براھیم خیل

۱۶) ٹوکر خیل پسر حمزہ خیل

شجرہ نسب ہیبک

۱) بالا خیل اور اسماعیل خیل برادران پسران ہیبک

۲) سلیمی خیل اور نانی خیل برادران پسران بالا خیل

۳) ممازی و نظر خیل و عبدالجلیل و بارک خیل اور کی ہی برادران پسران اسماعیل خیل

۴) سرکی پسر عبدالجلیل

شجرہ نسب تپئے

۱) میرا خیل و اسماعیل خیل و گری اور قفل خیل برادران پسران تپئے

۲) رسول خیل و دولت خیل و تاجو خیل و مستی خیل و میوہ خیل اور نظام خیل برادران و پسران میرا خیل

۳) بومہ خیل و موسیٰ خیل اور خواجہ اجرام خیل برادران و پسران اسماعیل خیل

۴) نرمہ خیل و مند خیل و یاسین اور پہاڑ خیل برادران و پسران موسیٰ خیل

۵) ہاتھی خیل لوملیک خیل و مدہ خیل اور مندرہ خیل برادران پسران نقل خیل از زوجہ اول

۶) روری خیل اور تخل خیل برادران و پسران نعل خیل از زوجہ دوم

۷) غلام خیل اور خواجہ خیل برادران پسران مستی خیل

۸) بور خیل و خدر خیل و کوپر خیل اور مندن خیل برادران پسران تاجی خیل

۹) کلدن خیل و خلیل خیل اور سفیل برادران و پسران ہاتھی خیل

۱۰) نجل خیل پسر مدہ خیل

شجرہ نسب خاندان غوریوالہ (غزنیوں وال)

۱) عمر خان اور سمل برادران پسران حسن خان یوسفزئی

۲) کرک و تمک و تتر خان اور خدر خان برادران پسران عمر خان

۳) عمر خان و ظفر خان اور مہر شاہ برادران پسران تتر خان

۴) قطب و منگل و مغل خان و منگل خان اور چیاڑ برادران پسران ظفر خان

۵) مغل خان نے اپنی حیات میں کل ۶ (چھ) بیویاں کی جو مختلف اقوام سے تھیں جن کے باعث مغل خان اپنے ہم عصروں میں مضبوط حیثیت کے مالک تھے۔

زوجہ اول قوم تتر خیل مروت۔ زوجہ دوئم قوم باکی خیل زوجہ سوئم مسمات شائستہ زوجہ چہارم قوم عالم خیل زوجہ پنجم قوم پنجن خیل زوجہ ششم مسمات داوڑ

۶) زوجہ اول سے سرفراز و دراز و متال اور سیئے برادران پسران مغل خیل

۷) غاسم اور قاسم برادران پسران مغل خیل از زوجہ دوم

۸) محمد حسن اور منصور برادران پسران مغل خیل از زوجہ سوم شائستہ

۹) نصرت پسر مغل خیل از زوجہ چہارم

۱۰) نواز خان پسر مغل خیل از زوجہ ششم

۱۱) لاہور پسر مغل خیل از زوجہ ششم

۱۲) جنگی اور سکندر برادران پسران قاسم پسر مغل خیل

۱۳) حکیم و امین و ابراہیم اور دیوانہ برادران پسران سیئے پسر مغل خیل

۱۴) خان صوبہ و ظالم خان اور صابطہ برادران پسران حکیم پسر سیئے پسر مغل خیل

۱۵) الہداو زر خان و میر افضل و گلام اور غنے برادران پسر جنگی پسر قاسم پسر مغل خیل

۱۶) صاحب دار اور آغا خان و غیرہ برادران پسران الہداپسر جنگی پسر قاسم پسر مغل خان

۱۷) حکیم و امین و ابراہیم و دیوانہ اور جعفر خان برادران پسران سیئے
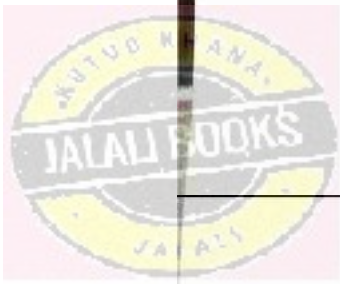
۱۸)　سردار خان و فیض اللہ خان اور میر اکبر برادران پسران جعفر خان از زوجہ اول

۱۹)　پردل خان اور غلام حسن برادران پسران جعفر خان از زوجہ دوئم

شجرہ نسب خاندان بازار احمد خان

شاہ بزرگ خیل

۱) غزنی خیل پسر لنگر خیل پسر حسن خیل پسر عیسیٰ

۲) ششپل اور خان خیل برادران پسران غزنی خیل

۳) احمد خان بن ملک وزیر اعظم بن خٹک خان بن لنگر خان بن شش پل بن غزنی خان

۴) دریاخان اور خانان اور اعظم خان برادران پسران احمد خان

۵) عالم خان اور سمل خان برادران پسران خانان

۶) شاہ بزرگ پسر اعظم خان پسر احمد خان پسر وزیر اعظم پسر خٹک خان پسر لنگر خان پسر شش پل پسر غزنی خان

۷) دریاخان اور شرافت خان برادران پسران شاہ بزرگ از زوجہ اول

۸) تپل و کشمل پسران و برادران شاہ بزارگ از زوجہ دوئم

۹) مسماۃ بی بی و مسمات مدینہ دختران شاہ بزرگ از زوجہ دوئم

۱۰) زبر دست۔ سر مست ان مست اور قلندر برادران و پسران شاہ بزرگ از زوجہ سوئم

۱۱) خالصوبہ پسر شرافت خان پسر شاہ بزرگ از زوجہ اول شرافت خان پسر شاہ بزرگ

۱۲) الہد اوذو لفقار اور صحبت برادران پسران تپل پسر شاہ بزرگ

۱۳) مہر دل اور شاہ کو ثر برادران پسران کشمل پسر شاہ بزرگ

۱۴) میر ہوس اور مدت برادران پسران زبر دست پسر شاہ بزرگ

۱۵) جنگ باز اور خبد ر برادران پسران سر مست پسر شاہ بزرگ

۱۶) دکس خان اور شیر دست برادران پسران زن مست پسر شاہ بزرگ

۱۷) قلم خلان اور عالم خان برادران پسران شرافت خان از زوجہ دوئم

۱۸) سردار پسر ذوالفقار پسر تمپل پسر شاہ بزرگ

۱۹) سعادت پسر صحبت پسر تمپل پسر شاہ بزرگ

۲۰) لعل باز خان اور درب خان برادران پسران جنگ باز پسر سرمست پسر شاہ بزرگ

۲۱) میر عالم وشیر زاد اور میر اکبر برادران پسران دکس خان پسران مست پسر شاہ بزرگ

۲۲) نظم خان اور عالم خان برادران پسران خالصوبہ پسر شرافت خان پسر شاہ بزرگ

۲۳) ضابطہ خان وحاجی مزد خان اور زبردست برادران پسران شارافت خان از زوجہ دوئم

۲۴) صوبیدار اور زردار برادران پسران الدیی پسر تمپل پسر شاہ بزرگ

۲۵) فیض اللہ خان و میر عباس خان اور سرحزاد خان برادران پسران لعل باز خان پسر جنگ
باز خان پسر سرمست پسر شاہ بزرگ

۲۶) اکبر علی خلان و عبداللہ خان و میر زمان خان اور قیصر خان برادران پسران درب خان
پسر جنگ باز خان پسر سرمست پسر شاہ بزرگ

۲۷) ممتاز خان ورب نواز خان اور ملک دمساز خان برادران پسران ملک اکبر علی خان از
زوجہ اول

۲۸) بدیع ازمان خان۔ شاہ دولہ خان اور عطاء اللہ خان برادران پسران ملک اکبر علی خان از
زوجہ دوئم

۲۹) میر سرور خان و میر سید خان اور میر وال خان برادران پسران میر زمان خان پسر
درب خان

۳۰) محمد حیات خان۔ محمد افضل خلان۔ محمد منور خان اور ملک سرفراز خان برادران پسران
امیر سرور خان پسر میر زمان خان پسر درب خان از زوجہ اول

۳۱) محمد نواز خان پسر میر سرور خان از زوجہ دوئم

۳۲) اعجاز خان وامتیاز خان۔ خان ایاز خان و ملک ایاز خان اور بلقیاز خان برادران پسران ممتاز
خان پسر اکبر علی خان پسر درب خان